

عَلَّمَكَ

نامہ کے تاریخی مقالے اور حکمت و سیاست کے موازنے

افغان بادشاہ

علی حضرت غازی امان اللہ خان خلد اللہ ملکہ جگہ

کی
عظیم الشان چشم دید داستان

از محمد حسین خان بی اے (علیگ) رئیس ریاست عمومی افغانستان

(ڈاکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن) ۱۹۲۱ء

مطبوعہ فیروز پرنٹنگ و کس ۱۱۹ سرکل روڈ لاہور، باہتمام ایم عبدالحسین خان پنجہڑ

قیمت فی جلد

01659

تہذیب

اکیس سال ہوئے میں نے پنجاب کی اقتصادی حالت اور
 جالندھر کے پٹھانوں کی تاریخ لکھ کر علیگڑھ کالج کی ہسٹریکل
 سوسائٹی سے انعام حاصل کیا تھا۔ اس تسوید کا سبب وہ شغف تھا
 جو مجھے اپنے افغانوں کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے۔ اور افغانستان
 کی گیارہ برس کی قید میں کم نہ ہوا۔ جس کا باعث انہی کی تعلیم اور
 اصلاح تھی۔ اب یہی وجہ ہے کہ دس سال سے معارف کی
 مدیریت اور ریاست پر مقرر ہوں۔ ملت افغان کے معلم اور
 مصلح بادشاہ کے سچے اور مفید حالات سے زیادہ بیش
 قیمت تحفہ ہندوستان کی بستیوں کے حظ اور استفادے

کے لئے پیش کش نہیں کر سکتا۔ جن کی دلچسپی کے لحاظ سے
مشاہیر اور حکمت و سیاست کے مقایسات بھی درج کئے
گئے ہیں ۵

خوشتر آں باشد کہ ستر و لبس راں
گفتہ آید در حدیث دیگران

محمد حسین - کابل

رمضان ۱۳۴۶ھ

فہرستِ امین

صفحہ

مضمون

۱	تالیف ناظرین
۵	چند ہم عمر جو احمد شاہ میر
۷	پنہان کی تعمیریں اور بعض عجیب تدبیریں
۱۱	تعطیلِ بخشنہ اور جمعہ سے استفادہ
۱۴	شہر دارالامان کی تعمیرِ مذہبیت و حکمتِ تخمیر
۱۸	ترانہ دارالامان
۲۲	شعرو سخن سے استفادہ
۲۵	چند اشعارِ شاہانہ
۲۷	سماع سے مافوقِ بند پروازی
۳۰	طائفِ سیرو شکار اور اسرارِ کاروبار
۳۱	سطحِ بینی کی غلطیاں
۳۳	معاذیرِ سیاتِ بزرگان
۳۷	شفاخانہ سل

صفحہ

مضمون

۴۰	لڑائی کی ضروری بُرائی
۴۲	جنگ و صلح کی عجیب آمیزش
۴۷	ملا اور وعظ
۵۱	رموز زبان دانی
۵۴	خود سبق پڑھانا
۵۷	ترویج نظام اعشاریہ
۵۹	شہسواری میں خدمت ملک
۶۲	پایدار ملی سچیہ وقار و استقلال
۶۵	گھوڑے کی قدر و قیمت
۶۶	غریب نوازی و مسافر پروری
۶۷	صحیح و سلیم عدل و داد
۷۰	شفقت خلقت
۷۲	معرفت و تجارت کا اساس
۷۵	تصدیہ و محنت شاہانہ
۷۷	حق پسندی
۸۱	مدنیت اور معدلت کے کرشمے
۸۱	ذوات کبار کی جزوری
۸۳	ایک مجرم کا قصہ

صفحہ

مضمون

۸۴ دلیس لباس کی عجیب ترویج
۸۷ نکات لباس
۹۱ قتل میں تامل
۹۲ دو کاموں میں ایک وقت اشتغال
۹۴ چند نکات سیاسیات
۹۷ سلطان صلاح الدین کا موازنہ
۹۸ اصلاح یحییت میں اسلام سے استفادہ
۹۹ روسی ارتقا کا مقابلہ
۹۹ سیاسی تطبیقات
۱۰۰ بخارا اور خیوا کی آزادی
۱۰۱ معاملہ برطانیہ
۱۰۲ نطق شاہانہ
۱۰۵ لباس التقویٰ اور بھیس بدلنا
۱۰۷ شہزادگی میں بھیس بدلنا
۱۰۸ بھیس بدل کر ایک شہر سے دوسرے میں جانا
۱۰۹ اختراع لباس
۱۱۰ پھٹے کپڑوں پر فخر کرنا
۱۱۱ حقیقی زہد و قناعت اور ایشیا و سخاوت

صفحہ

مضمون

۱۱۲ بیت المال سے کچھ نہ لینا بلکہ دینا
۱۱۵ ایک وقت ایک قسم کا طعام
۱۱۶ سونے میں سادگی
۱۱۷ کفایت شعاری
۱۱۹ سخاوت معقول
۱۲۰ بادشاہی قیدی کے ساتھ عدل و فضل کا سلوک
۱۲۲ مددِ مہاجرین
۱۲۳ معارف کو محلات کے عطیے
۱۲۵ بادشاہی قصروں میں محکمے
۱۲۷ مکان اور سامان میں قناعت
۱۲۹ لباس میں انکسار و افتخار
۱۳۲ حسنات و میاں روی میں سبقت
" مفراطین کی ایک دو مثالیں
۱۳۳ شاہانہ شمائل کا شمار
۱۳۴ بادشاہی کے لئے امتحان و انتخاب
۱۳۷ عبدِ امان کے چند اشعار
۱۳۹ قیدیوں کے ساتھ سلوک اور اصلاحِ محبس
" غلاموں سے درگزر اور اُن کی وفاداری

مضمون

صفحہ

۱۴۴ سابق سزائیں
۱۴۷ ہماری قید کی طرف اشارہ
۱۴۹ جلوس برکت و شوکت مانوس
۱۵۱ بادشاہ کے بعد شہزادوں میں تاریخی نزاع
۱۵۲ داخلی و خارجی فعالیت کفنی
۱۵۴ فتنہ پردازوں کی بیخ کنی اور اصلاح و تقدم
۱۵۷ جہان اعداد آباد
۱۵۸ قضا و قدر کی کمک
۱۶۰ قتل کے منصوبے کا سرخ
۱۶۲ عفاقت اور زوجہ واحدہ
۱۶۳ سمت جنوبی کی بناوت
۱۶۵ علم کی جبل پر فتح
۱۶۷ مجلس کبیر
۱۶۸ اصلاح میں نرمی اور اطمینان
۱۷۰ غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی
۱۷۲ افواہ اور سرگوشی
۱۷۶ ایک اور منصوبے کی تعقیب
۱۷۸ شرق و غرب کے بادشاہوں کا استبداد

صفحہ

مضمون

۱۸۰	علم حضرت کی اشاعت آزادی
۱۸۲	قوہ ناطقہ اور بادشاہی امامت
"	استقلال اور جہاد پر تقریریں
۱۸۳	معارف پر نطق
۱۸۵	کلام میں بدیع نکلتے
۱۸۶	مفید خطبوں کا شروع کرانا
۱۸۸	مسلمانوں میں قدیم تفرقہ
۱۹۰	علماء اولیاء کی عزت گزینی
۱۹۲	امامت کے لئے سیاست دانی
۱۹۵	خطبے میں سب مسلمان بادشاہوں کے نام لینا
"	دوسرے اسلامی ممالک میں مصالحت کرانا
۱۹۷	دماغی اور عملی وسعت و مساوات
۱۹۸	علمائے الہی کا جامع کمالات عملی و علمی ہونا
۱۹۹	قانون کی سوکتوں کی تصنیف
۲۰۱	عمومی و خصوصی معاملات میں بادشاہ اور رعیت مساوی
۲۰۲	اعطا اور اباے قانون کے نتائج
۲۰۵	خلاف ورزی قانون پر معزز عزیزوں کو قید کرنا
۲۰۸	خلوت میں جلوت، بلند نظری اور کفایت شعاری

صفحہ

مضمون

۲۰۹	غیر معمولی فراستِ مومن
۲۱۰	بزرگوں کے لطیف قواعد و حواس
۲۱۱	موازنہ مصارف جنگ
۲۱۱	خزانہ بھرنے کے مدخل
۲۱۳	بیگار کی موقوفی
۲۱۵	اقتصادیات کے نکات و مقاضات
۲۱۶	تجاری شرکتوں کو فروغ دینا
۲۱۹	محصولات نقد لینا
۲۲۰	تاجروں کو نصائح و مواعظ
۲۲۱	شادی و ماتم وغیرہ کی رواجوں میں اصلاح
۲۲۲	نمونہ بادشاہ
۲۲۳	مثال شاہزادگی
۲۲۵	مالیات اور اصول دفتری کی اصلاح
۲۲۶	زراعت پر توجہ
۲۲۸	دہقانِ لباس دربر کرنا
۲۳۱	نماز استسقا کی دعا
۲۳۲	قحط میں عدل اور رحم کی تدبیریں
۲۳۳	خیر و شر سے ایمان کی پہچان

صفحہ

مضمون

۲۳۵	نئے شہر کی پرانی آبادی
۲۳۶	پرانے شہر کی نئی آبادی
۲۳۷	نئے اور جوئے کا گناہ اُن کے فائدے سے زیادہ ہے
۲۳۸	مکروہات اور تزئینات پر محسول
۲۳۹	تباکو سے پرہیز
۲۴۱	چائے کے مرغوب رواج میں کمی
۲۴۲	اقتصاد حقیقی
۲۴۳	شاہانہ فعالیت میں ایک سڑک کی مثال
۲۴۶	مختلف مسالک کے ساتھ رواداری اور قدر و حرمت گذاری
۲۴۷	افراط و تفریط میں توسیط
۲۴۸	خارجہ ملازموں کے ساتھ حسن سلوک
۲۴۹	ہندی اور ترکی مستخدمین پر عنایات
۲۵۰	ایرانی اور ترکی همانوں اور مہربانوں کی قدر افزائی
۲۵۱	ترکی اور ہندی مشاہیر کی ماتم داری
۲۵۲	یہودیوں کی طمانیت
۲۵۳	شیعوں کے ساتھ یگانگی
۲۵۴	عملی اصلاح کے قطروں سے دریائے فسیض بہانا
۲۵۵	مساجد کے ملاؤں سے استفادہ

مضمون

صفحہ

۲۵۷	خاندانی فرائض کا ادا کرنا
۲۵۸	ذاتی خوشی کو امور دولت میں دخل نہیں
۲۶۰	علم و عمل میں جدوجہد
"	بزرگوں کی عالمانہ تواضع
۲۶۳	خادموں کی طرح خدمت کرنا
"	یورپ کے سفر میں حضر
۲۶۵	باسیاں کی سیاحت کا لطیفہ اور افادہ
۲۶۸	شاہیر سے مقایسہ
۲۶۹	متعلمی میں مکتبوں سے استفادہ
۲۷۰	سیدھے مردانہ سلام کو پسند کرنا
۲۷۱	زبان کی تشریح
"	صورت اور سیرت کا جمال و کمال
۲۷۳	وقار اور رعب سے استفادہ
۲۷۴	محبوبہ عرفان کے ساتھ وفا
۲۷۷	فاتحانہ اقدام پر سزا کا تاریخی سبب
۲۷۸	مجازات و مکافات جنگ
"	بعض القاب لینے سے انکار
۲۷۹	تمغہ معارف قبول کرنا

صفحہ

مضمون

۲۸۱	تعلیم اور عرفان پروری میں جدت اور جواہری
"	سابقہ عہد کی تعلیم
۲۸۲	فوری انقلاب کی خرابیاں
۲۸۴	اسلام کا غلبہ
۲۸۵	خارجی ترقیات کی وطن میں تطبیق
۲۸۶	خود طلباء کا امتحان لینا
۲۸۶	لاطینی، یونانی اور چینی کی عربی فارسی اور پشتو سے مناسبت
۲۸۸	اساسی اور موقتی مکاتب
۲۸۹	اجرائے تعلیم میں شالانہ رہنمائی
۲۹۲	معاونت محتاجاں
۲۹۳	تعلیم نسواں کا فوق العادہ اقدام اور تقدم
"	پنجان میں تعلیم اور تنویر افکار
۲۹۴	مکتب نسواں کی عاجلانہ تاسیس
۲۹۶	نصف ملت کی تسخیر
۲۹۸	لڑکیوں کی امتحان میں سبقت
۲۹۹	برقہ اور پردہ
۳۰۱	مکتب اعداویہ کے افتتاح پر قصیدہ
۳۰۵	ملک کی تفتیش اور اخبار

مضمون

صفحہ

۳۰۵	تذکار وغیرہ کی تفتیش
۳۰۶	ولایت مزار کی تفتیش اور نئی سڑکیں
۳۰۷	بلخ اور مزار علی رضا
۳۰۸	اخباروں کی فوری اشاعت
۳۰۹	حکومت کی مصلحانہ نگرانی
۳۱۱	مفید ابلاغات کی جدا اشاعت
۳۱۳	طلبا کے موفقانہ اعزاز ام یورپ کا لطف
۳۱۴	طلبا کو یورپ بھیجنے کا مطلب
۳۱۵	طلبا کے بھیجنے پر نطق اور نصیحت
۳۱۸	شہزادوں اور عام متعلموں میں مساوات
۳۲۰	بعضوں کا کامیابی سے لوٹنا
"	یورپ سے کابل کے مکاتب کو تحفے بھیجنا
۳۲۱	بابر کے ساتھ مقایسہ
۳۲۲	خاتمہ بالآخر کی اُمید

تالیفِ ناظرین

اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں کے حالات نہ صرف ملتِ افغان اور اُمتِ اسلام بلکہ جمعیتِ بشر کے لئے ضروری نافع اور مرغوب ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ذواتِ کبار کا تعلق جہاتِ عشرہ اور ملک سے گذر کر تمام جہان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ کیا اصلاحِ الدین شیر شاہ یا نپولین کے قصے نصیحتِ تیج اور عبرت کے اعتبار سے صرف شام، ہندوستان اور فرانس ہی میں محصور ہیں؟

اگر تاریخ و سیر کی علت غائی احاطہ مفید ہے تو ایسے وقائع سے صرف نظر کرنا جن میں نہ اہمیت و منفعت ہو نہ رغبت و مسرت، البتہ اولیٰ ہے۔ بیشک سوانح نگارِ رطب و یابس کو قیدِ تحریر میں لاکر مؤرخوں کو قسبِ اس و شنباط کا موقع دیتے ہیں، لیکن وہ حشو ایک مختص جماعت کے لئے کار آمد ہے۔ عموماً قارئین کے واسطے پہلے لمچپ صورتِ لازم ہے۔ تاکہ اس مجاز کے ذریعے سے مؤثر معنی تک وصل ہوں۔ اسی قبیل سے ہے حوادث کی توزیع و تبیین سالوں اور مہینوں میں۔ چونکہ

ان کی نسبت حساب سے ہے۔ شاید شائقین ریاضی کی طرح جن کی تعداد کم ہے، اربابِ تاریخ اس سے استفادہ کریں، مگر اکثر ناظرین کے لئے فوری فراموشی کے سوا چارہ نہیں، کیونکہ اُن کو صرف سطحی اور سرسری نظر ڈالنے کی فرصت یا خواہش ہوتی ہے۔ لہذا میں نے روز و ماہ کے تقیّد سے کنارہ کشی اختیار کی۔ الا اس حالت میں کہ

فوتِ مطلب محتمل تھا۔
معصع کھور

پلوٹارک نے کہا ہے کہ بڑی بڑی لڑائیاں فتح کرنے اور بڑے بڑے شہر تصرف میں لانے سے، جن کی شہرت جہاں گیر ہو، انسان کی خوبیاں یا بدیاں ایسی ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ ایک معمولی بات یا بازی سے کسی جزوی موقع پر طبیعت اور عادت کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس لئے میں نے زیادہ تر اُن واقعات کو منتخب و ملقط کیا جو کسی نہ کسی شکل میں مجھے تو متہم بالشان مگر اُن کا حدوث متفرعات میں ہوا تھا۔ ایک دن تاریخ کے تذکرے میں علامہ حضرت غازی فرمانے لگے کہ مؤرخ کسی بادشاہ کی رافت و رحمت کے ثبوت میں لکھ دیتے ہیں کہ اس نے ایک دفعہ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور اُن کے زعم میں یہ ستائش کا فعل ہوتا ہے۔ حالانکہ چور کو جس نے سرقہ کیا ہو، قاتل کو جس نے کسی کی جان لی ہو، اور قرضدار کو جو دوسرے کا حق ادا نہ کرتا ہو، استروا و مال، قصاص نفس، اور تاویۃ قرض کے بغیر چھوڑ دینا عدل



اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان خلد اللہ ملکہ و حکمہ
فرمانروا دولت افغانستان

اور رحم سے بہت دُور ہے ۛ

بیشک ظالموں اور مفسدوں کو موردِ الطاف بنانا مساوی ہے نیکوں اور مُطیعوں کے
معتوب کرنے کے ۛ

ترحم بر پلنگ تیز ونداں ستمگاری بود بر گوسفنداں

سروین ٹیئر نے ایک ہسپانوی قہرمان کا حال لکھا ہے جس نے غریب نازی اور مظلوم
پروری کی سیاحت میں ایک محبس کا دروازہ کھول دیا۔ اور قیدیوں نے آزاد ہو کر
دکانوں کو لوٹنے کے علاوہ اپنے محسن کو بھی نہ چھوڑا ۛ

اورنگ زیب کا اپنے سگنوں کی شہریروں کا موازنہ کرنا اور پھر خود ایک صحیح مزاج
کننا مشہور ہے۔ اس زبردست بادشاہ نے اپنی زندگی میں تاریخ نویسی کی ممانعت کر
رکھی تھی کیونکہ مستبد حاکم کی حیات میں محکوم جب تک اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو لے
جرح و قدح کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ باوجود اس کے خانی خاں نے تاریخ لکھی مگر چونکہ
مقابلے میں اور کتابیں نہیں تھیں۔ اس لئے اس عہد کے اصلی واقعات کی تنقید کما بینغی
نہیں ہو سکی ۛ

سلطان صلاح الدین جس کے دربار میں مورخانِ محقق رونق افروز تھے بنفس
نفس اُن کی تالیفات کا مطالعہ کر کے اصلاح کرتا تھا۔ ایسی خطاؤں کی جو سوا ہوا جاتی

تھیں ورنہ وہ اساتذہ تاریخ عالم ایسی غلطی سے بہت بلند تھے چو بادشاہوں کے
 حیوب پر پردہ ڈال کر ان کے حسات کو اغراق سے آشکار کرتی ہے چونکہ بادشاہ
 کے بعد نسیان و عصیان موجب سقم بیان ہو سکتا ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ
 اس کی زندگی میں تاریخ لکھی جائے خصوصاً جبکہ وہ خود حق پرست ہو ۛ

اعلیٰ حضرت غازی فصاحت و بلاغت، روایت و درایت میں فطری اصابت رکھتے
 ہوئے تقریر و تحریر کو ایسے لطیف معیار سے پرکھتے ہیں کہ بہت کم عالم و ادیب ان کے
 سامنے پورے اُترتے ہیں۔ اور وہ تھوڑے بھی ذاتِ شانانہ کی اصلاح کو ہمیشہ معقول
 اور مقبول قرار دیتے ہیں۔ ایک اعلیٰ حضرت مجھ سے فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں
 سچے سچے واقعات میری سوانح عمری میں رُج ہوں۔ کیونکہ ایک وقت آئیگا جب تم
 ہو گے نہ میں ہوں گا۔ پھر لوگ کہیں گے کہ کسی لحاظ سے حق پوشی کی گئی۔ اس لئے
 ایماناً اور وجداناً صحیح حالات لکھو۔ اگرچہ میں نے ارشادِ ہمایونی کی پوری اور صمیمی
 تعمیل کی ہے۔ پھر بھی مجھے اندیشہ ہے کہ کس نفسی سے میری کتاب کو پسند نہیں
 فرمائینگے۔ اور باوجودیکہ میں نے اردو میں پناہ لی ہے، اُن کی بیدار مغزی اور
 نظرِ امعان کی کسوٹی کا پھر بھی خدشہ ہے ۛ



چند ہم عصر حوال مرد مشاہیر

ایک سی سالہ جوان یونان سے نکل کر ایران کو فتح کرتا ہے۔ اور اُس سے آگے
 بڑھ کر ایک شہر کی بنیاد رکھتا ہے۔ جو سقوطِ سین سے جیسا کہ بعض کلمات میں ہوا ہے
 قندھار کے نام سے بدل جاتا ہے۔ نظامی اپنی وسیع مقامی سے غربی کو غریب و
 غیرہ جان کر اُس کی فتوحات کو سکندر نامہ میں روشن کرتا ہے ۛ

اسی قندھار سے ایک تیس برس کا جوان اُٹھتا ہے اور اصفہان میں پہنچ کر صفوی
 تخت پر بیٹھتا ہے ۛ

سکہ زرد از مشرق ایراں چو قرص آفتاب

شاہ محمود جہاں گیر سیادت انتساب

اُس عصر اور اُس زمانے کے مسلمانوں کا تفاوت ملاحظہ ہو کہ تنگ نظری اور خشک
 مغزی سے اس افغان فاتح کی کمائی کو چھپڑا تک بھی نہیں۔ حالانکہ اُس نے بھی

ۛ ستارے سے تارا۔ افغانی سترے سے ترے۔ یونانی سکوں سے فرانسیسی ایکول ۛ یہ بہت سی

روایات میں سے ایک ہے جو اصح نہیں ۛ

دارا کی مملکت کو فتح کیا تھا ۛ

پھر قندھار میں ایک جوانمرد پیدا ہوتا ہے۔ اور درانی خاندان کے ماتحت افغانوں کو متحرک کر کے ہندوستان پر لشکر کشی کرتا ہے۔ اور اپنے ہمنام مغل بادشاہ کو افغانستان کا خراج گزار بناتا ہے۔ اسی گھرانے کے ایک بزرگوار کے نام پر اب تک یہ روپے پائے جاتے ہیں ۛ

سیم و طلا شمسِ قمرِ مے دہد نوید
وقتِ وِاجِ سکّہ پائندہ خاں رسید

جسکی پانچویں پشت سے ایک صاحبِ عزم و جوان دنیا کی سب سے زیادہ قوی اور منطّقر دولت کے علاوہ الرّغم، قوت آزمائی کے بعد اپنے ملک کے لئے وہ مرتبت اور وقعت حاصل کرتا ہے جو امیرِ کبیر کے دوران سے بیکرا امیرِ شہید تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ امیرِ شیر علی خاں اور امیرِ عبدالرحمان خان جیسے بطل بادشاہ بھی ان میں داخل تھے ۛ

اعلیٰ حضرتِ غازی امان اللہ خاں، ۱۳۰۹ ہجری پانچ ذیقعدہ جمعرات کو پغمان میں متولد ہوئے تھے، جہاں اُس کے متعلق ایک مثنیٰ اور نفیس یادگار اہلِ محارف نے تعمیر کروائی ہے ۛ

پنمان کی تعمیریں اور بعض عجیب ترین

لطیف و نینع عمارت کو شاعرؔی خاموش و موسیقی منہجہ کہتے ہیں۔ چونکہ آبادانے وطن کا انحصار انہی پر ہے لاجرم طبع سلیم شاہانہ اس طرف منعطف ہوئی۔ البتہ بعد از آنکہ داخلی اور خارجی امور سے امنیت اور طمانیت حاصل کر لی جب لوطن کے ایمانی فحوا سے وہ شغف جو اعلیٰ حضرت کو افغانستان کے ساتھ عام ہے، خاص قندھار کے ساتھ ہے جو مسکن اجداد ہے اور اخص پنمان کے ساتھ ہے جو مستقط الراس شاہانہ ہے۔ یہ اُلفت فطری اور بشری ہے۔ لیکن عدل و مساوات میں جو کافہ رعایا و برایا کے ساتھ روا و ابرا فرماتے ہیں کوئی تفریق و ترجیح عمل میں نہیں آتے پاتی پنمان کے بارے میں ایک ذاتی قیاس کی میں نے جرأت کی ہے۔ ورنہ دارالامان کی طرح اس موقع کی نصارت اور نظام کی تفصیل اس کی معموریت کا باعث ہوئی ہے *

چند سالوں میں یہاں مکمل اور مصتح کوٹھیاں تعمیر ہو گئی ہیں۔ جن کے گرد شاداب باغیچے ہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت کی سب تجاویز کا دستور ہے۔

ان عمارتوں کو بھی ایک معین اساس اور قاعدے کے مطابق بنانے کا حکم دیا ہے۔ جو متمدن دنیا میں ستم ہے۔ لوگوں نے اسی صحیحہ اور خوشنما نظام کے موافق اپنے عالیشان مکان بنائے ہیں۔ سرکاری قصر اور عمومی محل بہت ہیں۔ گرمیوں میں سب وزارتیں یہیں منتقل ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک نے اپنی خاص مقتضیات کے لحاظ سے تعمیریں تیار کروائی ہیں :

معارف نے وزارت اور مکاتب وغیرہ کے علاوہ صحیحہ تشکیل بنوایا ہے۔ یعنی تھئیٹر جس کی عمارت بہت وسیع و رفیع ہے۔ سما بھی یہیں ہے۔ اور معارف کے ساتھ اُن کا تعلق اس لئے ہے کہ صرف اخلاقی اور ملی قصبے عمل میں لائے۔ اور منفیہ فلمیں دکھائی جاسکیں تاکہ ملت کے تنویر افکار میں جلدی اور مؤثر کامیابی ہو۔ ڈراما اور سما محض تعیش کا سامان نہ بن جائے۔ اور اُن کے ذریعے لوگوں کی عادات بگڑنے کی بجائے جیسا کہ بعض ممالک میں ہوا ہے ایسی سنور جائیں جیسا کہ ایک اعلیٰ درجے کے اخلاقی مدر سے میں متوقع ہو سکتا ہے :

اگرچہ ڈرامے تیار کرنا وزارتِ معارف کا کام ہے اور یہ سان نہیں کیونکہ ملتِ افغان ایسی جدت پسند واقع ہوئی ہے کہ ایک ڈرامے کو دو دفعہ

دیکھنے کی متحمل نہیں ہوتی، اعلیٰ حضرت غازی کی ہدایات ہمیشہ راہبری کرتی رہتی ہیں۔ انہی کے امر سے یہ بدلیج چیزیں صحیح و مفید طریقوں پر جاری ہوئیں۔ اور انہی کے ایما و مشورے سے ان کا دلکش اور فیض رساں دوام ہے۔ چونکہ جشن استقلال یعنی خود مختاری کی عید سالانہ نپسان میں منائی جاتی ہے۔ روزانہ ذرائع شادمانی کے علاوہ، شبانہ وسیلہ حظ و افادت بھی صحنہٴ تنبیل ہے۔ جس کی عمارت تجمل اور صنعت کے اعتبار سے ایک بلند یورپین تھیٹر سے کسی طرح کم نہیں۔

ایک ہولناک کھنڈرات نما ویرانے کو ہموار کر کے، پنمان کا باغ عمومی مرتبہ وار تیار کیا گیا ہے۔ جس کے پھولوں کے بے شمار تختے اور سرور و قدح و آرائشی تفریح اور تفرج کے مواقع پیش نظر لاتے ہیں جو افغانستان میں پہلے میسر نہیں تھے۔ شہر کابل بھی اب ایک مردانے اور دوسرے زنانے باغ عمومی کا مالک ہے۔ اور اگرچہ دوسرے ملکوں میں یہ چیزیں عام ہیں مگر افغانستان میں صرف بادشاہ کی توجہ اور ارادے سے جو ملت کی کاشت و آسائش پر وقف ہے۔ یہ سیرگاہیں مہیا ہوئی ہیں۔ لہذا پنمان میں بڑی مرتبہ اور آرائش ہوئیں قائم ہیں۔ جن میں 'فرح' اور 'بہار' اس پیمانے کی ہیں۔ جو

ایک قدیم متمدن شہر میں قابل رشک ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ مسائش گاہیں، شہر کا منار اور طاقِ ظفر ہے۔ جس کے اندر سے پیمان میں داخل ہونا استقلال اور حریت کی یاد کو تازہ رکھتا ہے۔

اگرچہ ایک اسلامی سلطنت میں ضرور ہے کہ سب سے پہلے ان گھروں میں رفعت و زینت موجود ہو۔ جن کی نسبت ارشاد ہے۔ **فِي بُيُوتٍ** **أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ**۔ چنانچہ ایسا ہی اہتمام کیا گیا ہے۔ کیا بلحاظ بلندی عمارت اور اس کی صنعت کے، اور کیا باعث بارنفاست اور روشنی کے پیمان کی نئی مسجد سب عمارات پر فائق ہے۔ بجلی کے فانوسوں کی طرف جو یہاں کثرت سے آویزان ہیں بعض لوگ اشارہ کر کے نور کی آیات پڑھتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں مصباح جو زجاجہ میں ہے اور وہ گویا درخشندہ ستارہ ہے۔ تیل پوری ہے نہ پچھمی۔ جو بن چھوٹے آگ روشن کرے۔ مگر اعلیٰ حضرت کی توجہ تنویر افکار پر ہے۔ جو کلامِ الہی کا اصلی مقصد ہے۔ یعنی خود وعظ اور خطبے ایسے طریقے پر پڑھ کر جن سے سامعین متاثر ہوں۔ اور اعمالِ صالحہ کا جہراً اقدام کریں، حقیقی امامت کا حق ادا کرتے ہیں، ساتھ ہی مختلف لے ایسے گھروں کے بلند بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

وزرا کو بھی منتخب فرماتے ہیں۔ تاکہ ہر جمعہ پٹنمان کی مسجد میں مفید اور ضروری مضامین پر منبر سے نطق ایراد کریں۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کو بجا لاکر خیر امت اور وزارت کے بہترین منصب کے مستحق ٹھہریں۔ یہ ظاہر ہے کہ سب دنیوی ترقیات دینی احکام کی تعمیل پر مبنی ہیں۔ اور ان کی شان ایسی بلند ہے کہ ان کا اعلام بادشاہ اور وزیروں ہی کی زبان سے ہونا چاہئے۔ اور اس طرح عوام کے دلوں پر جو نمایاں تاثیر ہوتی ہے۔ وہ بھی عیاں ہے *

یہاں غمنا علی حضرت کی ایک اصلاح کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو جمعہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور جس کے بغیر شکل تھا کہ وزرا اور ان کے خطیبوں سے لوگ منضبط طور پر تفتیش ہو سکتے۔ حکومت کے تمام دواہرا اور مکاتب میں جیسا کہ سب کو معلوم ہے جمعہ چھٹی کا دن تھا۔ اور سب لوگ چھ دنوں کی تکان اُتارنے کے لئے ساتویں روز شہر سے میلوں دور باغات میں چلے جاتے، بعض سیر و شکار میں اشتغال کرتے، اور دوسرے ہندی محاورے کے مطابق جو کابل میں بھی بولا جاتا ہے ”میلہ“ مناتے تھے۔ یعنی اکٹھے مل جل کر بیٹھتے، ضیافتیں کھاتے اور ساز و سرود سنتے تھے۔ اگرچہ مساجد جامع بقول کابلیوں

کے ”خنجانج“ بھر جاتی تھیں۔ مگر مذکورہ بالا اگر وہوں کو جن میں ملازمین اور پیشہ ور سب داخل تھے، متفرق مقامات میں بکھرے ہوئے سعی الی ذکر اللہ کے لئے بڑی تکلیف سے دیات کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اعلیٰ حضرت غازی نے اس کو تاہی اور دشواری کو تاڑ کر اصلاح کا خیال کیا۔ اور جب دلائل پیش کیں تو علما اور اہل شوراے بھی قائل ہو گئے یعنی پنجشنبہ عام تعطیل کا دن مقرر ہوا۔ اور جمعے کو صرف دو گھنٹے تمام محکموں میں رخصت دی گئی۔ تاکہ سب مامورین دولت اور مکاتب کے طلبہ صاف بستہ ہو کر مسجدوں میں داخل ہوں۔ اور نہ صرف ہر شخص کو اداے صلوٰۃ میں سہولت ہو بلکہ اسلامی رونق بھی مضاعف نظر آئے۔ نیز جیسا کہ اسلام میں دنیا اور دین مرادف ہیں، نماز جمعہ اہل حکومت کے فرائض منصبی میں منضم ہو جائے :

روسی ترکستان میں حکومت کی تمام دکانیں، کارخانے اور دفاتر جمعہ کے روز بند ہوتے ہیں۔ ظاہرہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی رسم کی مراعات کی گئی ہے۔ مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معاملہ برعکس ہے۔ لوگ عیش و اسرحت میں بھٹس کر نماز سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بلکہ اس مقدس دن فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس انسداد کو ملحوظ رکھ کر اپنے ملک

میں ایسی تجویز کی جس سے دنیاوی اور بدنی ضروریات و لذات کی تا میں
 ہو گئی۔ اور معاً اخروی اور دینی احکام بھی بچا لائے گئے۔ اعلیٰ حضرت کی
 تجاویز کس طرح عملی جامہ پہنتی ہیں، یا وہ عمدہ خیالات جو مدت سے پسندیدہ
 سمجھے جاتے تھے۔ مگر عوام کے ڈر سے یا رسم و رواج کے پلٹنے سے جو
 اندیشہ ہوتا ہے اُسے مد نظر رکھتے ہوئے، یا وہ زحمات جو ایک نئے کام
 کو انجام تک پہنچانے میں جھیلنی پڑتی ہیں، مانع آ کر کسی بادشاہ یا بڑے آدمی
 کو قوت سے فعل میں لانے کی جرأت نہیں ہوئی تھی، یا وہ منصوبے جن کے
 باندھنے میں تدبیر کے سوا دلیری بھی درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ ابھی تک
 کہیں معرض عمل میں نہیں لائے گئے، مختلف مقامات میں بیان ہو گئے۔



شہر الامان کی تعمیر نیت و حکمت

امیر عبدالرحمن خاں نے چاروہی کے کشادہ علاقے میں جو شہر کے قریب ہے، دارالسلطنت کے لئے موزون جگہ بتائی تھی۔ اور حسرت سے اظہار کیا تھا کہ کاش کابل یہاں واقع ہوتا! جس بیڑے کو اٹھانے کی اتنے نامور اور عالی حوصلہ بادشاہ کو ہمت نہ پڑی، اُس کے نبیرہ فعالیت و تیرہ نے تشبث کر کے ”خوب ابتدا“ سے اس کام کو ”نصف انجام“ تک بھی پہنچا دیا۔

جب لندن کے باشندوں کو وہاں تباہ کر دیا تو اطباء اُس کے دفعیہ میں عاجز آئے۔ کیونکہ شہر کی عمارتیں اس طرح بنی تھیں کہ گلی کو چوں سے کثیف و غلیظ پانی و موائع باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ لاحالہ تعفن امراض کا مولد ہوتا تھا۔ جب انسان نے کوئی چارہ نہ سوچا یا اُسے کچھ نہ سوچھا۔ تو یہ قدرت نے شرارہ برانگیختہ کیا۔ جس سے سارا شہر جل اٹھا۔ اور اس خانہ سوزی میں یہ سبب سازی ہوئی کہ آئندہ صحیحہ قواعد کی رُو سے گھر بنائے گئے۔

کابل میں بھی ہر دوسرے یا تیسرے سال وبا کا المٹاک ہجوم مشاہدہ ہوتا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے پغمان سے مصنفے پانی نلکوں کے ذریعے پہنچا کر خور و نوش کی دکانوں کو طبی نگرانی میں رکھوا کر، اور گلی کو چوں میں نایاں گھردا کر پیسے کو دُور کیا چنانچہ اس جدید عہد کے دوسرے سال جب اس بیماری کا نزول ہوا تو کابل کے ظریفوں نے یوں بیان کیا کہ پچھلے زمانے میں بڑی برکتیں تھیں۔ جواب زائل ہو گئی ہیں۔ حتیٰ کہ وبا میں بھی کچھ برکت نہیں رہی۔ پہلے سو ڈیڑھ سو آدمی روزانہ صیدِ اجل ہوتے تھے۔ اور اب دس پندرہ اگر بسمل ہوئے تو آدھے اچھے ہو جاتے ہیں۔ یہ ان فرتوت الحواسِ اشخاص کے جواب میں کہا جاتا تھا۔ جو ہر ایک قیم شے میں کوئی تقریس پا کر نئی چیزوں کی تحقیر کرتے ہیں مثلاً غلے کی گرانی بتا کر اُس کے موازنے میں روپے کی ارزانی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ایسے لوگ ہر جگہ تجدد اور اصلاحات کے مخالف ہوتے ہیں۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ۔ کوئی نئی چیز ہو ہر چند مفید ہو۔ مگر وہ اس سے رُوگردانی کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت غازی نے کابل اور تمام شہروں میں مجالسِ بلدیہ (میونی سی

پے لیٹی قائم کیں۔ دارالسلطنت میں جب پہلی مجلس منعقد ہوئی۔ تو خود ذات شاہانہ شریک ہوئے۔ اور ہر ایک معاملے میں بحیثیت ایک شہری کے حصہ لے کر نمونہ پیش کیا کہ ہر شخص کو عمومی رفاہ کے لئے کس طرح بحث کرنی چاہئے۔ جب حضار میں سے کوئی اعلیٰ حضرت کو شاہانہ خطاب سے یاد کرتا تو اُسے فوراً منع فرماتے کہ میں صرف ایک فرد ملت کی شخصیت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ آپ کی طرف گفتگو میں فرد اول کے نام سے اشارہ ہوتا رہا۔

جب بلدیہ کی وساطت سے حفظ الصحت اور صفائی وغیرہ کا اہتمام ہو گیا بَلَدٌ طَیِّبٌ وَرَبُّ غَفُورٌ۔ امراض کی تخفیف ہو گئی۔ چنانچہ آٹھ سال سے ویاٹے ہیضہ نے اعادہ نہیں کیا، مگر چونکہ پُرانے مکانات اس طرز پر بنے ہیں کہ سارے صحیح اصول عمل میں نہیں لائے جاسکتے۔ اور دوسری بیماریاں کبھی کبھی پریشانی کا موجب ہوتی ہیں۔ اس لئے قبل ازیں کہ لندن کی طرح عالم بالا علاج پر اُتر پڑے، اعلیٰ حضرت نے نئے شہر کی بنیاد کھدی اور اس تقریب پر جب ارکان و اعیان دولت و ملت اور سفیران کبیرہ حاضر تھے۔ ایک فصیح و بلیغ نطق میں اُس کی ضرورت کو دلائل اور براہین سے ثابت کیا۔ اور اونچے مقام پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ہمارے ملک کا وقوعہ بلند ہے۔

اس لئے اکثر علل و بلیات سے نسبت کم مندر پہنچتا ہے۔ اور تھوڑی کوشش سے ترقی و تعالیٰ حاصل ہو سکتی ہے۔ پس خطبہ شامانہ اور سکوک امانیہ کو ہزار سال بعد کی حضرات عتیقہ کے لئے قصر امارت کی بنائیں رکھا ۛ

ذات شامانہ کے سب کام وسیع پیمانے پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ قندھار وغیرہ میں بھی جدید شہروں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ کابل کا دارالامان شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ اور آہستہ آہستہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ دونوں پہنچتے ہو جائیں۔ اب دونوں کے درمیان نہایت وسیع اور پختہ مختلف طرح کی نقل و حرکت کے لئے سڑک تیار ہو گئی ہے۔ اور بہت سی سرکاری عمارتیں اعلیٰ قسم کے نمونوں پر بن گئی ہیں۔ قصر شہید حکومت جو ایک مرتفع سطح پر واقع ہے۔ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ خود ذات ہمایونی شام کو ہوا خوری کرتے ہوئے جرمن مہندسوں کو ہدایات دیتے عمارات اور باغوں کا معائنہ فرماتے ہیں۔ جو میلوں میں ممتد ہو گئے ہیں ۛ

نوشیرواں کے باغداد کو جب خلیفہ عباسی نے موافق صحت پایا۔ تو اُس کے نزدیک اطباء کے مشورے سے مختلف جگہوں پر گوشت لٹکایا۔ جہاں عقونٹ پذیر نہ ہوا۔ وہاں موجودہ بغداد بنوایا۔ اس عصر

میں آب و ہوا کے فتنی معیاروں سے اور رہائش کشائش اور
 آسائش کے تمام ملحوظات کو مد نظر رکھ کر یہ شہر اور اُس کے گھر بننے
 لگے ہیں۔ جس مفکورے پر یہ فوق العادہ تعمیر شروع ہوئی ہے۔
 میں نے ایک نظم میں بیان کی ہے۔ جو مکتب کے لڑکوں نے فوجی
 باجے کے ساتھ پڑھی تھی :-

تادزماں اقامت اہل زمیں بود تادرمکاں سکونت نفع مکیں بود
 از عدل فضل دولت افغان حق پرست دارالاماں ز قندہ و آفتابیں بود

ایں شہر مینو بہر بنام موسش مشہور خاص و عام و ہمیشہ میں بود
 تعمیر روم شد نہ بیک و زلاجرم معموری بلاد بہ مدت میں بود
 برخواست از امان الہ ابتداء شہر اہلش چگونہ در پئے عمراں حزیں بود
 آغاز امر گرچہ نباشد بطنطنہ انجام کار و بدبہ متقیں بود

فانی است ہر نبائے جہاں جز بمصانعی کہ نافع بریہ دنیا و دیں بود

این مسکن جدید با سیاق اکتساب یک نام مفید کبیر و میں بود

از انتر لاج طرز عمارات شرق و غرب
این بلده بدیع با زیب و زین بود
چون خانه های برلین و پاریس با جمال
ابنیه دیار نو حاس بود
چون قاهره یا ضمارس و قوطیه
بغداد و اشرع ز آبش معین بود

در باغهای میاه و بیاغ و گل و ثمر
زیر قسم بصیغه زیتون و تین بود
مبنی است بر صفای نظافت چو این بلده
توفیق حق بطیب طهارت قریں بود
ننوان باغ حمله عدو بخت بهر فتح
حب وطن چو در دل ما جاگزین بود

چون بلخ باز بقبه الاسلام آشکار
با حشمت مزید ازین شهریں بود
شد سر بلند گنبد افغانیت بیا
سنگین ز پا و تاب سرش آهنبس بود
چون مرتفع فتاده و قوع مقام ملک
ترفع آں سریع تر و باطنیں بود
بر تر ز غزنی از بهت ساعت رصد
بالاے هر سناره فلک ساجیں بود
بر اسوه هرت و صلاے شاهش
هر جامع جلیانه آں نشیں بود

ملت بزیر سایہ امن و امان شہ
امین ز شہرِ غیرِ یسار و میں بود
از یک ہزار و سیصد و دو تا دوام و ہر
آبادی مدیستہ غازی متین بود

بانی شہر اگر معرفت ہے
در سینہ سکینہ و فی نہ جویں بود
منکورہ منورہ و رائے تائبش
در سلک نظم و نسق چو در تئیں بود

غرغشت ثبئی و سترہ بن جملہ مفتخر
از نسبتش نہ صرف مشرف تیں بود
در حلقہ محمد و ابدال و یارک او
از روی اسم و رسم بڈراں نگیں بود

۱ حسابات کی سہولتوں کے لئے اعلیٰ حضرت نے تمام ممالک میں شمسی سال رائج کیا، مگر اسلامی لحاظ سے سنہ ہجری ہی کو قمری سے شمسی میں منتقل کر لیا۔ وَ لَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَ انْزَلُوا قِسْطًا تِسْعًا۔ تین سو شمسی سالوں پر نو زیادہ کرنے سے قمری ہو چکا ہے یعنی پچیس برس میں تین (اصحاب کہف غار میں تین سو سال اور ان پر نو زیادہ رہے) ۲ سترہ بن ثبئی اور غرغشت افغانہ کے تین اجداد ہیں جن سے بڑی بڑی قومیں شروع ہوئیں۔ سترہ بن کی اولاد میں ترین ہے جس کی نسل سے ابدال اور اس سے یارک اور اس سے محمد ہے۔ جو موجودہ شاہی خاندان کا مورث اعلیٰ ہے۔ ابدال سے ابدالی کہلاتے تھے جن کو احمد شاہ نے وزانی موسوم کیا۔ اور خود اسے در دوران کتے تھے ۳

اقصای غرب معترف غم و عظمتش تنها به آن مقرنه جاپان چسب بود



عمران عمر پادشاه معارفت پناه و در طول حوشام زرین و رصیب بود
گفتم که عمر شاه به عمران شهر بیش پاسخ شد از فرشتگان که همچنین بود



شعرو سخن سے استفادہ

نظمِ مزبور کی مناسبت میں ذکر کیا جاتا ہے کہ پہلی دفعہ اسی عہد میں طلبہ نے ترانے پڑھنے شروع کئے جن کا موضوع بیشتر استقلال و حریت، آئین و قانون، اور علم و عرفان ہوتا ہے، جو ذاتِ شامانہ کی ہمت، معدلت، اور روشن فکری سے حاصل، نافذ اور جاری ہوئے ہیں۔ کہیں ملیت کی تنگ مکانی کا گمان نہ ہو، حضرت اقبال کا ”مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا“ بھی شوق و ذوق سے پڑھا اور سنا گیا تھا۔ اگرچہ یہاں اردو جاننے والے ملح فی لطعام کے برابر بھی نہیں ہیں۔

جب افغان نوجوان جنہوں، جہازوں، اور یورپ میں ان ترانوں کو پڑھتے ہیں تو گویا اس سلطانِ خوش الحان سے سفر و حضر اور بر و بحر میں اپنے بادشاہ وطن اور ملت کی شخصیت، عزت اور آزادی کا ڈنکا بجا کر بعض کوشاد ماں و فرحاں اور دوسروں کو دالہ و حیران بناتے ہیں۔ ان ملی نعمات کی رُوح اعلیٰ حضرت نے شعرا کے دل و دماغ میں پھونکی ہے۔ اس بیان کو طول دینے

سے پہلے بہتر ہے کہ چند کلمے اُس کی اہمیت کے بارے میں عرض کئے جائیں۔ جو البتہ اکثر معظمت مملکت کی نسبت کم ہے۔

قیصر ولیم جب اپنے ملک میں محمود تھا تو عساکر کی حمیت اور بیجان کے لئے بعض ترانے خود موزوں کیا کرتا تھا۔ اس کا جدید کبیر شاعری میں تناشفہ رکھتا تھا کہ دولہا کے طعنے سہتا!

جملہ سلاطین عثمانی میں سے سببیتیں کو شعر گوئی میں دسترس تھی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اساتذہ کلام کے رتبے کو نائل نہیں ہوا جس کے فوے سلطنت کی مہمات عالیہ ہوں۔ اسے وہ فراغت میسر ہونی مشکل ہے۔ جو تربیہ تخیلات کے لئے لازم ہوتی ہے، اسی لحاظ سے ہمارے رشید شہزادہ کو شعر کہنے سے باز رکھتا۔ اور اسے کسر شان پادشاہی سمجھتا تھا۔ جناب ریالت آب اگر کبھی ایک دھندلے اور ادا فرماتے تو ایک مصرعے میں سکتے ہوتا۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ۔ حضرت علی رض کو مقفی تکلم سے منع فرمایا۔ مگر جب اُن کی طبع کو بے تصنع پایا تو تبسم کر کے گویا اجازت بخشی۔ ہمارے افغان بادشاہ محفل میں جو کاروبار کے بعد منعقد ہوتی ہے۔

۱۔ ہم نے اس کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ اس کے لائق تھی۔

بے اختیار اور باموقع رنگین بیانی سے کام لیتے ہیں۔ طعام کے اثنائیں اور حفظِ الصبح کی رُو سے اس کے بعد بھی تھوڑی دیر تک مزاح اور مطاعبے کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر اُن میں ایذاے حضار نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دلی حظ اُٹھاتے ہیں۔ برعکس ایک یورپین شہرت کے بادشاہ کے جس نے ندیموں کو ظرافت کی اجازت تو دے رکھی تھی مگر جب کوئی خوش طبعی کرتا تو اُسے زبان دراز اور گستاخ سمجھتا۔ اور اس تہدید سے اگر کوئی چپکا رہتا تو اُسے بزدل کتا کہتا۔ اگرچہ اعلیٰ حضرت غازی کھانے کے وقت فرحت آور باتیں کرتے ہیں مگر عند اللزوم بعض کام بھی سرانجام فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانے میں جبکہ جنگِ استقلال برپا تھی یا وجود اُس کی پیچیدہ اور وسیع مصروفیتوں کے معیار کی طرف پوری توجہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ برسرِ دسترخوان تشویقِ طلبہ کے لئے شہر آرا کا بادشاہی باغ بخش کر وہیں فرمان پر دستخط فرمائے۔ جب اہلِ مکتب نے حاصلات سے بہرور ہو کر بعض میوے ولی نعمت کے حضور میں نذر کئے تو شکریئے میں فرمان بدیں الفاظ صادر ہوا :-

”اثراتِ وطن عزیزم، ثمرِ حضورِ من رسید۔ ممنون شدم۔ اے اولادِ معنوی من! از خداوندی خواہم کہ ثمرِ علم شمارا وطن بہ بیند و من فخر کنم“

یہ جلوس کے پہلے سال کا ذکر ہے۔ اس کے بعد معارف کو اتنے بڑے
 بڑے عطیے ملے کہ یہ بخشش اب معمولی معلوم ہوتی ہے ۞
 سلطنت کے تیسرے سال جب تقسیم انعامات کی تقریب پر مدرسہ حبیبیہ
 میں تشریف لائے تو منجملہ اوراق مقالات کے طلبہ نے صائب اعنفہانی کا قصیدہ
 کابل بھی پڑھا ہے

خوشا عشرتِ سارے کابل و دامنِ کسارِش
 کہ ناخنِ بردلِ گلِ میزندِ مرگانِ ہر خسارِش
 ذاتِ شہریاری نے فی البدیہہ یہ مطلع موزوں کیا ہے
 شدم (یکبارگی) با جانِ سر از دل گرفتارِش
 دہم خونِ عزیزِ خویش تا سازم (چو) گلزارِش
 توسین کے بغیر تباہ سنت ہو جاتی ہے ۞

ایام شہزادگی اور نیز عہدِ پادشاہی میں جب طبیعت علیل ہوتی۔ تو چونکہ
 ہمارے مملکت سے قاصر ہوتے۔ اس لئے بعض اشعار کہتے ہیں جو ممانت اور
 حمیت سے لبریز ہوتے ہیں۔ جب شہزادے استقلال کے یثیموں کو شہزادوں
 کی مانند محلِ شاہی میں مسکن دے کر، مکتبِ حویہ کا لباس اُن کے دربر کیا تو ٹوپی

میں یہ حروفِ کندہ نصب کئے ۛ

ما یتیم شہداء یتیم کہ در وقتِ غنا

کر وہ در خدمتِ دولتِ سرو جاں افدا

جب یہ لڑکے صبح و شام محل اور مکتب کی طرف آمد و رفت کرتے ہیں تو ملت

افغان کی اشک و رشک آلود نگاہیں ان پر پڑتی ہیں۔ مدافعتِ وطن کے لئے

ایک جہان ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اور شعرِ مسطور اس پر تازہ بیا نہ ہے۔۔ جب

شہادت کے لئے دنیا میں یہ ساز و سامان ہے تو مقاتلے کے لئے کیوں دم

ہمہ تن حاضر و آمادہ نہ ہوں۔ یہ معاملہ اعدا پر شاق ہے۔ کیونکہ جب خوف کی

بجائے شوقِ مرگ ہو تو مقابلہ مالا یطاق ہے ۛ

خلیفہٴ اول رضی اللہ عنہ نے ایک دستہ سپاہ کے ہاتھ دشمن کو ایک خط

بھیجا:۔ اُرْسِلْ اِلَيْكُمْ رَجَالًا يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّوْنَ الْحَيَاتِ۔

اس مضمونِ سیاستِ مشحون سے اتنا رعب پڑا جو ایک نہ بردستِ لشکر کے سوق

کرنے سے زیادہ تھا ۛ

اعلیٰ حضرت غازی نے جب محاربہٴ استقلال کے فاتحین کی یادگار میں ایک

منار اعمار کیا تو گذشتہ کارزار کے مقتولوں کو جنہوں نے حفاظتِ وطن میں

جائیں نثار کی تھیں فراموش نہ کر کے - نزدیک ایک گنبد بنوا کر پھر ایک کتبہ خود
تیار کیا

میتیم ستم تیغِ فرنگی شدہ ایم
مست ویدار خدا یم و ہشتی شدہ یم

باوصف سخن شناسی کے ذاتِ ہمایونی اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتے
اور سحر منظوماتِ وطنی و ملی مدحی قصائد کو اپنے حق میں تو مطلق پسند نہیں
فرماتے۔ بدو جلوس میں جب ایک شاعر نے تہنیت نامہ تقدیم کیا تو واضح
طور پر فرمادیا کہ یہ زبانِ گفتار نہیں آوان کر دار ہے *

شعر کی نسبت جو یَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ اور فِي كُلِّ وَادٍ يَهْمُونَ
کی ملامت وارد ہے اس کا لحاظ رکھ کر ضروری استثناء انتصروا مِنْ بَعْدِ
مَا ظَلِمُوا کی بھی رعایت کرتے ہیں *

ہفتے میں صرف ایک دن محفلِ سرود کی رخصت ہوتی ہے، مگر علامتِ حضرت
مصاحبوں کے ساتھ احتلاط میں مصروفِ سماع میں ہرگز مشغوف نہیں ہوتے
کسی عجیب سخن یا عجیب لحن پر ایک آن سرسری ملتفت ہوتے ہیں۔ پیانو اور
ہارمونیم کے ساتھ رباب اور طبلے کی آواز بھی آتی ہے جس نے شیخ کو حکیم کا

مرتبه دلویا تھا۔ شرقی آلات موسیقی کے ساتھ اس کے مروجہ آداب سے ذاتِ شہریاری کی کمیت بہت دور ہے۔ ہاتھ پاؤں یا سر سے تان تو بھول کر بھی نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوا کرتا ہے کہ گانا بجانا صرف تفریحی رونق یا گفتگو کے بعد خاموشی کے خلا کو پُر کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اندلس کے بنی اُمیہ کا ایک امیر شیر اپنے منٹی کو بادشاہی دسترخوان پر بٹھاتا ہے۔ بغداد کا ایک مطرب خلیفے کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرنے کی جرات دکھاتا ہے۔ افغان بادشاہ باہمہ تواضع و خلیق کریمانہ جو آفتاب کی طرح سب کے ساتھ برتتے ہیں، سازندوں کو اُن کے مناسب مقام منزل دیتے ہیں۔ اور سوائے معین اوقات کے کبھی اس طرف راغب نہیں ہوتے اور جب کبھی مائل ہوتے ہیں تو سلاطین پیشین کی طرح انہماک نہیں کرتے اور ٹھوڑا انعطاف بھی اس لئے ہے کہ فطرتِ سلیم کا تقاضا ہے۔ کیونکہ سعدی اس کے عاری کو کج طبع جانور گردانتا ہے۔ اور شیکسپیر اس سے خالی کو فتنہ و فساد سے مملو مانتا ہے۔

یہی حال درزشوں اور کھیلوں کا ہے جن میں اعلیٰ حضرت عارضی طریقے پر مشغول ہوتے ہیں۔ اور اندر باہر ریاضتِ جسمانی کی طرف ہمیشہ نہیں، کبھی

متوجہ ہوتے ہیں، کیونکہ خیر خواہوں کی نصیحت پر جواب دیتے ہیں کہ دائم
 فرصت محال ہے۔ اس بارے میں گویا ہر برٹ پنسر کے ہم خیال ہیں۔ جو
 ایک سردار کے ساتھ بلیرڈ کھیلتے ہوئے اس کی وضع افتخار پر بے اختیار
 بول اٹھا تھا کہ ہر ایک ہنرمندانہ بازی کے ساتھ تھوڑی سی واقفیت ایک
 متنور ضمیر کو زیب دیتی ہے۔ مگر تمہارے جیسی ہمارت ضائع شدہ شاہکار
 اعلام کرتی ہے۔



لطائف شیرشکار اور اسرارِ کار و بار

ناظر بن لطیفے کے طور پر فرض کریں کہ ایک اجنبی سیاح روس یا ایران کی طرف سے کابل میں وارد ہو کر چاہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت غازی کا ایک دن میں عینی مشاہدہ کر کے ہندوستان کی راہ لے۔ ۱۳۰۱ھ ہجری شمسی کا موسم بہار ہے جسے چھ سال ہوئے اور ذاتِ شامانہ پغمان میں تشریف فرما ہیں۔ شام کے وقت قوارے کے پاس کھڑے اُس کے گوناگوں برقی رنگوں کا فضا میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ خوش و خرم باغ عمومی میں خرام کرتے عسکری موزیک سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چند انگریزوں کے ساتھ ٹینس کھیلتے ہیں۔ پھر آدھی رات تک محفلِ سرود میں شریک ہو کر علی الصبح دارالالہ کی طرف موٹر میں روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہاں اس بلندی پر چڑھ کر جہاں دارالحکومت کا قصر تعمیر ہو رہا ہے سرسبز و شاداب گرد و نواح کا نظارہ کرتے ہیں۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑوں میں شکار کیلئے چلے جاتے ہیں۔ دن بھر کے بعد موٹر میں عودت کر کے رات کو حرمِ سرا میں رہتے ہیں۔ دوسرے

روز و زرا اور اہل شورے حاضر ہوتے اور انتظار کے بعد واپس جاتے ہیں۔
 علامہ حضرت ظہر کے بعد جلوہ افروز ہو کر بچمان کی سڑک پر قدم زنی کرتے ہیں
 جہاں سیاح اور ہر شخص آپ کو دیکھ سکتا ہے۔ اگر سیاحت نامے میں علامہ حضرت
 کی صرف اتنی سرگزشت درج ہو تو کتنے مغالطے کا موجب ہو سکتی ہے!
 اکثر اخبار و سیر ایسی ہی ناقص معلومات سے بھرے ہوتے ہیں۔ پھر
 ان پر جب تعصب کے حواشی چڑھائے جاتے ہیں تو ایک عالم کو گمراہ بناتے
 ہیں۔ واقعہ نگار اسی ورطے میں پڑ کر ناظرین کو سوء تفہمات میں ڈبو تے
 ہیں۔ مثلاً ایک فرانسوی سیاح مغل بادشاہ کا حال لکھتا ہے۔ اس سال
 جب کہ دریائے آگرہ سردی سے منجمد ہو گیا تھا۔ جیسا کہ یہ جہنا سینکڑوں
 سال کے بعد ہوا۔ احتمال ہے کہ شاہجہان کی اس وقت کی باتیں عمر بھر میں
 پہلے نہ پیچھے کبھی نہ ہوئی ہوں۔ باہر کچھ اور نظر آتا ہو حالانکہ اند حقیقت
 کچھ اور ہو۔ باوجود نقطہ نگاہ کے تفاوت کے بریز بریز فریر وغیرہ نے
 جو بیان کیا اُس سے یورپ نے دھوکا کھایا اور ہم بھی کچھ نہ کچھ متاثر
 ہوئے بغیر نہ رہے۔

امام بصری رحمۃ اللہ علیہ دُور سے کیا دیکھتے ہیں کہ دجلہ کے کنارے

ایک حبشی مع ایک عورت کے بیٹھا ہے اور سامنے صراحی دھری ہے۔
 چونکہ معرفت کا تقاضا ہے کہ انسان باخوش خود بین اور باغیرید بین نہ ہو،
 امام صاحب نے ہر چند سوطن کو ضبط کیا مگر دل میں اس زنا کار شراب خوا
 غلام پر نفرت ہی کرتے رہے کہ اتنے میں ایک کشتی گرداب میں پڑ کر غائب
 ہو جاتی ہے۔ حبشی فوراً دریا میں کودتا ہے۔ اور جب مسافروں کو یکے بعد
 دیگرے ساحل سلامت پر پہنچاتا ہے تو امام کو بھی امداد پر بلاتا ہے جو اپنے
 علم کے تجربے سے اس عمل میں قاصر اور اس لئے اس وقت نادم ہیں اور یہ مدت
 اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حبشی جو ان مرد بانی کی طرح
 لئے ہوئے اپنی والدہ کی خدمت میں مستغرق تھا۔ صرف آغاز، درمیان
 یا انجام ہی سے استنناج کرنا البتہ کوتاہ اندیشی ہے، اور اختلاف و ایما
 کا بھی بڑا سبب یہی ہے۔

اکثر لوگ رخصت کے روز یا فرصت کے وقت شطرنج اور تاش
 کھیلتے ہیں۔ پیادوں اور سواروں کی رفتاروں سے پادشاہ اور غلام کی
 ماروں سے ہشاش و بشاش ہوتے ہیں۔ بقول ہیلیس، اس ساکن و
 ساکت مہروں اور پتوں کے مجموعے میں کیا جذبہ ہے بمقابلہ زندہ انسانوں

کے جو ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے بھڑتے اور ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر ظالم کی تنبیہ اور مظلوم کی ترفیہ پر توجہ کی جائے تو کیا اس میں یہ نسبت بازیوں کے کمتر لطف اور دلچسپی ہے؟ رحمت کے وسیع خواص میں طرفین کو برکت دینا ہے۔ اگر محروم اپنے حق کو پہنچے اور صلحا کی آبرورکھی جائے تو ہو و لدے بڑھ کر لذت، بلکہ بہت سی عبادات سے برتر ثواب اس میں مضمر ہے۔

حسیت نسبت پائے اسماعیل را بادست حق

آبروئے آدمی مانند زرمزمہ مسم بود

وہ تجاویز و تدابیر جو اعلیٰ حضرت غازی تامل و تفکر کے بعد اپنی نجیب

ملت کے شرف و ناموس کی محافظت کے لئے عمل میں لاتے ہیں۔ ایسے

ثبات و استقامت سے وابستہ ہیں، جو ہمیشہ جاری ہے۔ اور اس میں کبھی

توقف یا رخزدہ واقع نہیں ہوتا ہے

موجیم کہ آسودگی ما عدم ماست مازندہ بآنیم کہ آرام نداریم

سیاح مزبور کی طرح بعض صرف ظاہر بین ہوتے ہیں۔ یا اُن کی نظر باطن تک

نہیں پہنچ سکتی۔ ایک اجنبی کس طرح اندرونی معاملات سے واقف ہو سکتا

ہے۔ ہر چند تحقیق کرے مگر اس کی جستجو ہی مانع ہے کہ کوئی اسے اصلیت

آگاہ کرے۔ یورپائی مؤرخ ہمارے ایک بادشاہ کو عہد شکن کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نے فلاں شخص کے ساتھ قرآن پر پیمانہ باندھا جو بہت مقدس الایفا ہونا چاہئے تھا۔ باوجود اس کے پورا نہ کیا۔ اگر عہد کی شروط زمانے کے حوادث سے بچانہ رہی ہوں، اگر اس شخص نے قول کے خلاف پنہاں کوئی حرکت کی ہو، یا اس قسم کا توڑنا ہی بوجہ ایک اور اقدس اور الزم حلف کو قائم رکھنے کے لئے لابد ہو، تو ان امور کو ملحوظ رکھ کر ایک طرف کو ملزم قرار دینا اگر سخت کوتاہ فکری نہیں تو شانِ قومی ضرور ہے۔

ایک بادشاہ سفر کی حالت میں تپا پیا سا ہڈا کہ ہلاکت کے نزدیک پہنچ گیا۔ شہزادہ پانی کی تلاش میں نکلا۔ اور ایک بندر کی راہبری سے کنوئیں تک پہنچا۔ جس سے پانی نکالنے کا کوئی ذریعہ نہ پا کر یہی سوچھی کہ بندر کو مار کر اس کے روئے اور کھال کے واسطے سے پانی پہنچایا جائے۔ ورنہ بادشاہ کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ بیشک بندر محسن تھا۔ مگر بادشاہ اُس سے ہزار چند احسانات شہزادے پر اور دوسرے انسانوں پر کر چکا تھا۔ اور آئندہ کر سکتا تھا۔

دنیا میں ایسے عقدے بہت ہیں۔ اجتماعی گتھیوں کو سلجھانا اور سیاسی

مجبوریوں کو حل کرنا مقتضی ہوتا ہے کہ نہ صرف ایک بڑی بلکہ اچھی چیز کو چھوڑ کر، کوئی بہتر امر اختیار کیا جائے۔ چونکہ وہ لوگ جو فی زمانہ علم و فضل کے مدعی ہیں، ہمیشہ غلط بیانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لئے میں نے ذرا تطویل سے اس پر بحث کی۔ تصویر کے ایک ہی رخ کو دیکھنا اور پھر تنقید و تقریب کے مشتاق ہونا، حالانکہ اہلیت ذواتِ نادور کو ہوتی ہے، بے جا مبادرت اور خطا کارانہ جسارت ہے۔ کسی شخص کی تحسین یا تذمیم دونوں مشکل چیزیں ہیں۔ خصوصاً جب اُس کے معاملات خلقت کے ساتھ بہت اور گہرے اور بکھرے ہیں۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں اپنی جگہ جانتے ہیں کہ سچ یا جھوٹ کس طرف ہے۔ یعنی دونوں اپنے معاملے میں عالم ہیں۔ اور ثالث خواہ اور امور میں علامہ ہو مگر اس بات میں ان دونوں کی نسبت جاہل ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ بہت سی مشروط احتیاط کے ساتھ ماننا عقلمندی ہے۔ ایک حکیم یا مدبر کا قول و فعل مصالحت سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر اس سے تہی نظر آتا ہے۔ اگر ناظر دانش سے عاری ہو۔ ایک مجلس میں عالمگیر سیاست کا یا دشاہ بڑی جدیت سے ایک شخص کی تعریف و توصیف میں طب اللسان ہے۔ جو فی الواقع بہت شریر اور مفسد ہے۔

سامع اسے عدم وقوفِ شانہ پر چل کرتا ہے، حالانکہ مقصد یہ تھا کہ غاطبین
 میں سے اس فتنہ پرواز کے حامی پہچانے جائیں۔ اور ضمناً دوسروں کی حق گوئی
 یا خوشامدانہ تأئید میں تفریق ہو جائے۔ ایک اور مثال لیجئے۔ بادشاہ کسی
 شخص کو موردِ انعامات اور حکومت پر سرفراز کرتا ہے جس کو عام لوگ معقول
 قاعدے سے مطلق مستحق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ ایسی فداکارانہ خدمات
 سجالا چکا ہے۔ اور وہ بھی ایسی فراست اور بے ریائی کے اس کا علم بجز
 ذاتِ ہمایونی کے اور کسی کو نہیں اور مصالحِ مملکت میں ہونا بھی نہیں چاہئے۔
 ہندوستان کے موجودہ محیط میں یہ باتیں پائی نہیں جاتیں۔ مگر اس کے ادولہنرم
 بادشاہوں کی تاریخ ان سے پٹی پڑی ہے۔ اس لئے ایک ذاتِ کبیر کی
 سیرت کے مطالعہ و مفاہم کے واسطے ان نکات کو ذہن نشین کرانا
 ضرور تھا۔ اب سیاح مفروض کی طرف رجوع لاتے ہیں :-

جب اُس نے علیحضرت کو شام کے وقت قوارے کے پاس بیٹھا
 تھا وہ پنجشنبہ کا دن تھا۔ ہفتہ بھر ذاتِ شانہ صبح سے لے کر شام
 تک اور سہ شنب سے آدھی رات تک متہادیاً وڈارتوں اور خاصکر وزارت
 خارجہ کے امور میں مصروف رہے تھے۔ مصروفیت ایسے ہنما کی جو ڈیڑھ

کر ڈر نفوس کو صراطِ مستقیم پر لانے کی جدوجہد کر رہا ہو، اوہام و جہالت کے جبال و جنگلات سے نکال کر ہر ہر قدم پر کھڑے ہو کر، کیونکہ تقلباتِ شجرِی و حجرِی سے سیدھا راستہ پیدا کرنا دشوار ہے، سابق راہ بلدون کی مخالفت کو پامال کر کے ملت کو تنویر اور ترقی کی منزل پر پہنچا رہا ہو +

پنجشنبہ کو علیحضرت اس ہفتے اور اس روز کے معین فرائض سے فارغ ہو کر قوارے کے نظارے سے پہلے موٹر میں ہوا خوری کو گئے تھے (یہ قائع شامانہ روزنامے کے ایک دو ورقے ہیں۔ جو نمونے کے طور پر نقل کر رہا ہوں) ہوا خوری کے اشنا میں چند میل پنہان سے باہر بیگنوت کے قصر شاہی کے نزدیک موٹر سے اتر کر گرد و نواح کی زمین کے ملاحظے میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں فرمانے لگے کہ میرا ارادہ شفاخانہ سل قائم کرنے کا تھا۔ اور اس موقع سے بہتر اور جگہ مجھے نہیں ملی۔ کیونکہ یہ بہت فراخ اور خوش ہوا اور لوگوں کی آمد و رفت سے بھی کافی دُور ہے۔ اور اس قسم کے شفاخانے کے لئے یہی باتیں ضرور ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور مرغوب امر یہ نزدیک مقبرہ ہے۔ جس پر عوام کا اعتقاد ہے اور چونکہ مادی امور کی نسبت ان کا اعتماد بزرگوں کے روحانی فیوض پر زیادہ ہے۔ اس لئے اس شفاخانے

کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

لنڈن میں آئے دن جب صحت یاب مریضوں کی جدول شائع ہوتی ہے تو ایک خانہ ایسے بیماروں کی شفا یابی سے پُر ہوتا ہے جنہوں نے صرف عقیدے سے صحت حاصل کی ہو، بلکہ ”فیبتھ ہیلنگ“ کے قائل اور تندرستوں کا بھی دعوے کرتے ہیں جنہوں نے مرض کی حالت میں ڈاکٹروں سے استمداد کی۔ مگر ایوس ہو کر ایمان کی رو سے شفا پائی۔ کابل میں ایسے لوگوں کا وجود جہل کی دلیل نہیں جو دنیا کے سب سے بڑے پایہ نخت کے باشندوں سے زیادہ ہو، ہاں۔ اعلیٰ حضرت کا عوام الناس کے عقائد سے استفادہ کرنا قابلِ داد ہے۔ چنانچہ اس جگہ آبِ سل کا شفا خانہ واقع ہے۔ اور بیمار دو طرفہ فیضان سے سیراب ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ڈاکٹری سے متاثر مگر اپنے عقیدے پر مصر ہو کر، کسی نے طاعون کے حفظِ ماتقدم کے لئے ایک بزرگ سے چوہوں کا تعویذ مانگا۔ انہوں نے لکھ کر تو دیا مگر یہ ہدایت کی کہ اسے بلی کی گردن میں ڈال کر یا پھندے کے ساتھ باندھ کر گھر میں رکھنا۔

سیاح نے جو اعلیٰ حضرت کو انگریزوں کے ساتھ ٹینس کھیلتے دیکھا تھا تو

یہ همان نوازی کا ایک کرشمہ تھا۔ کیونکہ ان دنوں برطانوی وفد انعقاد معاہدہ کے لئے وارد تھا۔ باوجود اس کے عین بازی میں ذاتِ شاہانہ نے بعض باتیں ایسی کہیں جو انگریزوں کی توجہ کو اس طرف ملتفت کرتی تھیں کہ ہندو اور مسلمان باشندوں میں بالضرورت اتحاد قائم رکھا جائے۔ ورنہ حکام پر بدگمانی ہو سکتی ہے۔ یہ علحضرت کی ہمسایہ قوموں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی ایک بین دلیل ہے۔ مگر میرے خیال میں حاکم و محکوم دونوں کے لئے مفید ہے۔

رعیت میں باہم خصومت کے ذریعے حکومت کرنا سیاست عالی نہیں کہا جاسکتا۔ بعض مدبرین سیاست اسے پسند کرتے ہوں گے۔ مگر لیسوا سَوَاءً دوسرے بلند راءے آمر اس سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ پنجاب کے ایک سکھ راجے کو کسی انگریز نے کہا تھا کہ ہندوستان کے میووں میں سے پھوٹ ہمیں بھاتی ہے۔ ظاہر اُیہ مذاق بہت پھیکا ہے۔ کیونکہ احسان اور حریت کے ثمرات بدرجہا زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک افسر نے یہ کہا تھا کہ جب اہل ہند کو ہم اس کی حکومت اُن کے سپرد کر کے چلے جائیں گے تو وہ دن ہماری تاریخ میں سب سے زیادہ درخشاں ہوگا۔ یہ تو

ایک شخصی تھا ہے جس کے خلاف کارلائل اہل سیاست کو قیاس کرتا ہے۔ جب وہ شیکسپیئر اور ہندوستان کا موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مدبرین ملک شیکسپیئر کی پروا نہ کر کے ہندوستان کو ہاتھ سے نہیں دینگے مگر میں شیکسپیئر کو نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ ہندوستان آخر ہمارے پاس نہیں رہیگا۔ اس انقضاض کا ایک بڑا سبب بیان کرتا ہوں:-

قبل اسلام عرب میں بنی بکر اور بنی تغلب، اوس اور خزرج، اور لکڑا مختلف قبائل آپس میں جدال و قتال کا بازار گرم رکھتے تھے۔ جو ایک ناگوار اور خلافِ تہذیب امر تھا، پھر انہی عربوں نے مسلمان ہو کر بڑی بڑی سلطنتوں کے مقابلے میں فتح پائی۔ اور تمدن، علم، فن، آئین، قانون، اور ہر قسم کی ترقیات کی اشاعت کی۔ یہ عرب جو چالیس چالیس برس ایک جزوی محرک غیرت کی بنا پر لڑتے مرتے تھے، کیا اگر ایسا نہ کرتے تو رومیوں اور ایرانیوں وغیرہ کے ساتھ خونریز میدانِ نبرد میں جنگ آزا ہو سکتے؟ یہی عرب اگر تجارت و زراعت اور کتابت میں مشغول، آلاتِ حرب کے استعمال سے بے خبر، باہم صلح و صفائی کے ساتھ رہنے کے خواہر ہوتے، تو کیا فوراً ہی مبارزین بن سکتے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شبابِ جاہلیت

میں سرکش گھوڑے کو لگام اور رکاب کے بغیر قابو میں رکھ سکتے تھے۔ جناب خالد رضی اللہ عنہ عسکری تدبیر سے کفر کی حالت میں مسلمانوں پر غالب آ سکتے تھے۔ یہی قوت و شجاعت تھی جو اسلام کی تالیف و حمیت کے سبائے میں اُس کی مظہریت کا باعث ہوئی ۛ

مشنوی میں ایک مولوی کا ذکر ہے جو سپاہیوں کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہ لڑائی سے فارغ ہو کر لوٹنے لگے تو اس سے کہا کہ جنگ میں تو شریک نہیں ہوا، کمائی سُنانے کے لئے کہ میں نے بھی ایک دشمن کو مارا تھا۔ کم از کم ایک قیدی ہی کو ذبح کر ڈال جو خیمے کے باہر بندھا پڑا ہے۔ مولوی نے اسے پسند کیا اور تلوار لے کر نکلا۔ جب اُس کے واپس آنے میں دیر لگی۔ تو سپاہی باہر نکل کر کیا دیکھتے ہیں کہ قیدی اوپر اور مولوی کو نیچے دبائے اُس کا گلا وانتوں سے کاٹ رہا ہے۔ اور مکث پہنچتی تو اُسے شہید ہی کر دیا ہوتا۔ مگر یہ کیسی ذلیل شہادت ہوئی!

اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ۖ كِي تَفْسِرَ لِمَنْ نَحْنُ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے منبر پر سے تین فقرے تکرار فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّحْمٰی ۖ جب تک

لے جاں تک ہو سکے ان کے لئے قوت تیار کرو ۛ اگاہ ہو کہ قوت نشانہ بازی ہے ۛ

مدتوں نشانہ لگانے کی مشق نہ ہو تو فوج میں قوت معدوم ہوگی۔ روزمرہ کی قواعد کے علاوہ جس میں چاند ماری بھی داخل ہے مصنوعی لڑائیاں ضرور سمجھی گئی ہیں۔ باوجود اس کے ایک اہم محاربے میں لڑائی افسروں و سپاہیوں کو بھیجتے ہیں۔ جو پہلے جنگوں میں شریک ہو چکے ہوں۔

پس عربوں کی دیرینہ لڑائیاں اسلام کے غلبے کا موجب ہوئیں جیسا کہ آج کل سرحدی افغانوں کی خانہ جنگیاں اُن کی خارجی آزادی کا باعث ہیں۔ چونکہ ہمیشہ آپس میں لڑتے بھڑتے ہیں۔ اس لئے بیرونی دشمن کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ان کی داخلی مخالفت جس میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں جانیں تلف ہوتی رہتی ہیں۔ بیشک ایک تاسف ناک واقعہ ہے۔ اور اس سے بدتر اُن کی ڈاکہ زنیاں ہیں۔ اپنے علاقوں سے باہر جو آئے دن کشت و خون کا مورد ہوتی ہیں۔ مگر معاً اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر یہ حشبانہ حرکات نہ ہوں تو تہذیب کے سب سے اونچے مرتبے پر بھی وہ متمکن نہ رہ سکیں جو قومی آزادی ہے، لہذا وہ چیز جو بذاتِ خود قبیح ہے عین زمان میں حُسنِ عالی بھی رکھتی ہے۔

هُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فَرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ

اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَذُورِيَا لِمَن هُوَ فِيهِ اِيك مِيٹھا اور نازہ
 اور دوسرا کھاری اور کڑوا پھر ان دونوں کے درمیان فاصلہ بھی حائل ہے۔
 اس فطری واقعے سے استفادہ کرنا بشری تدبیر کا کام ہے۔ وَمِنْ كُلِّ تَاكْوُنٍ
 لَّحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حَلِيَّةً تَلْبَسُوْنَهَا۔ ان دونوں ذوریوں سے
 تم تر و تازہ گوشت نکھاتے ہو اور آرائش کا سامان نکالتے ہو۔

صلح اور امن پسندیدہ چیزیں ہیں اور لڑائی اور فساد البتہ مکروہ و مضر
 ہیں، لیکن جب تک نزاع و فتنہ کی عادت نہ ہو دشمن کی مقاومت نہیں
 ہو سکتی۔ اور جب اسے روکنے کی طاقت نہ ہوئی تو وہ ہجوم کر کے آزادی
 سلب کر لے گا۔ جس سے دائمی فتنے کی بنیاد پڑے گی۔ اس لئے جنگ
 اور صلح اگرچہ ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں مگر ساتھ ہی اس طرح وابستہ
 و پیوستہ ہیں کہ علیحدہ نہیں ہو سکتیں، اور اس طرفہ حالات کے اجتماع و افتراق
 سے فائدہ اٹھانا سیاست اور دانشوری ہے۔

عربوں اور افغانوں کی غیر مذہب اور بدویانہ خانہ جنگیوں کا طلاق ہندوؤں
 اور مسلمانوں پر کرو تو نتیجہ وہی نکلتا چاہئے جو تہذیب و تمدن کا معراج ہے
 اس سے یہ مطلب نہیں کہ ہندوستان کی قومیں موجودہ اختلافات کو اور بڑھائیں

اور لڑیں بھڑیں۔ کیونکہ یہ حالت ایک ضروری اور مفید لازمہ ارتقا ہے۔
 بہر کیف نزاع و فساد شیعہ اُمور ہیں۔ اور مصیحت ملت ان کے دنیویہ کی کوشش
 کرے گا۔ پھر بھی یہ طبعی حوادث ہیں۔ اور ان آفتوں کے بغیر ملی نشو و نما ہی
 محال ہے۔ ڈاکٹر بوس کے نباتی تجربات نے اسے ثابت کر دکھایا ہے
 کہ صدات کے بغیر پنپنا ہی ممکن نہیں۔ هُوَ الَّذِي اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ
 نَبَاتًا۔ تو میں بھی جتنی زیادہ مزاحمت کا سامنا کرینگے اتنی ہی تنومند زندگی
 لے کر ابھرینگے۔ جتنا زیادہ لوٹ پکائیگی اتنی ہی سُرخروئی کا پھل پائیگی۔
 ڈاکٹر ولن کا سیاسی دعوے اگر تجزیہ کرو تو آخر یہی نتیجہ بنتے گا
 کہ جو قوم مرنے مارنے پر آمادہ ہے۔ اور اس کے افراد لڑنے کے عادی
 دوسروں کی مداخلت کو بزور شمشیر دفع کرتے ہیں، خود مختار ہے۔ رائے
 بھرائی کی عادات اور احتیاجات نے مقابلے اور مقاتلے کی سبب ایجاد
 بھی پیدا کر دی ہیں۔ جس سے اگر بیرونی دشمن حملہ آور ہو۔ تو موقوفیت سے
 مدافعت بھی ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ اس کا ثبوت مل گیا تو کوئی تعرض کی جرات
 ہی نہیں کرے گا۔ تَرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ
 لہ اُس نے تم کو زمین سے نباتات کی طرح پیدا کیا۔

مِنْ دُوْ وَفِيْمَا ۞ خارجی اور داخلی اعداد سب اسی سے مرعوب ہوتے ہیں۔
 کہ سامانِ حرب مکمل موجود ہو۔ اور اُس کے استعمال میں یہ طویلے حال ہو۔
 تہذیب کے لوازم خواہ کتنے میا ہوں۔ جب تک کہ حرب اور اس کے خدعات
 میں مہارت و مہارت نہ ہو کوئی ملت زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ چہ جائیکہ حیات
 عز و شرف بسر کرے ۞

ہر کہ چوں تیغ کج و روسیہ و تو خوار است

خلقِ عالم ہمہ گویند کہ جو ہر دار است

ما دامیکہ یہ ٹیڑھی، کریہ، اور درندوں کی سی روش اختیار نہ کی جائے، کسی
 ملت کی نجات، وقعت اور حرمت تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ جاپان کی مثال
 اظہر من الشمس ہے اور افغانستان کا معاملہ ابھر من الشمس ۞

اعلیٰ حضرت غازی کا نمونہ حسنہ بھی درپیش ہے جنہیں ہفتہ بھر کی
 تکان کے بعد جب تفریح کا موقعہ میسر ہوا تو وہاں بھی ہندو مسلم نے خیر خواہی
 کا دم بھرا۔ اس کے بعد محفل سرود میں بیٹھتے ہیں۔ کابلی محاورے میں ساک
 ساز کوک "ہیں۔ اور قاسم جس کے ریکارڈ بھی اب سُنے جاسکتے ہیں۔ بیدل

۱۰ اسی وقت سے تم خدا اور اپنے دشمنوں کو اور دوسروں کو ڈراتے ہو ۞

گارا ہے ے

اینجا در آب تیغ بخوں غوطہ خوردن است
آئینہ تا کجا شود آئینہ دار مرد

علیٰ حضرت ظاہرہ سن رہے ہیں مگر اعیان و ارکانِ دربار کو اپنی باتیں سنا
رہے ہیں۔ ذاتِ شامانہ کا یہ قاعدہ پُر فائدہ ہے کہ جو قوانین مجلس و زرا اور
شورائے میں مرتب ہوں اُن پر اپنے خیالات نافذ سے محفلِ حضور کو مستفیض
کرتے ہیں تاکہ حاضرین افکارِ ملوکانہ سے متنبہ ہو کر اپنے عوائل اور دوائر
احباب کو روشن خیال بنائیں۔ یُنْذِرُوا اَهْلَهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۛ

آج رات علیٰ حضرت نے اپنے ملک کے ملاؤں کا ذکر خیر شروع کیا
مگر کلامِ ملوکانہ کی روایت سے پہلے چند حرف اپنی طرف سے ایزا د کرتا ہوں۔
زکوٰۃ و صدقات سیاسیات کا سا حکم پیدا کر لیتے ہیں۔ محاربہ حیات میں
ایک ملت دوسری کو مہانت، جیل، و سائس، حتیٰ منافقت سے ویسا ہی
فریب دیتی ہے۔ جیسا جنگِ ممات میں مکروہِ خدعت کو روار کھتی ہے فرق

ۛ اپنے گھر بلد و اول کو تنبیہ کریں تاکہ وہ خوف کھا کر ہدایت پائیں ۛ

اتنا ہے کہ رزم میں صریح مخالفت اور بزم میں ظاہر ملاطفت کے پردے کے پیچھے یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ بہر کیف یہ ملی معاشرت ہے منفردانہ حالت میں کہیں بھی یہ چیزیں جائز نہیں سمجھی جاتیں۔ کچھ اسی طرح رعیت کے مالیات سے جو مغرز عمدہ دار خطیر شاہرات پاتے ہیں۔ وہ مطلق اپنے کو مرہون احسان نہیں مانتے۔ مگر جب ایک مستطیع شخص کسی دوسرے کو عطیہ دے تو وہ سراپا ممتون ہو جاتا ہے۔ نادار طلبہ جب حکومت سے وظیفے لے کر تعلیم حاصل کرتے ہیں تو ان کو متشکر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر جب کسی خاص آدمی سے امداد لے کر مدرسہ میں داخل ہوں۔ تو عمر بھر اس کے شرمندہ عنایت رہتے ہیں۔ یہ خجالت اجتماعی حیثیت سے دور ہو جاتی ہے۔ اور شخصی حالت میں باقی رہتی ہے۔ ملی اور مجموعی کاموں میں یہ ایک فضیلت ہے۔

زکوٰۃ سادات کے لئے اور مفت خور می عام طور پر ممنوع و ناپسندیدہ ہے۔ اس کی عدم تعمیل نے مساجد کے طالبوں کو ایسی پرورش دلائی جس سے طمع ان کی طبع میں تعود کر کے دنیایت کو ظہور میں لائی۔ البتہ علمائے راسخ اس سے رافع رہے۔ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ۔ اکثر مالا غیرت اور بدن خیالی سے محروم

رہ کر طعنے کے نشانے بنے۔ چونکہ روزی کی رجا اور تنگی کے خوف سے
 اظہار حق کی جرأت نہ رہی لوگوں میں اور ذلیل و خوار ہوئے۔ عوام کے منقولہ
 میں اکثر کچھ نہ کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے پشتو کی ایک ضرب المثل چرسی
 اور بھنگی کے مقابلے میں ملا کو بے تنگی کا مورد قرار دیتی ہے۔ فارسی کا عام
 محاورہ ہے کہ ملا ہونا سہل اور انسان بننا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ
 خرکاری جیسے سادے پیشے کو دریائے علم کہا گیا اور کنز کو پڑھنا آسان
 بتایا گیا حالانکہ وہ دقائق کا خزانہ ہے۔ ان خیالات سے قیاس کیا جاسکتا
 ہے کہ ملاؤں کی خصلت اور فقاہت کس پائے کی ہوگی جو ریوڑ گڈ ریئے
 پر آوازے کس رہا ہے +

اعلیٰ حضرت فراغت کے وقت ان کی بہت سی حکایات سنایا کرتے
 ہیں۔ جن میں مضحکہ کے ساتھ عبرت بھی دلایا کرتے ہیں۔ ان کے خطبے اور
 وعظ کے متعلق فرمانے لگے کہ معقولات سے بالکل حنائی ہوتا ہے۔
 سامعین میں مطلق کوئی احساس اور تاثیر نہیں پیدا کرتا۔ عربی الفاظ کے
 ساتھ موت کی بے معنی یاد دہانی کے چند کلمات ڈھرائے جاتے ہیں۔
 مگر دلیل کبھی پیش نہیں کرتے کہ جاں نثاری اور فداکاری کن امور میں لازم

ہے۔ اور اخلاق کی وجہ اور خوبیاں کیا ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت بتا کر کبھی۔
توضیح نہیں کرتے کہ مسلمان اسے کیوں ادا کریں۔ اور سوائے محض تکرارِ کلمہ کے
کبھی ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دلاتے کہ اسلحہ، سامانِ حرب، ذرائعِ محنت
ملک، امدادِ مساکین اور مامورین و ملازمین حکومت کی تنخواہیں، یہ سب کچھ جس کر
بیت المال کی تشکیل کا باعث ہوا۔ اور زکوٰۃ سے اُس کی معموری ہوئی جسے
رعایا دیتی ہے۔ اور خود ہی اس کے فائدہ اٹھاتی ہے۔ کیونکہ اسی سے ان کی رہا
و ترقی، اور انفرادی و اجتماعی ننگِ ناموس کی صیانت متصور ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ اور بہت سے کاموں کو خیرات بتاتے ہیں۔ مگر اس کی
وجہ کبھی ظاہر نہیں کرتے۔ مثلاً دستار کو نواب بتا کر سفید پگڑی کو افضل جلاتے
ہیں مگر ایسے نکات زبان پر نہیں لاسکتے کہ لزومِ جہاد کے ساتھ میدانِ محاربہ
میں زخم و جراحت ممکن الوقوع ہوئے۔ چونکہ قدیم زمانے میں فوجی شفا خانے
نہیں تھے بلکہ اس عصر میں بھی بعض اوقات نہیں ہوتے تو پگڑی سے پٹی کا
کام لیا جاسکتا، اور چونکہ سفید رنگ سے میل اور صفائی کی جلدی تیز ہو سکتی
ہے۔ اس لئے اس سفید دستار کو ترجیح دی گئی۔ کیونکہ اُس وقت تجربے
سے اور اب مائیکروب کے مشاہدے سے زخمِ ہند کی کثافت مورث

تعفن ثابت ہوئی ۞

بعد از آب ڈارھی کی لمبائی اور مونچھوں کی کوتاہی پر بحث کر کے افسوس ظاہر کیا کہ علمائے دین معظمت کو چھوڑ کر جزئیات کے دریغ ہیں۔ ایک ہزار سال پہلے متقی علحضرت کا ہمنوا ہے ۔

اغایۃ الدین ان تقصوا شواہرکم
یا امة تضلک علی جھلکھ الامم

اس مذاکرے کے بعد علحضرت نے اسی محفل میں ایک عجیب قانون کا ذکر کیا جو مدتوں سے نافذ تھا اور اب اس میں اصلاح کی گئی جس سے ذاتِ شامانہ کا تعفن اور تعفن بھی عیاں ہوتا ہے۔ افغانستان میں پنچایت خانے تھے۔ جن کے کاردار سالانہ ڈیڑھ لاکھ تنخواہ لیتے تھے۔ اُن کا ایک فرض سرکاری کاغذ اور مسکوکات بیچنا اور دوسرا سوداگروں کے تنازعات کا فیصلہ کرنا تھا۔ جس کا مرافقہ محکمہ شریعت میں نہیں ہوتا تھا۔ اُن کی ایک مایہ الامتیاز اور مایہ ناز خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی تاجر اپنی ہی میں کسی

۱۔ آیادین کی انتہا یہی ہے کہ اپنی مونچھوں کو چھوٹا کر و۔

۲۔ قوم! تمہاری جمالت پر توہیں ہنستی ہیں ۞

آدمی پر ہزاروں روپے واجب الادا درج کر لیتا تو سوداگر کے اعتبار سے نہ گواہ بلایا جاتا نہ قسم لی جاتی۔ گویا یہی نہ تھی وحی تھی۔ اس میں فی الحال یہ ترمیم کی گئی کہ اگر مدیون بھی مبلغ قرض کو اپنے دستخط کیساتھ درج کر دے تو درست ہے۔ پنچایت خانوں کو عبث ثابت کر کے ان کے الفا کا حکم صادر کر دیا۔ اور ان کے فرائض دوسرے ممالک مثلاً نہ کی طرح اور دوائر کو مفوض ہوئے :

جمعہ اُس وقت تعطیل کا دن تھا۔ اعلیٰ حضرت علیٰ الصبح موٹر پر پنیان سے باہر نکلے۔ چونکہ فراغت میں ہوا خوری سے دماغ تازہ ہو جاتا ہے اس سے استفادہ کرنے کے لئے موٹر میں ایک فرانسوی معلم موجود ہے۔ جس سے یہ بین المللی زبان سیکھتے ہیں۔ اب اُس کے تکلم میں اچھی خاصی روانی حاصل کر لی ہے۔ جیسا کہ تھوڑی سی مدت میں شہزادگی کے زمانے میں ترکی پر ایسا اقتدار پیدا کر لیا تھا کہ آپ کے اور ایک فصیح ترک کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان افغائوں سے جو شام میں رہ کر عربی سیکھ آئے ہیں چونکہ شاہی خاندان کے ارکان اور رشتہ دار ہیں، عربی بول چال میں ملکہ حاصل کر لیا۔ اردو زبان کے جاننے والے تو کابل میں مل جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ

بات چیت اور کچھ قواعد کا مطالعہ کر کے اس میں بھی دسترس پیدا کی اور اس کی مشق یوں جاری رکھی کہ ہوا خوری میں جب کسی ہندوستانی سے دو چار ہوئے تو موٹریا گھوڑا ٹھیرا کر زبان کے ساتھ اس کا دل بھی بٹھا لیا۔ اسی طرح فرصت سے فائدہ اٹھاتے اٹھاتے یہی دلربائی وسیع مقیاس پر ظاہر کی۔ جب ۱۳۰۲ء کی عید کا خطبہ عربی، پشتو، فارسی، ترکی اور اردو میں پڑھ کر نصیحت اور توحید کا پیغام دنیا کے مسلمانوں کو اس اسلوب سے پہنچایا جو پہلے کبھی ابلاغ نہیں ہوا تھا۔

ان السنہ کے ذریعے سے عمومی مطلب کے ساتھ خصوصی کام بھی نکالتے ہیں۔ جو مملکت کے اسرار و رموز کا تحفظ ہے ذات شاہانہ اپنی حیرت انگیز اور جہان پہن فعالیتوں میں شفا یا ٹیلیفون میں بعض شخص کے ساتھ ایسی بات کرنا چاہتے ہیں جس پر دوسروں کا وقوف مناسب نہیں۔ جو شخص ایک زبان نہیں جانتا، اُس میں بمنزلہ ہرے اور گونگے کے ہے۔ سلاطین عثمانی نے اپنے عروج کے عہد میں گونگے خدمت گار رکھے تھے۔ یہاں بھی ہیں جو محرابہ مجالس میں موجود ہوتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے تقرب و تعلم سے بڑے ہوشمند اور شطار ملازم بن گئے ہیں۔ باب عالی میں سلطان کے

ایوان کے گرد اگر دُور کے کمرے معین تھے تاکہ ہر وقت شاہانہ موجودگی کا احتمال اُن کی سرگرم اور صادقانہ مشغولیت کا محرک رہے۔ اور ہر قسم کی نقیشت و تجسس کے ماوراءِ اعلیٰ حضرت بہت سی تحقیق ٹیلیفون کے ذریعے سے کر لیتے ہیں۔ نہ صرف دُبیروں مدبروں بلکہ دور و دُزار نائبِ الحکومتوں کی کارروائیوں کی خبر رکھتے ہیں ۛ

زبان کے سلسلے میں یہ ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ ذاتِ شاہانہ جہاں شاعتِ علوم کے مرقبی اور ثابت قدم حامی ہیں، زبان کی تسہیل میں بھی جو تحصیل کا آلہ ہے بہت تفکر سے کوشاں ہیں۔ روسی مسلمانوں نے لاطینی حروف کو طوعاً و کرہاً تسلیم کر لیا ہے اور ترکی میں بھی اس کا چرچا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرانسوی سیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یورپ کی کسی زبان میں اوسطاً پچیس حروف تہجی ہیں تو کتابی جدا قلمی جدا اور پھر ان دونوں کے بڑے اور چھوٹے حروف مل کر سب ایک سو ہوئے جو ایک شاگرد کو سیکھنے ضروری ہیں۔ پھر ان کے علاوہ ایک ایک حرفِ علت کی مختلف آوازیں ہیں اور ان کے الحاق سے صحیح حروف بھی متغیر ہو جاتے ہیں بلکہ علیحدہ بھی متعدد الاصوات ہیں۔ ذاتِ ہمایونی نے برسوں کی متواتر کوشش اور کاوش کے بعد جن میں علمی مجالس کے

نما کرے بھی داخل ہیں، یہ مقائسہ اور فیصلہ کیا کہ عربی یا فارسی میں نسبت بہت آسانی ہے تاہم مزید تسہیلات کے لئے تجارت کے بعد خود ایک نیا طریقہ تعلیم ایجاد کیا۔ جسے انجمن معارف نے بھی قبول کر لیا۔ پہلے بھی ایک طرز جدید مکاتب کے ایجاد خانوں، پولیس اور فوج میں رائج تھی۔ مگر صوتی اساس پر حروف و کلمات کے تجزئے اور ترکیب سے جو قاعدہ اعلیٰ حضرت نے اختراع کیا۔ اسے نعم البدل پایا ۛ

چونکہ عسکر جبری ہے، ہر ایک افغان کو دو سال چھاؤنی میں رہنا پڑتا ہے، اور چونکہ تعلیم مفت جبری اسی عہد میں شروع ہوئی ہے۔ اور نوجوان سپاہی پہلے اس سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، اس لئے اب فوجی قواعد کے ساتھ دو سال میں لکھے پڑھے بھی ہو کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کی عمر عسکریت سے بھی بڑھ گئی ہے۔ اور مکتبوں میں بھی اُن کے نہ ہونے سے داخل نہیں ہوئے، اعلیٰ حضرت کے ایجاد کردہ طریقے سے اس طرح مستفیض ہوئے کہ ہر محلے کی مسجد میں مغرب اور عشا کے درمیان یہ نئے درس جاری کئے گئے۔ لشکر میں اور مسجد میں خود ذات ہمایونی برابر دو گھنٹے بورڈ کے سامنے کھڑے ہو کر سبق پڑھاتے ہیں۔

اور لفظوں کو تختے پر لکھ کر اُس کے مختلف حصوں اور آوازوں کو سمجھاتے ہیں۔ دوسرے تیسرے دن ایک ناخوان مطلق سارے فقروں کو ذرا سے تامل کے بعد پڑھ لیتا ہے۔ البتہ اس بادشاہی معلمی سے مدرسوں کی راہبری اور شاگردوں کی تشویق و ترغیب مقصود ہے۔ جس کا اثر تعجب خیز ہوتا ہے۔

ہاروں رشید نے دو عینے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس موطا میں تلامذہ کی صف میں بیٹھ کر شاگردی کا حق ادا کیا۔ افغان بادشاہ بھی جبکہ پہلا طرز جدید کا سبق پولیس وغیرہ کو پڑھایا جاتا تھا۔ تورات کے اندھیرے میں چپکے سے آکر کھڑے ہو جاتے اور استاد اُس وقت مطلع ہوتا جب دیر کے بعد تحقیق کی غرض سے کوئی بات اُس سے پوچھتے۔ ان توجہات کو جاری رکھنے کے بعد خود یہ تدریس کا کام شروع کیا۔ جو تاریخ میں بے نظیر ہے۔

اسی بحث میں پشت تو کا مسئلہ بھیٹرنا بے جا نہ ہوگا۔ جو افغانوں کی قومی زبان ہے۔ اور ضرور تھا کہ اعلیٰ حضرت غازی جیسا بادشاہ اس کی ترویج میں ملتفت ہوتا۔ افغانستان میں کم و بیش دس مختلف

زبانیں بولی جاتی ہیں۔ چونکہ ع

ہم زبانی خوشی و پیوستگی است

جیسا کہ یورپ اور امریکہ کی مختلف اقوام اسی رشتے سے متحدانہ طور پر
منسلک ہو رہی ہیں، اعلیٰ حضرت نے چند مجلسوں میں جنہیں وزیر اور اسلامی
سفیر بھی شریک ہوتے تھے، فیصلہ کر کے پشتو کو زبان رسمی یعنی سرکاری
اعلان کیا۔ اس کی اصلاح و توسیع کے لئے ایک جمعیت مقرر کی۔
جس میں ملک کے اطراف و اکناف اور صحاری و جبال سے پشتو دان مدعو
کئے گئے تاکہ خالص پشتو کے کلمات جمع کر کے لغات کی ایک کتاب تیار

۱۔ متعدد زبانوں کا وجود بلند پہاڑوں کے درمیان حائل ہونے سے علیحدگی پکڑے رکھتا ہے
اور دریا جیسا کہ پنجاب میں ہے فقط لہجے میں تفاوت لاتے ہیں۔ افغانستان میں ایسے
درے ہیں جیسے پنجے کی انگلیوں میں خالی جگہ ہے اور وہاں بالکل جدا زبان سنی جاتی
ہے۔ حالانکہ فاصلہ آدھ میل بھی نہیں۔ مگر وہ نہایت دشوار گزار ہے۔ پراچی، پشتی،
شغنی اور نورستان کی دو زبانیں اسی طرح واقع ہیں۔ ان کے علاوہ ارٹری، دیگانو،
ہندی، ازبکی، اور فارسی ہیں۔ جو پشتو کی طرح بعض علاقوں میں تلفظ میں ذرا متفاو
ہو جاتی ہیں۔ جدید (کافری) کے در حصے بھی دراصل ایک ہیں ۛ

کریں۔ اس طرح ایک مبسوط اور مکمل کتاب تالیف ہو گئی جس میں خاص پشتو کے الفاظ درج ہیں۔

شہروں میں دوسرے ممالک کے امانی کی آمد و رفت سے زبان مغشوش ہو جاتی ہے۔ اسی لئے عربی مبین کے فصحا بچوں کو پرورش کے لئے دہات میں بھیجتے تھے تاکہ جو ہر مدانگی سے آراستہ ہو کر لوٹیں۔ جو بفقو اے حدیث الْمَرْءُ بِأَصْحَرِ يَدِهِ قَلْبِهِ وَلِسَانِهِ دل و زبان میں مضمر اور منتصو رہے۔ انگریزی ادبا کس قدر آرزو رکھتے ہیں کہ اُن کی زبان میں محض اینگلو سیکسن کلمات ہوں لیکن چونکہ لاکھوں کروڑوں کتابیں ایسی انگریزی میں لکھی جا چکی ہیں جن میں دوسری زبانوں کے الفاظ بکثرت داخل ہیں۔ اس لئے یہ تنامشتے بعد از جنگ ثابت ہوئی جیسا کہ اعشاری مقیاس و میزان کا حال ہوا۔ آٹھ، پائی اور شلنگ، پنس کس قدر حساب میں زحمت افزا ہیں۔ مگر اب ان کی بجائے پتر اور سہ ماہی نظام اختیار کرنا اور زیادہ مشقت کا باعث ہے۔

اعلیٰ حضرت نے ان صعوبتوں کو ملاحظہ فرما کر جو انگریزوں کو درپیش ہیں اور افغانستان میں بھی لاحق تھیں البتہ کم، زبان کے علاوہ مروجہ سکوں و وزنوں اور پیمانوں کو تبدیل کر کے اعشاریہ کو جاری کر دیا۔ یہ تغیرات چونکہ

بہت سی مشکلات لئے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے وزارت مالیہ کے اہلکار
 پر اکتفا نہ کر کے ہر طبقہ اور پیشہ کے دکلا اور تمام مامورین دولت کو اپنے
 حضور میں بلا کر، پھر بورڈ کے سامنے کھڑے ہو کر استاد کی حیثیت میں پرانے
 حسابات کی پیچیدگی اور اعشاری دستور کی بہت زیادہ سہولت منتخب پر
 لکھ کر سمجھائی۔ اور بطور امتحان کے دہات کے لوگوں سے سوالات کئے۔
 جنہوں نے فوراً صحیح جواب دئے۔ افغانستان جیسے عسکری ملک میں یہ
 مجالس بہت عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ اور پھر بادشاہ کا ایسے مجمعوں میں ایسی
 مفید اصلاحات کو معلم کی طرح واضح کر دکھانا جو بعض مہذب متمدن ترین
 ممالک میں متنورین خواہش رکھتے ہیں مگر عمل میں نہیں لاسکتے، عجیب غریب
 کام ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ایک سلیم الفکر مدبر کی طرح اعشاری طریقے کو
 سابق نظام کے ساتھ ساتھ جاری کر دیا۔ اس طرح کہ تین سال کی مہلت
 دی گئی تاکہ سب لوگ نئے سکوں وغیرہ سے آشنا ہو جائیں۔ اور پھر
 پرانے طریقے موقوف کر دئے جائیں۔ پہلے سال بعض کو کچھ دقت ہوئی۔
 مگر اب دوسرا سال بھی گزر گیا اور سب واقف ہو گئے کہ سابقاً افغانستان
 کے ہر شہر میں جدا جدا قسم کے اوزان و سکوک وغیرہ کتنی تکلیف کا باعث

تھے اور اب دہاکھے کا عام استعمال کتنے آرام کا موجب ہوا۔ اس صلاح سے ایک تو ساری مملکت میں ایک ہی نوع کے پیمانے وغیرہ اعشاریہ کے حساب سے جاری ہو گئے۔ اور دوسرا فرانس اور جرمنی کی طرح وہ روش اختیار کی گئی جس میں نقص اور زحمت کچھ نہیں۔ اور سمجھنے، گننے اور لکھنے، پڑھنے میں ہر طرح کی تسہیلات ہوئیں۔ یعنی نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دوسرے ممالک مترقی کے ساتھ بھی توحید معاملات کا ایک آسان قاعدہ قائم ہو گیا۔

شاہانہ زندگی کے اس کاروباری پہلو سے، جو بدہمتہ اولوالعزم زمانہ جدوجہد ہے، پھر اسی جمعہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب علیحضرت غازی دارالامان میں گھوڑے پر سوار ہو کر شاید شکار کا عزم فرما رہے تھے جیسا کہ پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔ یہ دن نمونے کے طور پر تحریر میں لائے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ تعطیل کے روزوں میں ذات ہمایونی کس طرح وقت صرف کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے کام کے دنوں کا خوب تر اندازہ ہو سکے گا۔ ع

قیاس کن رخنہ ان چمن بہارش را

دارالامان کے آس پاس پہاڑوں میں تیتز کا شکار بہت ہے۔ مگر آج ایک اہم صید دل میں ہے کہ گھوڑا سرپٹ ڈالے پہاڑوں کے بیچ سے اور اوپر سے چلے جا رہے ہیں۔ اور ٹھہرنے کا نام نہیں لیتے تاکہ ان تیتزوں کو جو آہٹ سے ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں نشانہ بنائیں۔ تیتز اور ہر جانور کو محیط کا رنگ حفاظت کے لئے ودیعت ہوا ہے۔ عسکری لباس اور ملکی تدابیر اسی قاعدے سے اخذ کرتے ہیں۔ جن میں ہم اور اہم کا مسئلہ بھی ہے۔ چونکہ مؤخر مقدم ہے اس لئے گھوڑے پر سوار پرندوں کو مارنا جو اعلیٰ حضرت کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے، آج ملتوی کر رکھا ہے۔ اس طرح میلوں دُور نکل گئے ہیں اور بعض ہم کاب تھک کر پیچھے بھی رہ گئے ہیں مگر ابھی منزل مقصود گویا بعید ہے کہ ذات شہریاری اسی پہلی تازگی کے ساتھ گھوڑے کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتے ہیں جہاں وہ شق الانفس سے چڑھ سکے۔ بعض ہوا خواہ مؤدبانہ جسارت کرتے ہیں کہ ان دشوار گزار گھاٹیوں پر احتیاط سے قدم رکھیں۔ مگر جواب میں وہی سنتے ہیں جو اورنگ نے بیب نے ایسے موقع پر کہا تھا:۔ ”تادل نلر زو پانلغزد“

اس شکار کا اصلی مقصد یہ تھا کہ کابل اور نئے شہر کے لئے مزید پانی کا

کسی دریا کے مجرایے کو بدلنے سے اہتمام کریں۔ ملہند یا ہیرمند (کیونکہ ہیرے اس سے نکلتے تھے) افغانستان کا ایک بڑا دریا ہے۔ مگر اس کے اور وادی کابل کے درمیان ایک کوہِ شامخ حائل ہے۔ عام طور پر یہی رائے مستم تھی کہ اگر اس پہاڑ میں سرننگ کھودی جائے تو ہیرمند مفت ذرا تسلطت کو زرخیز اور گوہر بربنا دیگا۔ اعلیٰ حضرت بذاتِ خود کو سول سفر کر کے اس پہاڑ پر چڑھے اور دیکھا کہ لوگوں کا خیال غلط تھا۔ کیونکہ دریا پہلے بہت فراخ اور گہرا بہ کر جب کابل کے محاذ میں آتا ہے تو سب صرف ہو کر بہت تنگ اور تھوڑا رہ جاتا ہے۔ اس جغرافی اور مہندسی اکتشاف کے بعد واپس لوٹے اور سیرابی کے اور ذرائع عمل میں لائے گئے۔

اضداد کے لحاظ سے جو معرفتِ شے کے لئے مفید ہے، ایک مختصر سی مجلس کا ذکر کرتا ہوں جو اسی آبپاری کے لئے حضورِ شامانہ میں منعقد ہوئی تھی۔ ایک انگریز انجنیر اور ٹھیکہ دار کے ساتھ آپ گفتگو کرتے تھے۔ اور فنی معلومات اور اجارے کے معاملات کی تمام باتیں ایسے وثوق سے طے فرماتے تھے کہ طرفین کو وافی طمانیت ہوتی تھی۔ یہ ایک ہی جلسہ بلا وقفہ چھ گھنٹے تک جاری رہا۔ دارالامان کا ہنتم، ترجمان، اور انجنیر سب

مانڈگی محسوس کرنے لگے مگر علامہ حضرت ویسے ہی تازہ دم فکر دوڑاتے اور بحث کے میدان میں دلیل پیش کرتے تھے جیسے گھوڑے کی سواری میں اوپر ان تھک ثابت ہوئے تھے ۞

افغانوں کا ایک ملی سنجیہ ہے جو مجموعی حالات میں بھی چند دفعہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اور منفرد طور پر روزمرہ مشاہدے میں آتا ہے۔ گاڑیاں اور موٹریں دُور سے گھنٹی اور مارن بجاتی ہیں۔ مگر راستے میں بھیڑ لگی جا رہی ہے۔ اور کوئی پروا نہیں کرتا۔ جب پہیے پاؤں کے پاس ہی پہنچ جاتے ہیں تو پھر چھلانگ ماری جاتی ہے۔ اور لوٹ کر سواروں پر نفرت کی نگاہ بھی ترچھی ڈالی جاتی ہے۔ یہی رقابت کا احساس پیادوں کو ہمت دلاتا ہے۔ اور ایک سبب یہ ہے کہ اس دس سال کے عرصے میں سینکڑوں موٹریں اور ہزاروں گاڑیاں افغانستان میں جاری ہو گئی ہیں۔ حالانکہ پہلے صرف سرکاری تھیں ۞

قدیم تاریخی ایام سے اب تک اسی واقعے کا اعادہ ہوتا رہا ہے کہ باہر سے فاتح اقوام بآسانی ملک میں داخل ہو جاتیں۔ پھر زندہ کلنا مشکل ہو جاتا۔ اگر کوئی شمالی حملہ آور بیچ سے گذر کر ہندوستان کی طرف چلا جاتا

تو پہلے عدم استقبال کی تلافی مراجعت کے انتظار میں بہ شدت کیجاتی۔
 چنگیز خاں اور سلطان محمود، کافر اور مسلم، دونوں کو اس سے پالا پڑا ہے۔
 اس خونی مشایعت کے سابقے سے آنکھ بند کر کے، میگناٹن نے قندھا
 اور غزنی کو بلا مزاحمت اور کم مقاومت سے لینا آئندہ فاتحانہ اُمیدوں کا
 پیش خیمہ قرار دیا۔ تاکہ خود بھی قربان ہووا اور بقول انگریزی مؤرخوں کے
 اُن کی فوج پر ایسا منحوس صہ پڑا جس سے سیاہ اور مدہش تر اُن کی تابِخ
 میں کہیں بھی نہیں دکھائی دیتا۔ پھر کیوں گناری نے دھوکا کھایا۔ اور
 جب امیر عبدالرحمان خاں نے روس سے نکل کر کابل میں قدم رکھا تو
 لاکھوں مسلح غازی ایسی تہدید کرتے تھے کہ اب گویا ڈاکٹر براڈن کی طرح
 جیتے باہر جانے کی استثنا بھی نہ رہے۔ اگرچہ کابل میں اس کو بھی نہیں
 مانا جاتا۔ اور وزیر محمد اکبر خاں کی یاد میں مقتولین کی تعداد بھی دُگنی سے زیادہ
 گنائی جاتی ہے۔ ”از چیل ہزار پلٹن یک کس زلفت لندن“۔

آخری لڑائی میں امان اللہ خاں کا فوق العادہ وجود پیش بینی کر رہا تھا۔
 پھر بھی ملتِ افغان اپنی دیرینہ عادت سے باز نہ آئی۔ مگر ذرا مختلف صورت
 میں۔ جنوبی سمتوں میں پیش قدمی کر کے مشرقی جانب کچھ سُستی دکھائی اور

جب متارکہ ہو گیا تو تاریخی ہوش آئی۔ ہزاروں غازی جھنڈے لئے
 کابل میں آ جمع ہونے لگے اور ہزاروں۔ کے گروہ دوسرے رستوں
 جلال آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اطلاعیں پہنچنے لگیں کہ لاکھوں
 تمام ملک کے مختلف حصوں میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ جن کو جنگ سے
 منع کرنا نہایت مشکل کام ہو گیا۔ کیونکہ حکومت سے اُن کی بدظنی کا سخت
 اندیشہ تھا۔ بڑے حزم اور احتیاط سے اعلیٰ حضرت غازی نے اُن کو روکا
 اور سمجھایا کہ ارادہ شامانہ استقلال کمال اور حستہ تمام ملی کے ساتھ
 عالمگیری نہیں بلکہ جہان بینی ہے ۞

اسلامی سیر میں قبیلہ بنی تمیم بعض ممتاز اوصاف سے آراستہ پایا
 جاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کی شکل انہی کے ایک جوان کی صورت میں زمین پر
 دکھلائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر بھی انہیں میں سے
 ایک کی شان میں آسمان پر کھینچی جاتی ہے۔ ان جمالی مظاہر کے علاوہ
 ان کی جلالی کیفیت بھی زالی ہے۔ ایک غزوے میں بنی تمیم کا بوڑھا
 میدان میں اترنے لگا مگر اُس کے چار بیٹے پہلے اُسے گھوڑے پر
 چڑھانے لگے کیونکہ کبر سن سے اکیلے کو تکلیف ہوتی۔ دشمن کی صفوں

میں تہقہ لگا تو سوار پیر نے آگے بڑھ کر رجز پڑھ کر کہا کہ سوار تو مجھے چار
شخصوں نے کیا۔ مگر اب آؤ اور آزما لو کہ سو آدمی بھی مجھے اتار نہیں سکیں گے۔
چنانچہ اپنا دعوے اثبات کر کے واپس آیا +

بنی تیم کے گھوڑوں کی نسبت بھی مشہور ہے کہ عرب بھر میں جب اُد
گھوڑے تھک جائیں تو یہ اس وقت دوڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔ افغانوں
میں بھی انسانوں اور حیوانوں کا کچھ ایسا ہی کیف ہے +

۱۔ حضرت غازی کی شہسوار کی کا ذکر اوپر ہوا۔ آپ گھوڑے کو
بہت پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ جانور اسلامی ثواب اور پہاڑی وطن کی وجہ
سے بہت مفید و مطلوب مرغوب ہیں۔ اور نیز گزشتہ جنگِ عظیم نے
رسالوں کی ضرورت کو تعاقب کے لئے بہت ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ جدید
اصولِ حرب میں دشمن کو سوائے قتل و اسیر بنانے کے رجعت کرنے دینا
دوبارہ مقابلے پر آمادہ کرنا ہے۔ جو صرف گھوڑوں کی مدد سے ٹوٹ
سکتا ہے۔ ۱۔ حضرت نے اس طرف انتفات کر کے اچھی نسلوں کو بڑھانے
کی تنجائز عمل میں لائیں۔ مثلاً بلخ اور بدخشاں کی طرف سے جو گھوڑوں کے
مخازن ہیں اور جہاں ایک ایک سو داگر کے پاس بیس بیس ہزار گھوڑے

ہوتے ہیں۔ اچھی گھوڑیاں منگوا کر دوسری ولایات میں زمینداروں کو
اقساط پر دیں۔ اور افغان تان سے باہر گھوڑوں کا لے جانا قطعاً ممنوع
کر دیا۔

افغان تان میں نیزہ بازی، بُزکشی جو ہندو کش کے ماوراء خلیج میں
ہرت عام اور پوشیلی کھیل ہے اور جس کے لئے میلوں میں شادی کے موقعوں
اور سیلوں پر پائنگاہ بنائی جاتی ہے، اور کلاہ پرانی جس میں بندوق اور پتول
سے سرپٹ حالت میں ٹوپی کا نشانہ لگایا جاتا ہے، اور دوسری گھوڑ دوڑوں
کی رواج کثرت سے ہے۔ مگر منضبط مسابقتی اور انعامات کی رسم جیسا کہ
متن بلد میں ہے، ذات شانانہ کی توجہ سے شروع ہوئی ہے۔ استقلال
کے جشنوں اور عیدوں میں سب سے زیادہ انعام نمائش کی چیزوں میں
اچھے گھوڑوں کو دیا جاتا ہے۔ اور سب انسانوں میں سبقت لیجانے والے
سواروں کو مال مال کیا جاتا ہے۔

عرب غلیق کے عرف نفس کی بلندی میں منقول ہے کہ اسپ تازی کی لست
میں اگر کوڑا ہاتھ سے گر جاتا تو خود اُتر کر اٹھاتا اور دوسرے کے سامنے
دستِ مسلت دراز کرنے کو عار سمجھتا۔ اسی غیرت کی تصویر مختلف کریمانہ

پیرائے میں، اعلیٰ حضرت کھینچتے ہیں۔ ایک ہندی مہاجر کا چھوٹا سا لڑکا اپنے والدین کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ ذاتِ شاہانہ گھوڑے سے اتر کر اُسے گود میں لیتے ہیں، اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہیں۔ پیار محبت کی باتوں کے بعد بیس طلے (پاونڈ) اُس کے ہاتھوں میں رکھتے ہیں ۛ

ایک پنجابی مہاجر کو سفر کی حالت میں پیادہ جاتے دیکھ کر موٹر ٹھیراتے ہیں اور یہ دریافت کر کے کہ کابل کی سردی کے سبب جلال آباد جا رہا ہے، چار سو روپیہ نقد کے علاوہ وہاں کے حاکم کے نام فرمان دیتے ہیں۔ کہ مسافر اور اس کے عائِلے کے واسطے مکان اور آسائش کا انتظام کرے ۛ

اپنی رعایا کے ساتھ بھی ہمیشہ ایسا سلوک کرتے ہیں جس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ ایک دفعہ علاقہ پنجشیر کے غریب مرد و زن و اطفال کو آتے دیکھ کر موٹر ٹھیرائی۔ تفقید احوال پر کہ خدمت گاری کے لئے آئے ہیں، آدمی اور عورت کے لئے جگہ اور تنخواہ مقرر کی اور لڑکوں کو جوا لڑکیوں کو علیحدہ، ان کے مکتبوں میں داخل کروادیا ۛ

اس سے یہ گمان نہ ہو کہ اعلیٰ حضرت سیر و سفر میں لوگوں کے معروضات سننے کو بھی ٹھہرتے ہیں، ہاں ٹھہرتے ہیں۔ مگر عرض سننے کو نہیں بلکہ یہ بتانے کو کہ ہر ایک کام کیلئے

مختلف دفتر، ادارے اور محکمے ہیں۔ اگر وہاں تمہاری بات اجرا نہ ہو تو مرنا ہو سکتا ہے۔ ان تمام مرجعوں کے بعد اگر تم مطمئن نہ ہو تو میں حاضر ہوں، مگر ہر ایک کام کو اگر میں خود سرانجام دوں تو تم خود انصاف کرو کہ میری رسائی کیسی ہو سکتی ہے۔ اور کلی امور کے لئے فرصت کہاں سے لاسکتا ہوں جو آخر تمہاری ہی بہبودی کے لئے ہے۔

اَلطَّلِبُو الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصَّيْنِ میں ایک حقیقت تھی جس کے معلوم نہ کرنے سے مسلمان بادشاہ یا وجود نیک نیکی کے جزئیات میں پڑ کر اس عمل کو بجائے خطا کے صواب بلکہ موجب ثواب سمجھتے رہے۔ اور واقعہ نگاروں نے اس حد تک تائید اور تعریف کی کہ نوشیرواں کے دربار میں خربوزوں سے بے اندازہ لدے گدھے کو تخفیف احوال کیلئے پہنچا دیا حالانکہ یہ ایک معمولی مجلس بلد یہ کافر بیضہ تھا۔ مغلوں کے محلوں کے روازوں پر سونے کی زنجیریں لٹکائی گئیں تاکہ وہاں بھی حمار کنہا لگائیں۔ اور ان کے بوجھ ہلکے ہوں۔ یا جو کوئی بھی سلسلہ ہلائے اگرچہ اُس کی فریاد صرف ایک قاضی یا کوتوال کے ساتھ تعلق رکھتی ہو، ضرور بادشاہ سنے اور فیصلہ کرے۔ ایک شخص آیا ممکن ہے کہ سینکڑوں ہزاروں حکام کے کام کیلئے پوری

تحقیقات سے تمام کر سکے اور پھر سیاسی امور میں بھی مصروف رہے اور مملکت کے اساسی نظم و نسق کے قوانین بھی وضع کرے؟

ایک قبل مسیح چینی حکیم اپنے ہمعصر وزیر کبیر کا ذکر کرتا ہے کہ اُس نے اپنی گاڑی روک کیچڑ میں جاتے ایک بڈھے کو اپنے ساتھ بٹھا کر اُس کے ہاں پہنچا دیا۔ لوگوں نے اس ترجم کی بہت تعریف کی۔ حکیم نے کہا واقعی وزیر بہت نیک اور ہمدرد آدمی ہے مگر اسے وزارت کا ڈھنگ نہیں آتا۔ چاہئے کہ اپنی گاڑی تیزی سے لے جائے اور تھامنے کی بجائے لوگوں کو ہٹاتا جائے ہاں سڑکوں کا تمام مملکت میں ایسا انتظام کرے کہ کہیں کیچڑ نہ ہونے پائے اور ملک میں علمی اور مالی ترقی کو اس درجے تک پہنچائے کہ جوان بوڑھوں کی حرمت کریں اور بوڑھے مرغ کھا کر اور ریشم پہن کر جوان بنے رہیں۔

اعلیٰ حضرت غازی رات دن وضع قانون اور عمومی قاعدے بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ جن سے حاکموں محکموں، بوڑھوں، جوانوں، مردوں عورتوں، لڑکوں لڑکیوں کی رفاہ اور بیداری کے سامان مہیا ہوں، مگر جب بحیثیت ایک فرد ملت دوسرے سے دوچار ہوں تو اسوہ حسنہ قائم کرنے کے لئے انسانی اور مروت سے پیش آتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا تعلق اپنی ملت کے ساتھ نہ صرف

وزیر کبیر، صدر اعظم، اور سپہ سالار کا ہے بلکہ ایسے بادشاہ کا ہے جسے اپنی رعایا کے ساتھ باپ سے بڑھ کر محبت ہے اور آپ کی زبان سے ملی جذبات کا جو اکثر اظہار ہو جاتا ہے تو فرمایا کرتے ہیں کہ میں اپنی ملت کا عاشق ہوں اور اُس کے سچے ثبوت بہت ہیں :-

خود موٹر رانی کرتے ہوئے پنہان کی طرف جا رہے ہیں۔ دُور سے ایک خرکار نظر آتا ہے تو ہارن متواتر آجالتے ہیں۔ نزدیک پہنچتے ہیں تو کبھی لدا ہوا گدھا ٹرک کے بیچ میں آ جاتا ہے کبھی اس کی صحبت سے متاثر آدمی۔ موٹر کو بہت آہستہ کر کے ذاتِ شانہ بے اختیار منہ میں ”خیر اللہ خیر اللہ“ کہتے جاتے ہیں۔ اور یہی مواسات کے کلمے صرف وہی شخص سُن سکتا ہے جو پیچھے قریب بیٹھا ہے ۞

آگے برقعہ پوش عورتیں گھوڑوں پر سوار نظر آتی ہیں۔ جن کے کان کھڑے ہونے سے تو حش مترشح ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت موٹر ٹھیرا کر اشارہ کرتے ہیں کہ ٹرک سے جدا ہو کر ایک طرف چلی جاؤ۔ پھر خاموشی سے موٹر نکال لیجاتے ہیں ۞ اکثر بادشاہ عوام سے ہم کلام ہونا عار سمجھتے تھے۔ چنانچہ امیر بخارا جو آجکل کابل میں پناہ گزین ہیں ایک باغبان کے ساتھ بات کرنے لگے۔ تو اُن کا

مصاحب رو دیا کہ انقلاب نے یہ بدروزگار دکھایا کہ بادشاہ ایک عامی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ اسلامی مساوات جو کم از کم مسجد میں تو ضرور ظاہر ہوتی ہے، جب بحال نہ رہی تو بخارا میں اب بھی عام لوگ امیری کر رہے ہیں اور مساجد میں کافر اور مسلم مساوی ہیں!

جب امیروں کی حالت ہوئی اور نیز پہلے امیرانِ کابل کابل خود مختار نہیں تھے (بلکہ ہندوستان میں امیر و غریب کے محاورے سے امیر صرف ایک دولت مند آدمی کو کہتے ہیں) یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ امیر کی بجائے اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں بادشاہ کا خطاب اختیار کریں اور مجلس شوریٰ نے اسے قبول کر لیا۔ پھر وہی قصہ جاری کرتے ہیں۔ کہ اعلیٰ حضرت شام کو پغمان کی جانب جاتے ہوئے جب کہ ابھی پورا اندھیرا بھی نہیں ہوا۔ موٹر کا چراغ روشن کر لیتے ہیں تاکہ جس قانون کے خود موٹس ہیں اُس کی جزئیات کی بھی پہلے خود پابندی کریں۔ دیکھتے ہیں کہ ڈاکو خطوں کا تھیلہ لئے جا رہا ہے۔ موٹر آہستہ کر کے ایک دو شفقت کی باتوں کے بعد تھیلہ اُس سے لیکر موٹر میں رکھ لیتے ہیں۔ اور اس تملیق سے اسے موقع بخشتے ہیں کہ گھر جا کر فخر سے یہ داستان بیان کرے۔ دُور سے پہچان کر کہ ایک معتبر اور فداکار

شخص جا رہا ہے۔ موٹر کی آواز سے اُسے اخطار دیتے ہیں۔ وہ سڑک کی بائیں جانب ہولیتا ہے۔ موٹر اپنی صدا کے ساتھ اُس کے پیچھے پھنپھتی ہے تو لوٹ کر دیکھتا ہے کہ سر پر آلی۔ ایک جست کر کے سڑک کے کنارے نالی پر سے کود جاتا ہے اور موٹر ایک خندہ رُوح افزا کے ساتھ گزر جاتی ہے تو بیچارے کو مفتخرانہ اطمینان ہوتا ہے ۛ

اعلیٰ حضرت باغ میں موٹر سے اتر کر ان اشخاص کے سامنے جو استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔ اپنی ایک روزہ سرگزشت یوں بیان فرماتے ہیں کہ وہات میں لڑکوں لڑکیوں کو اور اُن کے اوضاع و اطوار کو دیکھ کر بہت فوس ہوؤا کہ مکتب کی تربیت سے بے بہرہ رہ کر اُنہ کاموں میں مشغول ہیں اور ان کے والدین علم کے بیش بہا متاع کی قیمت سے آگاہ نہیں۔ ورنہ تھوڑے سے سودے نقد سے گذر کر ضرور اُن کو مکاتب میں داخل کرتے۔ اس شانانہ اطوار رنج کا چند سالوں میں یہ نتیجہ ہوؤا کہ تعلیم ابتدائی اجباری ہو کر ہر بڑے گاؤں میں مکتب قائم ہو گیا۔ بلکہ وہاں سے اب سینکڑوں لڑکے سالانہ نکل کر شہروں کے متوسط مدارس میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اس سال ایسے فارغ التحصیلان ابتدائی کی تعداد ہزاروں کو پہنچ جائیگی ۛ

دوسرا اس امر پر حسرت ظاہر کی کہ ہر گاؤں کے سامنے ایک دو آدمی چند ٹوکریاں سامنے رکھ کر دکانداری کر رہے ہیں۔ جن کا سرمایہ چند روپے اور البتہ آمدنی چند پیسے ہوگی۔ اگر دس شخص مل کر ایک کو منتخب کر کے دکان پر بٹھائیں اور باقی نو اور کام کاج کریں تو کمائی کتنی بڑھ سکتی ہے۔ اس خیال نے ذات ہمایونی کی مساعی جمیدہ سے چند سال میں یہ اثر دکھایا کہ ہر جگہ ہر قسم کی شرکتیں تاسیس ہو گئیں۔ اور لوگ متحدہ سرمائے سے منافع اٹھا کر باقی اور مفید کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ یہ شرکتیں نہ صرف داخلی تجارت میں بلکہ بین المللی سوداگری میں اب موفقیت کے ساتھ مقابلہ آور ترقی کر رہی ہیں۔

بقول سر آر تھرسنڈ سے کی ایک شکل کو یا ایک پھول کے خواص کو کمائی بنی جاننا آسان نہیں۔ اور ایک حیوان کے سارے حالات پر علم آوری اور مشکل ہے۔ انسان شریف و لطیف مخلوقات کے جسمانی اور نفسانی عقودوں کو ہر شخص کا ناخن تمیز نہیں کھول سکتا۔ یا وصف اس کے ہر کوئی دوسرے پر نکتہ چینی کو تیار ہے۔ حالانکہ اس پر معترف ہے کہ تقلیدیں اور نباتیات کے اصول سے ناموافق ہوں۔ یہ پھر فرضی سیاح کی طرف اشارہ ہے جس نے آخر میں یہ دیکھا تھا کہ علی حضرت رات کو حرم سراے گئے تو دوسرے دن دوپہر کے

بعد نکالے ۛ

ذاتِ ہمایونی اکثر رات کو نصف شب تک خفیہ طلاعات پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا سلسلہ بہت منضبط اور وسیع ہے۔ ان کے مطالعے میں خاص طور پر ہنرمند ہونا پڑتا ہے۔ جب تک ساری رپورٹیں ختم نہ کر لیں سونے کو حرام سمجھتے ہیں ۛ

شاہِ خاغم ملکہ معظمہ مکاتبِ مستورات کی مفتشہ ہیں۔ ان کے ساتھ تعلیم نسوان کے مذاکرے اور مشورے کر کے عورتوں کی بہبودی کی تجاویز پر عمل درآمد فرماتے ہیں۔ افتانتان میں اکثر کام نئے شروع ہوئے ہیں۔ مگر مکاتبِ اناشیہ بالکل نزلے ہیں، اس لئے اعلیٰ حضرت جیسا کہ اور سب کاموں میں رہنمائی کرتے ہیں۔ اس بارے میں خاص التفات اور الطاف کے ساتھ مدد فرماتے ہیں۔ اولاتِ حرم سب یا تو مکاتبِ نسوان کے ادارے اور انتظام میں حصہ دار ہیں یا خود تعلیم پا رہی ہیں۔ ان سب سے مختلف طرح کی باتیں دریافت کرتے رہے۔ اور چونکہ ان دنوں کہیں کہیں وبائے ہیضہ شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے بہت سے تائل کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ چند مکاتبِ ذکور و اناث میں تعطیل کر دی جائے۔ چنانچہ رات ہی کو

وزارت معارف میں طالع پھینچا دی گئی ۞

چونکہ رات دیر تک جاگتے رہے تھے۔ علیٰ صبح سخت دردِ مٹھوس ہوا۔ علاج کیا اور آرام کی اُمید میں وزیر اور اہل شورے کو باہر پھیرائے رکھا۔ جب فائدہ نہ ہوا تو ناچار اُن کو رخصت کر دیا۔ دوپہر کے بعد اس خیال سے کہ ہوا خوری تخفیفِ صدام کا موجب ہوگی۔ پیادہ نکل کر سڑکوں پر پھرنے لگے۔ ادھر ادھر دیکھ بھال کے بعد ہمرکاب ڈاک خانے کی جگہ منتخب کی۔ اور کافی ہدایات سنا کر حکم دیا کہ دس دن میں عمارت تیار ہو جائے۔ چونکہ طبعِ علیلِ تفکر اور تدبیر کی گرانی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ جو مجلسِ وزراء میں مطلوب تھا، اس لئے اس وقت کی مزاج کے موافق ایک خفیف مگر مفید شغل پر انعطاف کیا ۞

بیکن نے حکمت کی تعریف میں کہا ہے کہ موقع اور ماحول کے لحاظ سے جو کام بھی درپیش ہو، اُسے بہترین صورت میں سرانجام کیا جائے۔ مولانا بھی ایسا ہی ارشاد کرتے ہیں ۞

صوفی ابنِ لوقت باشد اے رشتیق

نیتِ فردا گفتنِ شرطِ طریق

گرمائے عرب کی شدت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اونٹوں کی آواز سنکر باہر نکلتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کا شتر بان پا کر استفسار کرتے ہیں۔ جواب ملتا ہے کہ ان کھوئے ہوئے مویشی کو خود ڈھونڈ کر لایا ہوں۔ اور جو زحمت دوسرے مسلمان جھیلتے ہیں نے خود برداشت کر لی۔ کیونکہ امیر المؤمنین کو استراحت زیب نہیں دیتی :

تعلقاتِ خارجہ کی وجہ سے جو افغانستان کو اس عہد میں حاصل ہوئے ہیں، ایک وسیع دائرہ تشکیل ہوتا ہے جو نقطہ وطن سے شروع ہو کر اقصادِ شرق و غرب تک پہنچتا ہے۔ اگر اس احاطے میں کسی کا دماغ یگانہ فعالیت سے کام کرے، اور دماغ قوا و حواس کا مرکز ہے۔ تو لامحالہ دردِ سر کا احتمال ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی صبح سے شام تک نو کام کرتے ہی ہیں۔ عند الضرورت جو اکثر لاحق رہتی ہے۔ عشا تک مسندِ حکومت سے نہیں اٹھتے اور ہوا خوری کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔ بلکہ حکمِ شدید نافذ کر رکھا ہے کہ اگر آدھی رات کے بعد بھی حاجت پڑے تو فوراً جگائے جائیں، چنانچہ جب ہندوستان میں ہیئتِ افغانی متصور ی میں مقیم تھی تو دو بجے رات کے ذاتِ شانہ کو بیدار کر کے ایک گھنٹہ میں جواب

بیہج دیا جاتا کیونکہ آپ کی یہی خواہش تھی کہ جو کام بادشاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں۔ اُس کے آرام کی خاطر ذرا بھی ملتوی نہ رہیں ۞

تائیدی

اس شبانہ روز تو غل میں سر دروی اغلب ہے۔ اس حالت میں ایک ترکی ڈاکٹر نے ہدایت کی کہ دو گھنٹے سے زیادہ کام کرنا کسی صورت میں بھی صحت نہیں۔ ایک جہاں دیدہ عزیز نے اس کی تائید میں صلاح دی کہ دنیا بھر میں محکمے چھ گھنٹے سے زیادہ نہیں کھلے رہتے۔ ملت کی خیر خواہی سے جو ذاتِ شامانہ کی زحمت کے بغیر راحت نہیں پاسکتی۔ اَوْ قَلِيلًا مِّنَ الدَّلِيلِ مَا يَهْجَعُونَ پر عقیدہ رکھتے ہوئے، میں نے صاف عرض کی کہ شامانِ عظام اور ذواتِ کبار جنہوں نے اصلاحات سے دنیا میں ناموسی پیدا کی۔ چھ گھنٹے بلکہ کبھی دو گھنٹے بھی آرام کے لئے نہیں پاتے۔ علیحضرت نے پہلی دو باتوں سے متاثر نہ ہو کر، تیسری راے کو پسند فرمایا، اور باوجودیکہ تقریباً دس سال سے قولاً و عملاً 'لیل و نهار' ملت کی ترفیہ ترفیع میں، انہماک فرما رہے ہیں۔ اور کبھی دوسری بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر عام طور پر آپ کی صحت و قوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ہمت و حمیت روز افزوں اضافہ ہو رہی ہے ۞

ایک وحی بادشاہ مذاہنوں سے متنفر تھا تو ندیم اس طرح مدح کر دیا کرتے کہ ہمارا شاہ ہنشاہ اس صفت میں یکتا اور ممتاز ہے کہ اپنی تعریف تو صیف کی پروا نہیں کرتا۔ ایمان بادشاہ ہمنشیوں کے جیلوں سے واقف بلکہ کیست اور فراست میں اُن سے فائق اور عالمت مدینیت و سیاست میں اُن کے قائد، کوئی شخص آپ کی بے جا ستائش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

شیر شاہ نے ایک عالم مصاحب کو اپنا محتسب بنا کر یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر مجھ سے خلاف شرع حرکت سرزد ہو تو تلوار کے قبضے پر ہاتھ بڑھائے، اگر باز نہ آؤں تو میان سے باہر نکال لے، پھر بھی اگر اصرار کروں تو میرا سر اُڑا دے، ورنہ خود اُسے قتل کر دوں گا۔

علی حضرت نے ابتدائے سلطنت میں عہد نامہ کیا تھا کہ درباروں میں بادشاہ کو کام سے روکنے کیلئے تھکان اور بیماری کا اندیشہ پیش کرتے تھے۔ میں ایسی ترغیب سے سخت آزر دہ ہونگا۔ اس کے بعد علی حضرت در و سر کی حالت میں رومال باندھ کر رخ کا مشکولہ ماتھے پر رکھ کر کام کئے جاتے ہیں۔ مقربان بارگاہ ہمدردی اور دعا دل میں لئے کھڑے ہیں۔ مگر کسی کی ہمت نہیں بندھتی کہ زبان ہلائے۔

ہینیری شاہزادہ شادت و سادہ انگریز، اپنے تاجدار باپ کا
محسود ہو جاتا ہے۔ جس لئے مصلحتاً اسے اوضاع شائستہ ترک
کرنی پڑتی ہیں۔ بادشاہ دل میں خوشنود لیکن ظاہرہ خشم آلود، اسی
دورنگی میں زندگی کے دن کاٹتا ہے۔ نزع کی غنودگی میں پاکر، شہزادہ
تاج اُس کے پہلو سے اٹھالے جاتا ہے۔ اور دوسرے کمرے میں جا کر
مخاطب ہوتا ہے۔ کرلے مایہ حق و حسد اور باپ بیٹے کے درمیان
نزاع کی استخوان! تیری شان و آن بہت ہے۔ مگر میرے سر پر
تو اتنا گراں ہے جیسا کہ زہین۔ تیری ذمہ داریوں کے خیال سے
میرا دماغ چپرخ کھانے لگا۔ اس اثنا میں بادشاہ ہوش میں آتا
ہے۔ اور شہزادے کو مع تاج کے غائب دیکھ کر فرط غضب
میں جان دیتا ہے ۷

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنامِ مین دیوانہ زدند

یہ امانت جسے انسانِ ظلم و جہول نے اٹھالیا۔ اور بقول بعض
کے جبر و مقابلہ کی دو منفیوں سے مثبت کا حکم لے کر، عدل و علم

مبالغہ سے ذمہ برداری کا دعوے کیا، حیاتِ منفرد و مجتمع کا بہترین
 اسرار ہے۔ اس میں ہر شخص بقدر اپنی وسعتِ اختیارات کے راعی
 اور مسئول ہے۔ البتہ بادشاہ جو سلیم لطیف اور حساس ہو تو سرے
 زیادہ متفکر اور امین اور اسی انداز سے موقر ہو گا۔



مدنیت اور معدلت کی کشتی

ان اوراق میں اور پیش رفت سے پہلے ایک امر کی ایضاح لازم ہے۔ افغان بادشاہ کے اشتغال سے ان امور میں جو بظاہر بیانی الواقع جزوی ہیں، متہدین اصحاب کو استعجاب ہوگا۔ اگر نظر تدقیق عرب پر ڈالی جائے تو خلفائے راشدین ایسے معاملات میں مصروف دیکھے جائیں گے۔ جن میں توجہ کرنا امر اے عباسیہ امیہ کسر شان سمجھینگے۔ اگر جمع بصر غرب کی طرف کی جائے تو پیٹر اور فریڈرک کی مانند شاہان کبیر جنہوں نے قواعد مملکت کو قائم کیا۔ کبھی دفتر میں بیٹھے محاسبے کی پڑتال، اور دوسرے وقت معسکر میں گھومتے سپاہیوں کے لباس تک کی دیکھ بھال کرتے پائے جائیں گے۔ مدنیت کی بنیاد رکھتے ہوئے اگر معمار پہلی اینٹیں چٹنے میں راستی اور استقامت کو اعتبار نہ دے تو تہذیب و ترقی کی دیوار میں ثریا تک احتمال کچی واعوجاج رہیگا، بنا برین ٹوسسان آئین ابتدا میں مجبور ہیں کہ بوجہ فخط الرّجال اپنے نفس کی عرق ریزی سے

سلطنت کے تمام شعبات کو آباد و شاداب کریں ؟
 اعلیٰ حضرت غازی فی الحقیقت افغانستان میں استقلال آزادی نظام
 اور قانون کے بانی لاثانی ہیں ۔

ایں سخن را چوں تو مبدع بودہ

گرفتوں گرد تو آتش افروزہ

اب تمام امور مملکت مختلف دائروں اور محکموں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اور
 سب مامورین دولت اور افراد ملت اپنے اپنے فرائض اور حقوق کو اچھی
 طرح سمجھ گئے ہیں۔ اس سے پہلے جب کہ موجودہ ”تفریق و ظایف“ واضح
 صورت میں پیش نہیں ہوئی تھی۔ بعض دعووں کو خود ذات شامانہ فیصلہ
 کرتے تھے۔ اس طرح کا اول سال کا ایک واقعہ مثال کے طور پر بیان
 کیا جاتا ہے ؟

اعلیٰ حضرت قصر ستور (ستارہ محل - یلدر کو شک) کے برآمدے میں

جلوہ افروز ہیں ۔ ع

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

روزمرہ کے درباروں میں تکلف آپ کی عادت نہیں ہے۔ اور تصنع کو

بالکل پسند نہیں کرتے۔ معمولی لباس پہنے نوبت وزارتوں میں تشریف لیجاتے ہیں اور جیسا کہ اُن کی تشکیل خود کی ہے اُن کی ترتیب تنظیم کیلئے وہیں جا کر کام کرتے ہیں۔ مگر آج اپنے حضور میں ان مجرموں کو طلب کیا ہے جن کی بابت ولایات کے حکام نے تفتیش اور تحقیق کے بعد قاضی کے فتوے سے قصاص کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا اجرا بادشاہ کے امر پر منحصر ہے۔

منشی حضور ایک ملازم کی طویل کیفیت پڑھ رہا ہے جو اغوا قتل اور رہزنیوں کا مرتکب ہوا ہے۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ ع نازک مزاج شاہانِ تاپ سخن ندارد

شاید اس لمبی کہانی سے بادشاہی طبیعت ملول ہوئی ہو۔ کیونکہ دوسری طرف ملتفت ہیں۔ چند سیاہی کی بوتلیں میز پر دھری ہیں۔ اُن کی بابت فرماتے ہیں کہ اب ایسی چیزیں وطن میں تیار ہونے لگی ہیں۔ اور ایک حد تک اطمینان کا باعث ہے کہ ہزاروں روپے جو صرف بلو بلبلک کے لئے باہر جاتے تھے، اپنے ملک کے صنّاعوں کے پاس رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت بذاتِ شوکت سمات خود ان اشخاص کی قدر افزائی کرتے

ہیں۔ جو ہمیں کے مواد خام سے مفید صنائع تیار کریں۔ سلیٹ، پینسل، چاک وغیرہ جنہوں نے پہلے یہاں کے پہاڑوں سے مہیا کئے۔ اُن کو انعام عطا کئے۔ دنا کے تمغے کو کابل کے متصل تانبے کی کان سے بنوا کر ایسی زینت بخشی کہ وفاداروں کے نزدیک مرصع بجواہر سونے سے زیادہ بیش بہا ہوا۔ اور پیسہ وطن پرستوں کے لئے روپے سے گراں تر ہو گیا۔ یہ ابتدائی تشویقات چند سال کے بعد نمائشوں کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ اور اب دینی اور ملی اعیاد کی تقریہوں پر مصنوعاتِ وطنی کے معتد بہا ذخائر جمع ہوتے ہیں۔ اور اہل صنعت انعاماتِ معینہ حاصل کرتے ہیں۔

پانچویں سال کے جشن میں اس کے متعلق مزید مزیت کا اظہار ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے شاہانہ نطق میں وطن کے کھدر کو باہر کے زربفت پر ترجیح دے کر اپنا نمونہ پیش کیا۔ کہ باوجود کوتاہ اندیشوں کے مضحکوں کے شہزادگی کے زمانے سے وطنی لباس کو فضل سمجھتے آئے ہیں۔ اور اب اس پر فخر کرتے ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی پیروی میں جو ایک امر نافذ کرنے سے پہلے اس کا اطلاق اپنے پر اور اپنے عائلے پر کرتے تھے

ذات شامانہ نے وطنی لباس میں اپنی مثال قائم کر کے بعد میں دوسروں کو
 خارجی پوشاک کی مانعت پر پہلے مرغوب اور آخر میں مجبور کیا۔ آغاز اس
 مرغوب طریقے سے ہوگا کہ اعیان دربار کو جب غیر وطنی لباس پہنے
 دیکھا تو چاقو یا قینچی سے اُسے اچھی طرح کاٹ ڈالانا کہ بالکل استعمال
 کے قابل نہ رہے۔ اس اطلاق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اور کئی بالا پوش
 ٹوپیاں بوٹ وغیرہ خراب ہوئے۔ اگرچہ یہ خرابی ایک طرح خوش طبعی
 میں ہوتی تھی۔ مگر لوگ نقص مال سے زیادہ اصلی مانع کو ادراک کر کے بھی
 متاثر ہوئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چاقو کے استعمال کا موقع نہ
 رہا۔ الاجشن کے نویں سال جب ہندوستانی پہلوان ہاتھی کو اپنے پر سے
 گزار کر خود آگ پر سے گزر رہا تھا تو اُس کے ساتھ دلجوئی کی باتیں کر کے
 فرمائے لگے کہ اب میں اپنا تماشا شروع کرتا ہوں۔ سائبان کے نیچے
 بیٹھے آس پاس جس کی ٹوپیاں یا کوٹ بدیسی کپڑے کا دیکھتے اُٹھ کر کاٹ
 ڈالتے۔ مگر اس دفعہ غیظ اور غصہ آپ کے چہرے اور زبان سے عیاں
 ہوتا تھا۔ کیونکہ نرمی اور تدریج کے مراحل سب طے ہو چکے تھے۔
 اس سے پہلے جب ارکان دربار سب دیسی لباس میں نمودار ہونے

لگے تو مامورین و ملازمین دولت کو تمام افغانستان میں حکم دیا گیا کہ دفاتر و دوائر میں وطنی البسہ پہن کر آئیں۔ عام رعایا کو ایک اشتہار کے ذریعے نصیحت کی گئی۔ جس میں بہت مؤثر اور رقت آور کلمات درج تھے۔ طلبہ مکاتب کو مقرر کیا کہ ہفتہ رات اپنے والدین اور اقربا کے سامنے پڑھیں اور اس کے مالی و ملی معافی سمجھائیں۔ اس موعظت کی تقویت کے لئے آلہ محضول کو بھی عاید کیا اور بیرونی امتعہ خصوصاً فیشن اور نقیش کی اشیاء پر محضول بہت زیادہ لگایا گیا۔

اعلیٰ حضرت نے اپنی ملت کو ایسے لباس اختیار کرنے کی تاکید کی۔ جس میں وقار و متانت کا استیعاب اور اسراف و خفت سے اجتناب ہو اور مختلف طرح کی بوقلموں پوشاکوں سے قوم میں تفرقہ اور اختلاف نہ ہے۔ مجالسِ بلدیہ کے ذریعے ہر شہر میں یہ امر بلاغ کیا گیا تاکہ ملت میں معنوی توحید کے سوا ظاہری یگانگی بھی سرایت کرے۔ اور سب لوگ تہذیبِ نفس و بدن سے آراستہ ہو جائیں۔

یَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا
يُؤَارِي سَؤَاتِكُمْ وَيُرِي شَأْنَكُمْ سِوَا لِبَاسِكُمْ لِيَأْتِ تَارَةً وَتَارَةً تَعْلَمُونَ

اے بنی آدم تم پر لباس نازل کیا تاکہ اپنی شرمگاہوں کو چھپاؤ اور زینت ہو۔

مزل اور مدثر میں یہ نکتہ ہے کہ حیوان اور انسان کے درمیان صرف لباس کا فرق ہے۔ کسی حیوان پر علاوہ اس کے فطری چمڑے کھال اور بالوں کے مصنوعی پوشاک مطلق نہیں۔ اور کوئی انسان بغیر لباس ہرگز انسان نہیں بلکہ لباس اس سے دُور کیا جائے تو حیوان سے بدتر ہو جائیگا۔ ہنسنا، بولنا وغیرہ آدمی میں مابہ الامتسیا ز ہیں۔ مگر کھلی اور قطعی طور پر نہیں۔ بعض جانوروں میں بھی یہ صفات ایک حد تک پائی جاتی ہیں۔ عقل اور شعور بھی ایک درجہ تک مشترک ہیں۔ بلکہ بعض حیوانات میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ صرف ایک چیز جو اگرچہ داخلی نہیں مگر انسان اور حیوان میں صاف تمیز ڈالتی ہے، پوشاک ہے۔ اور اس میں کوئی استثناء نہیں سب حیوان بجز انسان کے لباس سے عاری ہیں۔ اور جب جنگلی آدمی پوشاک نہیں پہنتا تو وہ آدمیت کے دائرے میں ابھی داخل نہیں ہوا ہوتا۔ لہذا باللباس۔ ”سارٹر ریزارٹس“ میں لباس کے متعلق آرائش کا اکتشاف کیا گیا ہے۔ جو قرآن میں پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ متمدن دنیا کے اعتبار سے اُردو اُت موقر کی پسند اور تصویب کے لحاظ سے زینت کے مقصد کو مرعی رکھا جائے۔ مصلحانِ ملل

پسماندہ کا فرض ہے کہ اس طرف بذل توجہ فرمائیں۔ اور گونا گون قطع و وضع کے کپڑوں کو جو ایک غیر مہذب قوم خندہ آور طریقوں سے دربر کئے ہوتی ہے۔ ایک خاص لباس سے مبدل کریں۔ جو حیا ادب آرام اور زیبائش پر مشتمل ہو۔ مہذب اقوام میں ایک سرے سے لیکر دوسرے تک تمام افراد کی پوشاک میں حد دکھائی دیتی ہے۔ اور ہم جو تفرقات متنوعہ کے شکار ہیں۔ لباس کے بارے میں بھی عجیب غریب پرانگی اور مدہش اختلاف کے صید بن رہے ہیں۔ ان باتوں کو جو اس آوان میں عالم اور غالب ملتوں کے نزدیک ہماری بے اتفاقی اور وحشانیت کے علائم ہیں۔ علیحضرت نے اپنی کیاست سے تاڑ کر منجملہ اور نشانات کے لباس کی اصلاح میں بھی جو عمومی ہو۔ کوشش جاری کی ہے *

عود بقصہ۔ منشی محرم کی کیفیت پڑھ رہا ہے، اور ذاتِ شانانہ دوسری باتوں میں مصروف ہیں۔ مکتب حبیبیہ کا ذکر فرماتے ہوئے جو اس وقت ایک مدرسہ عالیہ تھا، ارشاد کیا کہ اکثر طلبہ گستاخ ہو گئے ہیں۔ اور ایک معلم بھی اُن کی سرکشی کے محرک ہیں۔ اگر انضباط میں سستی کی جائے تو ایسی باتیں اور قوت پکڑ کر فساد کا باعث ہوتی ہیں۔

اس لئے ان کو اخطار کیا جائے کہ آئندہ اگر ان حرکات کا اعادہ ہوا تو سخت سزا دی جائیگی۔ یہ پہلا سال تھا اور ابھی وزارتِ معارف کی موجودہ تشکیلات عمل میں نہیں آئی تھیں، بلکہ ابھی گذشتہ عہد کا طعنہ بھی پورا رافع نہ ہوا تھا۔

۷

دیگراں دارند در ہر سر یہ یک بیتِ علوم

طالبانِ مکتبِ شہرِ فقط پنجابہ تن

ایک ہی سال میں اس مدرسے کے لڑکے جو ادھوری تعلیم پا کر غائب ہو گئے تھے۔ احضار ہو کر ڈھائی سو تک پہنچ گئے۔ اور اب اس کی مانند کئی مکاتبِ عالیہ ہیں جن کی تعداد صرف شہر میں دس اور طلبہ ساڑھے چار ہزار ہیں جو ہر سال اضعا فاضل بڑھتے جاتے ہیں۔

منشی سبکِ غذات پڑھنے کے بعد خاموش ہو گیا ہے۔ اور ذاتِ شانہ ملزم سے کچھ استنطاق فرماتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جائیگا کہ سب بیانات کو سن چکے ہیں۔

بادشاہ۔ آیا ان سب جرموں کا اقرار تم نے اپنی رضامندی سے کیا یا کسی نے زور و جبر سے کروایا؟

ملزم - صاحب ! حاکم اور قاضی نے ایک پیارے مجھے پینے کو دیا۔
اُس کے بعد مجھے ہوش نہیں کیا ہوا۔

بادشاہ - حاکم کون تھا؟

ملزم - وہی جو صاحب کی مہربانی سے موقوف ہو گیا ہے (ملزم
نے اُس کے عزل سے استفادہ کرنا چاہا)۔

بادشاہ - قاضی کی داڑھی منڈی تھی؟

ملزم - نہیں وہ ریش دار تھا۔

بادشاہ - تمہارے اظہار دیتے ہوئے اُس نے تمہیں تھپڑ کیوں

مارا تھا؟

ملزم - نہیں صاحب اُس نے تو مجھے نہیں مارا۔

بادشاہ - تم تو نشے میں بیہوش تھے کیسے آگاہ ہوئے کہ نہیں

مارا؟

ملزم ہٹکا بکا رہ گیا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ جب اُس پر قتل کا

حکم صادر ہوا تو سکوت کی مہر اُس کے ہونٹوں سے جدا نہ ہوئی۔ گویا علاوہ

جرائم کے بادشاہ کے سامنے اس نئے جھوٹ سے بھی شرمندہ تھا۔

چور کی وارنٹی میں تنکا وغیرہ ضرب المثل ہیں۔ جو ذات ہمایونی کی مودت و فراست سے نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ صرف ملزم کے اقبال پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ شہادتوں کو زیادہ وزن دیتے ہیں بلکہ سراغ رسائی کے ایسے جال پھیلا رکھے ہیں کہ سوائے پھنسنے کے مجرم کیسے راہ گریز نہیں۔ تحقیقاتِ تام کے بعد جب جنابیت پر علم و عین یقین ہو جاتا ہے تو قصاص کا حکم دیتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ اگر ملزم محکمہ شریعت میں مستوجبِ قتل ہو تو اُس کے مارنے میں مجھے تاثر نہیں ہوتا۔ مگر جب کوئی سیاسی جرم پر اقدام کرے تو باوجود نہایت تفتیش اور تدقیق کے اس کو اعدام کرتے ہوئے میرے دل میں خلش رہتی ہے۔ یہ احتسابِ نفسِ سلامتِ ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ ع

اگر خونِ بفتوئے بریزیِ واست

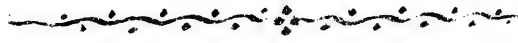
فوق الذکر حکایت سے اعلیٰ حضرت کی ذہنی اور فکری استعداد کا استنباط ہوتا ہے کہ کس طرح بیک کرشمہ دوکار کرتے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ عینِ زمان میں مختلف کاموں کو اجرا فرما رہے ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ دو وزارتوں، معارف اور تجارت کے کام اکٹھے درپیش تھے جب منشی معارف کے

معروضات پڑھنا، تو ذات شاہانہ وزیر تجارت کے ساتھ سوداگری کی تجارت پر بحث کرتے۔ جب دوسرا منشی تجارت کے کاغذات پڑھنا۔ تو اعلیٰ حضرت تعلیمی مذاکرات کرتے، اور اس اثنا میں جب کسی بات پر زور دیتے، تو منشی اس گمان سے کہ شاید اس کی قرأت پر ملتفت نہ ہوں ذرا چپکا ہوتا تو اشارہ فرماتے کہ پڑھنا جائے۔ پس اسی طریقے سے ایک وقت میں دو کام کئے اور جیسا ذات شاہانہ کا معمول ہے، ہر ایک معاملے میں نہایت چھان بین اور دقیقہ رسی سے غور کر کے فیصلہ دیتے رہے۔

علیٰ ہذا القیاس جب وزارت خارجہ کے امور میں اشتغال فرماتے ہیں۔ باوجودیکہ اس میں عین توجہ مطلوب ہوتی ہے، سب سیاستوں کو جانچتے ہوئے ضمناً دوسری وزارتوں کے ساتھ ٹیلیفون میں مخبرہ کرتے جاتے ہیں۔ اور ان سب معاملات میں کوئی تصفیہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ معقول دلائل سے مخاطب کو قائل نہ کر دیں اور خود ہر طرف سے پوچھ گچھ کر کمالاً مطمئن نہ ہو جائیں۔

نیپولین حین واحد میں دو کام سرانجام دے سکتا تھا۔ امیر خسرو جسے قلم و سخن کا پادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں تین محروں کو فارسی،

عربی اور ہندی نظم و نثر تصنیف کر کے املا کر سکتا تھا سلطان صلاح الدین
 بھی ایک زمان میں تین کام کر سکتا تھا۔ اس ایوبی بطل کا مقائسہ مستقل طور
 پر ذرا تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں *



چند نکات سیاسیات

سلطان صلاح الدین کی شجاعت اور معرفت کی عظمت اور تدبیر و بصیرت کی جتنی شہرت ہوئی ہے۔ کم ہے۔ وہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ اور ایسی مملکت کا رہنما تھا۔ جو اس سے پہلے تمدن اور تہذیب کے تخت پر منکمن تھی۔ علوم و فنون اُس کی مملکت میں ایسی ہی وسعت اور مرغوبیت سے مروج تھے جیسا آج کل یورپ کی کسی متمدن دولت میں ہیں۔ ایسی علم و فن سے آراستہ و پیراستہ قوم کا بادشاہ جو خود بھی مدرسے کا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ دول متحدہ نصاریٰ کے مقابلے میں فاتحانہ لڑائیوں میں مشغول رہا اور اُس عصر کی دول یورپ ویسی ہی تھیں جیسی آج کل اسلامی سلطنتیں ہیں۔ ورنہ اُن کے ایک بادشاہ کے لئے دشمن مسلمان طیب کی کیا ضرورت تھی۔ بخت کے آہنی قلب موضوع سے یہ عیناً ویسی ہی حالت تھی جیسا ان دنوں مسلمان بادشاہوں کو یورپی ڈاکٹروں کی حاجت پڑتی ہے۔ اس زمانے کے مسلمانوں کی طرح اُس آوان کے اہالی یورپ ابھی جہالت سے

بیدار ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ بدویت کی ظلمت میں غرق، انتباہ اور تیقظ کا دورہ بعد میں شروع ہونے کو تھا۔ اور اس کا سبب محاربات جلیبی تھے۔ یہی اسلام کا مساس اور اُس کی وحدانیت کا اساس، یورپ کی ”اصلاحِ عظیم“ کا موجب بنا۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ کیا ممکن تھا کہ مسلمان عالم و عامل قرآن اس آیت کی خاصۃً تبلیغ نہ کرتے جو اُن کے اور اہل کتاب کے مابین مساوی اور مشترک دعوت دیتی اور خدائے واحد کے سوا اوروں کو ارباب اور پیشوا بنانے کی ممانعت کرتی تھی؟ باوجود اس کے، جرمن پروفیسروں کو اس بارے میں، میں نے خالی الذہن پایا ہے۔ حالانکہ وہ تبحر معلومات کے مدعی اور اس میں مشہور بھی ہیں۔ موجودہ مسلمانوں کی محکومیت اور جہالت، اُن کی گذشتہ غالبیت اور

۱۷۱ کتاب والو ایسی بات کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ اور خدا کے سوا ایک دوسرے کو مرنی نہ بنائیں۔

منوریت کو بھی تاریکی میں ڈالے ہوئے ہے، حالانکہ صلیب کے خلاف اسلامی مجاہدوں اور ہسپانوی مسلمانوں کے اثرات کے سوا اور کونسا ممکن اور معقول محرک ہو سکتا تھا۔ جو لو تھر وغیرہ کو اَرِیَا بَاقِن دُونِ اللہ کی صورت میں پوپ اور پادریوں کے اتحاد سے مانع آنا، مگر یہ زمانِ انتباہ و صلاح“ ابھی دور تھا۔ اور سارا یورپ اودام و تعصب میں غمخور تھا +

برطانیہ جس کا عنعنہ اور طنطنہ اقصائے شرق تک نفوذ کئے ہوئے ہے، اُس وقت ادناے غرب سے یا ہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔ اور اس کا شیر دل بادشاہ صرف دوسرے اہل صلیب کے ساتھ متحد ہو کر میدانِ محاربہ میں نکل سکتا تھا۔ انگریزوں کے جوان معرکوں میں مرعوب ہو کر بوڑھوں پر صلاح الدین ٹکیس“ کا بوجھ ڈالتے اور بچوں کو اس نام سے ڈراتے تھے۔ مدنی اتفاق کے زرعی زمینے سے ہی نہیں گزرے تھے۔ تاکہ صنعت اور تجارت کی بام پر چڑھ کر شرکتوں کے آسمان میں طیران کریں۔ اس عسکری سوداگری کی ابھی اُن کے جزیرے ہی میں بنیاد نہیں پڑی تھی۔ جس کی تعمیر شرق الهند مغلوں کے محلوں کی اینٹ سے اینٹ

بجا کر افغانستان کے پتھروں سے آٹکرائی ۔

روس اس زمانے میں اپنے ملوک الطوائف کا ایک گننام اکھاڑہ تھا۔ اس کے تشتت اور تفرق میں اتحاد اور اجتماع کی علامات کہاں، اس کی ویرانی اور ابتری اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں نے ہنوز اسے فتح کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھا تھا۔ تاکہ اسلامی رسوخ اتنا قائم کریں کہ ماسکو کا سب سے بڑا اگر جا بالکل ایک مسجد کی شکل میں بنے۔ باقی یورپ کی طرح، انہی فاتحین سے تاثر اور ”انتباہ“ پاکر، روس کے ایک عظیم المرتبت زار نے، توسیع مملکت کے عزم اور ”وحیت“ کو ابھی اپنے ورثا کے ترکے میں نہیں چھوڑا تھا، جو تاج قبصری میں کیا، جامہ جمہوی میں کیا، انداز قدر سے پہچانا جاتا ہے۔ کہ بدستور بجالائی جا رہی ہے ۔

ایران میں فرقہ خورمبہ کی مشارکت زن و زمین کو الحیر اسے سخت صدمہ پہنچا تھا۔ پھر توشیرواں جیسے بیدار مغز بادشاہ نے اُسے مع اس کے تقریباً دو لاکھ معتقدوں کے نیست و نابود کر ڈالا۔ اگرچہ امام یوسف حمہ اشدر علیہ کا عدل مطلوب ہوا۔ جس نے اپنے تفقہ سے اس دیرینہ زمانے کے جھگڑوں کو قطعاً چکا یا۔ یہ حشر ہوا دنیا کی پہلی اشتراکیت

کا۔ اور اگر اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ صحیح ہے اور اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ حق اور باطل کے تمیز کرنے میں بھی سینکڑوں سال چاہئیں، ہر غیر مذہب و مسلک کا جس کا رہنما مزدکی ہو یا لنین، وہی انجام ہوگا، مگر اب تک دس کی تحیر اسل تمہوویت نے بٹھال جبال اپنے مخالفین کی امواج افواج کو مسترد کر رکھا ہے۔ حال عالم کو اشتراک کی دعوت پر دہشت ماوراء النہر میں طغیانی پر ہے، مگر اس کی لہریں ہوائی حلقے بنا کر دریا ٹھے آمو کے بیچ میں رہ جاتی ہیں۔ ہماری طرف آج عزت و امنیت بیش از پیش جاری و ساری دروان ہے۔ کیوں؟

حضرت ضیاء الملّت والدین بذات نجیب خود، راو لپنڈی میں جناب اشترائے کے ساتھ عہد و پیمان باندھنے میں مصروف ہے۔ موافقت اور دوستدارانہ گرمجوشیوں کے اثنا میں روسی سیلاب اسی آمو کے کنارے پنجدہ کو نگل جاتا ہے، اور باوجود دوڑ دھوپ،

۱۔ خدا کے نزدیک اسلام دین ہے۔

۲۔ خدا کے نزدیک دن تمہارے ہزار سال کی مانند ہے۔

احتجاج اور تهدید کے گویا ہضم ہی کر جاتا ہے، اس کی کیا وجہ تھی؟
 اعلیٰ حضرت غازی کے نمائندے اسی راولپنڈی میں اسی برطانیہ کے
 ساتھ جواب فتوحات اور جہانگیرانہ تسلط سے بدرجہا زیادہ مست و متکبر ہے
 آزادانہ معاہدہ کر رہے ہیں، اور روسی یہ کچھ باوجودیکہ برنانی غنودگی کے
 دورے سے بھوکا اٹھ کر ہر دار و دیار کو ہڑپ جا رہا ہے، بجائے
 اس کے کہ اور کسی گاؤں کو بھی بلع کر لے، اس پنجدہ کو بھی اگلنے کا وعدہ
 دے رہا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟

افغانستان پہلے خود مختار نہیں تھا، اب امان اللہ خاں کی ہمت،
 حریت، شجاعت اور فعالیت سے دولت مستقل ہے۔
 شبان ادینی امین گئے رسد بڑا کہ چند سال سجان خدمت شعیب کند
 سابق عہد میں ایک سفارت بخارا سے کابل میں وارد ہوئی جس کی طرف
 کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ لیکن ایک شہزادے نے اُس کی ترحیب و
 مدارات میں اپنی استطاعت کے موافق کوئی دقیقہ اٹھانا رکھا۔ اسی
 شہزادے نے ایک فراری کو جو اس طرف جانے پر مجبور تھا۔ مامور کیا
 کہ بخارا میں اُس کی جانب سے سیاسی خدمات بجالائے۔ مثلاً ان دو باتوں سے

قیاس و قہت باس کیا جاسکتا ہے۔ کہ بادشاہی کے دوران میں کیا مزید
 تشبہات کئے ہونگے۔ چنانچہ فوق العادہ سفارتیں بخارا اور خیوا کی طرف
 اعزام کیں۔ اور مادی تعاون سے بھی حتی الوسع دریغ نہ کیا۔ معنوی مساعی
 تو ہمیشہ جاری رہتی تھیں۔ اگر افغان بادشاہ دوسروں سے اپنے ملک کا
 استقلال منوالیتا اور غیروں سے اپنی ملت کی آزادی قبول کروالیتا تو یہی اُسکی
 عظمت اور بلندی شان کے لئے کفایت اور کفالت تھی۔ لیکن اس سے بڑھ کر
 کابل میں بخارا اور خیوا کی سفارتوں کے چھنڈے گاڑنا اور اُن کی خود مختاری کے
 لئے مجاہدیت جمیل و لوبلیغ نہ ہوئی، عمل میں لانا ایک ایسا مستحسن فعل تھا جو آفلأ
 عالم اسلام کو اُن کامرہون اور مفتون بناتا ہے۔ ع
 تانہ سوز و شمع کے پڑانہ شیدائیشود

جو طوفان خیمبر اور کرم کی پہاڑیوں سے اٹھ کر جہان کی حیرت میں افسل کے
 بلند خیالوں کے اعتراض کا مورد ہوا تھا، شاہانہ جبین پر چین بھی نہیں
 لایا تھا۔ سفید کوہ پر گھٹا چھارہ ہی ہے مگر بستی نہیں۔ کیونکہ دو تین دفعہ
 برس کر، سیلاب بن کر، کابل کو غرقاب کر کے جب لوٹنا پڑا تو بارے
 ایک قطرہ بھی واپس غنیمت ہوا تھا۔ اب تو ایک مسیحا نفس موجود ہے۔

جس نے اپنی زندہ ملت کے بعض مردہ جذبات کو بھی اجیا کر دیا ہے۔
 ٹھل ڈک اور چین کی طرف اُن کا کچھ بروز ہوا تھا۔ بعد ازاں علامہ حضرت
 غازی تفکار اور تدبیر سے معاملہ کر رہے ہیں۔

سلیماں رائگیں بود و ترادیں سکندر دشت آئینہ نو آئین
 ندیدند آنچہ مے بینی ز ایام سکندر ز آئینہ کینہ از جام
 ذاتِ شامانہ کی سیاسی عقدوں کو حل کرنے کی فضیلت اور معاوقار و متانت
 سے اسلامی اور افتخانی عز و شرف کی صیانت، اور ساتھ ہی خیالات کی
 بلندی اور روشنی اس تقریر سے ثابت ہوتی ہے۔ جو برطانوی ہیئت کے
 وداع کے وقت فرمائی تھی:-

لڑکپن سے دنیا کی ساری قوموں کی آزادی کا خواہاں رہا ہوں اور کسی
 قوم کے حقوق کا اتلاف مجھ پر شاق گذرنا رہا ہے، خاص کر جب ایسا حال میری
 اپنی سلطنت اور وطن کی کامل حاکمیت کے حقوق و آداب کے خلاف ہو،
 تو میں اسے کسی صورت میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چونکہ اس سیرج حق سے
 محرومیت کا باعث دولتِ برطانیہ کو جانتا تھا۔ لہذا اپنے تمام افکار
 کو اس کی مخالفت میں پرورش دیتا تھا، اور اب بھی افغانستان کی عزت

و شرافت کی مخالفت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی ملت کو کہا ہے کہ اس جان کو جسے میں نے اسکی خدمت کیلئے آمادہ کیا ہے اُس کے استقلال کی مدافعت میں قربان کروں گا، لیکن آج میری قوم کی ہمت سے جان اور استقلال دونو مجھے حاصل ہیں۔ اور اُس کو میں اپنی دوبارہ زندگی سمجھتا ہوں، اور اسے بھی اپنی ملت کی خدمت میں فدا کروں گا۔

بہت خوش ہوں کہ دولتِ برطانیہ نے تامل اور تذبذب کے بعد جو میری رنجیدگی کا موجب تھا، آخر وقت گزرنے سے پہلے خرم اور معاملہ شناسی سے ہمارے استقلال کو تسلیم کر لیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم اُس کے ساتھ ہمسایگی کے مناسبات قائم کر سکے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مناسبات دوستانہ نہیں ہیں، ہمسائیگانہ ہیں۔ پھر بھی اور مشکلات کے رفع ہو جانے کے بعد اُمیدوار ہوں، جیسا اعلیٰ حضرت شاہِ جارج نے تبریکِ تاریخ میں اسے عہد نامہ دوستی سے تعبیر فرمایا ہے، یہ ہمسایگی دوستی سے تبدیل ہو جائے۔

میں کسی طرح بھی عالمِ اسلام کی حسیات سے جدا نہیں ہو سکتا، پس

اگر دولتِ برطانیہ ملتِ افغان کی صمیمی آشنائی کی طالب ہے تو میرے
 خیر خواہانہ مشورے پر بیشتر توجہ کرے۔ جو میں نے پہلی ملاقات پر
 دیا تھا۔ جس دن سے دولتِ برطانیہ نے مسلمانوں کے خلاف اقدام
 کیا ہے تمام عالمِ اسلام کو اپنے سے آزر دہ بنالیا ہے۔ اس سے
 جو ضرر تمہاری حکومت کو پہنچیں گے وہ ظاہر ہیں۔ جس قدر مراعات دولت
 ترکیہ کے ساتھ کرو گے۔ اسی اندازے سے ملتِ افغان کے دل تمہاری
 جانب مائل ہونگے۔ اسے کبھی باور مت کرو کہ عالمِ اسلام تم سے
 متاثر ہو۔ اور افغانستان تمہارا دوست ہوگا۔ یا اسلامی شعائر کی
 مخالفت کرو۔ اور افغانستان کی حکومت اور باشندے بے پروا
 اور بے فکر رہیں۔

ہندوستان میں بھی اپنی حرکات پر نظر غور ڈالو۔ کیونکہ سرحدیں
 اور شورشیں اگر وہاں زیادہ ہوں تو یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ سرحدی
 خطوط مانع آسکیں۔

ہماری حدی اقوامِ عرق، جنسی اور دینی روابط کے سبب ہم
 کوئی ترقی نہیں رکھتیں۔ اپنی طرح ہم اُن کی ترقی اور رفاه کے خواہاں ہیں۔

چاہئے کہ دولتِ برطانیہ اس خواہش اور کوشش کی تائید میں جو اُن
کے لئے اور اُن کی حقیقی سعادت کے لئے کریں، روش اختیار
کرے۔

اس شانہ نطق پر تحشی کرنا گویا ”خالص سونے پر ملمع‘ سوسن پر نقش
یا قوس سنج پر ایک اور رنگ چڑھانا“ ہے۔ یہ ہے مرآتِ جذباتِ ملوکانہ
اور سلم اس پر دم نہیں مار سکتا۔ ع
صفا بر خیزد از آئینہ چوں جو ہر شود پیدا



لباس التقویٰ اور حسین لہنا

اعلیٰ حضرت غازی ایام شہزادگی میں عین الدولہ کے لقب سے مخاطب ہوتے اور رعایا کے نزدیک بہت عزیز تھے۔ اسی نیک نامی اور ہر عمر بزرگی کی وجہ سے جب حلت ثناء پر امیر سلجق الملک والدین جلال آباد جاتے تو کابل کے مرد و زن، اور پیرو برنا کی دعائیں کہ اس بیٹے کو دار السلطنت میں حکومت کا وکیل چھوڑ جائیں، قبول ہو جاتیں، تو ارشاد اور ظلم و ستم کے دروازے بند ہو جاتے، دفتروں اور محکموں میں نصفت و معدلت کی نوبت نہ جھنے لگتی، سڑکوں اور دروں میں آسائش و امنیت قائم ہو جاتی، بازاروں میں رونق اور چل پھل نمودار ہوتی، اور دکانوں میں پورا تو لنے کے علاوہ، غلیظ اشیاء کی بجائے نفیس چیزیں دکھائی دیتیں۔

ایسا بھی ہوتا کہ ایک عویدار سے کسی محکمہ میں رشوت لی جاتی، ایک خریدار کو کسی بازار میں کم یا خراب چیز ملتی، ایک دھبی رات کے راہ گذر کو سپاہی بغیر رو کے ٹوکے چھوڑ دیتا، تو علی الصبح، راہ گذر، خریدار،

اور دعویٰ دار خود عین الدولہ صاحب نکلتے اور مکار، غافل اور ظالم کو
مجازات کا مزہ چکھاتے ۔

شاہان سلف حفظہ ماتقدم سے جیسا کہ بعض پیشے سیکھتے تھے پھیس
بدلنے کی عادت بھی ڈالتے تھے۔ چنانچہ شکست کی حالت میں سعدی
ہدایت کرتا ہے ۔

اگر بر بکناری بر تن بکوش

دگر در میاں لیس دشمن ہو پوش

ایک دھعباسی، غزنوی، اور کرد پادشاہوں کی امشلہ ہیں جو رعیت کے
احوال کے استفسار اور مامورین دولت کی تفتیش کے لئے تبدیل لباس
کر کے خفیہ راتوں کو باہر جاتے تھے۔ مگر اس تکلیف اور اہتمام کی مثالیں
شاذ ہیں جس سے اعلیٰ حضرت غازی اُس پر اقدام کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ
تعجب آتا ہے کہ باوجود سلطنت کے دیگر کثیر مشاغل کے محبہ اللہ ہم
فعالیت سے اُس کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ بعض صوفیا اور
سوفسطائیوں کا نظریہ ہے کہ ذوات کبار کے وجود میں ہزاروں نفوس
کے قوامودع ہوتے ہیں۔ جس سے وہ اسی قدر تعداد کے موافق کام

کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت باوصف رسمی درباروں اور امور وزارت کے، اس کے لئے بھی فرصت پیدا کر لیتے ہیں کہ تغیر پوشاک کر کے کوچہ بازار اور دواڑ و دہات میں چکر لگائیں اور بکرات و مرآت ایسی گردشیں کرتے ہیں۔ عام علم صرف اسی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ مصلحتاً اپنے تئیں پہنچنوائیں یا احیاناً پہچانے جائیں، جو نادرواقع ہوتا ہے یا بعد میں خود اظہار کریں۔ جب کبھی دورے پر جاتے ہیں۔ تو گاؤں میں پھرتے ہوئے معمولی لباس میں کوئی نہ پہچانے تو اس ناشناسی سے استفادہ کر کے مختلف طرح کی باتیں اپنے اور دوسروں کے متعلق پوچھ کر وہی مطلب نکال لیتے ہیں۔ جو لباس بدلنے سے حاصل ہوتا ہے ۛ

جب پہلی دفعہ سمت مشرقی تشریف لیگئے تو جلال آباد میں بھی کسی کو آگاہ نہ کر کے موٹر پر سوار ہو کابل کے نزدیک ایک گاڑی کرائے پر لی۔ البتہ موٹر گاڑی کی خصلت سے گاڑی گھوڑے کی قیمت اس کی کمائی اور اس معاملے سے جو سرکاری یا عام سواروں کے ساتھ پڑتا ہے، پوری واقفیت حاصل کر لی ہوگی۔ پھر کابل کی گلیوں میں آنے جانے والوں کے ساتھ بات چیت کی۔ بازاروں میں سے ہوتے

ہوئے بعض دکانوں سے کچھ چیزیں خریدیں۔ بعد ازاں کچھریوں میں
 مامورین کو کام کرتے ملاحظہ کیا۔ اور اُس کی اطلاع تب ہوئی جب قاضی
 وغیرہ پر اس لئے جرمانہ ہوا کہ محکمے کے وقت میں غیر حاضر تھے ۛ

جب قندھار تشریف لے گئے تو کابل میں ناگہاں آوارہ ہوئے۔
 جب مراجعت کر آئے تو بے خبر قندھار میں جا پہنچے۔ ایک عرضی نو لیس
 کے پاس بیٹھ کر فوجی بھرتی کے متعلق بہت مفید معلومات حاصل کیں۔
 ایک مکتب میں جا کر اُس کے انتظام کو مشاہدہ کرنے لگے۔ تو ایک طالب علم
 نے آپ کو پہچان لیا۔ فوراً شاہانہ آداب سے سلامی کی رسم بجالائی گئی۔
 یہ چھ سات سو میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے کر کے بیشمار ضروری خبریں
 ہم پہنچائیں۔ ان تنہائی کے گشتوں میں یہ خیال نہ ہو کہ ذات شاہانہ
 کسی اندیشے میں ہوتے ہیں بلکہ جیسا آپ کے ہر فعل و عمل کا حال ہے۔
 اس میں بھی پوری احتیاط اور انضباط کو مد نظر رکھ کر پہلے سے حفاظت
 اور شناخت ہونے کے بعد بادشاہی اعزاز کا لحاظ کر لیا جاتا ہے ۛ

یہ گمان بھی نہ ہو کہ میلے کچیلے کپڑے پہننے کے عادی ہیں، البتہ
 ان سے عار نہیں کرتے اور ملی فوائد کی خاطر خوشی سے اس تنزل کو قبول

فراتے ہیں۔ شہزادگی کے زمانے میں اپنی والدہ ماجدہ علیا حضرت کے امتیاز کی وجہ سے نسبت دوسرے شہزادوں کے زیادہ ناز و نعمت کے مواقع آپ کو میسر تھے۔ اس لئے ہر قسم کے البسۂ فاخرہ پہن چکے ہیں۔ باوجود اس کے ان نظرات کو جو شرق کے ساتھ منسوب ہیں۔ پسند نہ کر کے زوائدِ غریبے بھی نفرت رکھتے ہیں۔ پھر بھی چونکہ لباس مفید و مزین جیسا کہ پہلے اشارہ کر چکا ہوں، ناگزیر ہے، شامانہ توجہ سے دور نہیں رہا۔ بالاپوش امانیہ نے جو آپ کی اختراع ہے چیسٹر فیلڈ وغیرہ کو مات کر دیا ہے :

آپ کی عادت اور حسنِ فِاتی، تکلف سے بری ہے۔ جب تک کپڑا پہننے اور دھلنے سے پھٹ نہ جائے دوسرا نہیں بدلتے۔ ایک دفعہ مامورینِ دولت کی تنخواہیں بڑھانے کی عرض تقدیم حضور ہوئی۔ اپنی گھسی ہوئی آستین دکھا کر کفایتِ شعاری کی موثر ترغیب دی۔ ڈیڑھ کروڑ افغانوں کے خود مختار بادشاہ جن کے باپ نے چار ہزار جوڑے اپنے بیش قیمت البسہ کے چھوڑے تھے، جن کے مخازن سے لاکھوں روپے کی خلعتیں سپاہ و رعایا کو سالانہ عطا کی جاتی ہیں، ایسے شعار اور ایثار میں رہ کر وہ محبتِ دلی ہاتھ میں لاتے ہیں۔ جو سلاطین کو عموماً نہیں ملتی، اور جوہِ مٹ ائم حاصل

کرتے ہیں جو بادشاہوں کو جاہ و شمت سے عارضی طور پر نصیب ہوتی ہے۔ اسی سے تاویل ملک سلیمان علیہ السلام قابلِ طبعان ہو سکتی ہے ورنہ
 هَبْ لِيْ مَلِكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ وعاۓ نفس چوری ہے
 جو شانِ پیمبری سے بعید ہونی چاہئے۔ حضرت سلیمان البتہ اپنے ایشارے سے
 کام لے کر یہ تمنا کرتے تھے کہ ان کی سلطنت بہت بڑی ہو اور بے شمار
 رعیت سب آرم میں رہے اگرچہ وہ خود محنت اٹھائیں اور ظاہر ہے کہ
 بادشاہ کی زحمت کے مطابق مدت کی راحت متصور ہوتی ہے۔ اس محنت
 اور زحمت کو دوسرے کے لئے روا نہیں رکھتے تھے۔ جو مشہور سلیمانی شکوہ
 کے ساتھ خود گوارا کرتے تھے ۛ

آب در کشتی ہلاک کشتی است آب در بیرون کشتی پستی است

یہی سبب تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پیوند یافتہ پیرا ہن کے ساتھ
 قیصر و کسریٰ سے کربا اور بعد میں شاہانِ عظیم الشانِ مسلمان سے طوعاً و خراجِ تعظیم
 تسلیم وصول کرتے تھے ۛ



ۛ: مجھے ایسا مانعِ جویرے بعد کسی کے بھی لائق نہ ہو (یعنی ہر کسی کی شان سے بلند ہو) ۛ

حق تعالیٰ پر قناعت اور ایثار و سخا

ایک مشہور و معروف ولی عالم نے ہاروں شید کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اسے زائد کے خطاب سے جو چند دفعہ یاد کیا تو امیر المومنین نے اپنی تزک و حشام کو دل میں لا کر کہا کہ یہ لقب آپ کو زیب دیتا ہے۔ جواب ملا کہ تم نے دنیا پر قناعت کی ہوئی ہے جو متاع قلیل ہے اور میں عقبے کو جو اس سے بسا بہتر ہے نظر میں نہیں رکھتا۔ ہمارے پٹھان بادشاہ کا زہد کس قبیل سے ہے؟ کوئی بھی طنز سے نہیں کر سکتا کہ آپ اس جہان کی لذتوں کی پروا کرتے ہیں یا ان پر قانع ہیں بلکہ آپ کا مفکورہ غالبہ ایسی وسعت کو احراز کئے ہوئے ہے جو رضائے خالق اور اس کی بندگی کو دربر لئے ہوئے ہے۔

عبادت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

شیخ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معراج کا بلند ترین ذرہ شفقتِ خلقت

کو قرار دیا ہے ♦

ذاتِ ہمایونی جشنوں کے مواقع پر مملکت کے مختلف دواڑ کی روئداد اور اپنی نج کی کارروائی خود بیان فرمایا کرتے ہیں۔ جلوس کے پانچویں سالانہ جشن میں تشکیلاتِ سابقہ و لاحقہ پر مبسوط تذکرہ کرتے ہوئے اور ان میں اپنے کام کے متعلق اظہار دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ سوائے اتنے گھنٹوں اور اتنے دقیقوں کے باقی سارا وقت اس برس میں نے ملت کی خدمت میں صرف کیا ہے۔ اتنی غفلت کی معافی چاہتا ہوں اور اگر اس سے زیادہ کوئی ثابت کرے تو میں مانوڑ ہوں، اور اپنا ماتھ کاٹ ڈالوں گا (تائیدِ شدید کے لئے مروج محاورہ ہے) ♦

اعلیٰ حضرت بیت المال سے اپنے اخراجات کے لئے کبھی ایک حبہ اور پسیہ تک نہیں لیتے۔ بلکہ عینِ مال سے جو بادشاہ کی ذاتی ملکیت ہے۔ بڑی گراں بہا بخششیں اور عطیے دیتے رہتے ہیں۔ بنی اُمیہ، تغلق اور مغلیہ میں سے ایک ایک بادشاہ ایسا گذرا ہے جو بیت المال سے یا محض اپنے کفاف کیلئے کچھ لیتا یا اس سے بھی پرہیز کر کے اپنی محنت سے جیسے مصحف نویسی، کلاہ دوزی وغیرہ روٹی کمانا۔ چین میں بھی ایک دھ

بیت المال سے کچھ نہ لانا بلکہ دینا

بادشاہ ایسا ہوا ہے۔ مگر جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا اُن کے مدبر حکیم نے قبل المسیح یہ دلیل پیش کی تھی کہ ایک عالم یا معلم تنخواہ لے اور وہ جائز سمجھی جائے، تو بادشاہ جس کا فریضہ یہ ہے کہ تمام حکام کو معدلت سے منحرف نہ ہونے دے اور سب معلموں سے نوجوانوں کو صحیح اور مفید تعلیم دلوائے، اگر اپنی روزی خود کمانے میں مصروف ہو تو آیا اپنے اداۓ فرض میں قاصر نہیں رہیگا؟ لہذا بادشاہ کے لئے خزانے سے اپنے مصارف کا تہیہ کرنا نہ صرف روا بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ جتنے وقت میں وہ اپنے لئے مجدا اکتساب کریگا، خلق خدا اُس کی اتنے وقت کی توجہ سے آباد اور اتنی ہی بے توجہی سے برباد ہو سکتی ہے۔ اس نکتے کے ادراک نہ کرنے سے کتنے نیک دل متورع اور خیر خواہ رعایا بادشاہ خود اپنی روزی کمانے کے درپے ہو کر اتنے وقت خلقت کے احوال سے غافل رہے، اور کتنے مورخ اُن کے اس تنگ نظرانہ تقوے کو استحسان کی نگاہ سے دیکھتے رہے! جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی ذاتی ملکیت بیت المال کو ہبہ کر دی تھی۔ یا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی میں جنہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ جو کچھ بیت المال سے اُنہوں نے وظیفہ

لیا ہے۔ وہ اُن کے شخصی مال سے واپس دیا جائے، ذات ہایونی بیت المال سے مدد نہیں لیتے۔ اور اپنے عین المال سے تھوڑا خرچ کے لئے رکھ کر باقی ملت کے کاموں میں اور خیرات میں اعانہ و صدقہ دیتے رہتے ہیں* عمرو بن عاص کے حکومت سے عزل کا منجملہ اور وجوہ کے ایک یہ سبب تھا کہ خلافت کے دستور العمل کے خلاف ایک وقت میں دو قسم کا طعام تناول کرتے تھے اگرچہ انہوں نے طبیب کی تصدیق پر مرض کا عذر پیش کیا تھا۔ افغان بادشاہ بلا اجار اپنے اختیار سے صرف ایک طرح کا کھانا ایسے احتفاظ سے کھاتے ہیں۔ کہ امرائے روم باوجود دو قسم کے اطعمہ کے جو ہزاروں طلوع سے تیار ہوتے تھے۔ اس ایک کھانے پر لاکھ رشک کھاتے۔ وہاں اُن کے قصور کے نیچے فاقے کی فراہمیت تھی اور یہاں اپنے ہر فرد ملت کے ساتھ مساوات کا لطف حاصل ہے۔

۱۔ افغانستان میں عموماً لوگ سب کے سب ایک قسم کا کھانا ایک وقت میں کھاتے ہیں۔ البتہ اگر زیادہ کھائیں تو بیمار ہوتے ہیں جس کی ممانعت کے لئے یہ ضرب المثل ہے کہ سب سیری سے مرتے ہیں۔ کسی نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی بھوک سے ہلاک ہوا ہو۔ یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ افغانستان میں باوجود دھائی لاکھ مربع میل رقبے اور ڈیڑھ کروڑ نفوس کے قحط سے کبھی کوئی آدمی تلف نہیں ہوا۔ اس لئے ہندوستان کے بعض صوبوں میں ایسی بدبختانہ واردات کی طلاع سے افغان بہت متاسف اور متعجب ہوتے ہیں*۔

اسی وجہ سے وہ اصحاب جن کو واحد خوراک شاہانہ میں شریک ہونے کا فخر ملتا ہے آپ کی خوش طبعی سے محفوظ ہوتے ہیں۔

میزبانے کے زخود سیر کند مہماں را

چہ ضرور است کہ آراستہ دارد و خواں را

اس سے امر مباح میں سخت گیری کا گمان نہ ہو۔ میز ملکات پر متعدد قسم کے طعام موجود ہوتے ہیں۔ اور خود بعض اشخاص کو جن پر نظر عنایت ہو۔ اور یہ ارزانی لائق اور صادق خدام پر ہی ہوتی ہے، کوئی لذیذ کھانا خود پیش فرماتے ہیں، اور دوسروں کے التذاذ سے خود ایک ہی نوع کے طعام سے خوش ہوتے ہیں۔ میں کبھی سیل مرغ وغیرہ کے کباب خاص طرز سے تیار کروا کے نذر کرتا ہوں تو مہربانی کی تواضع سے فرماتے ہیں کہ جب اس طرح کا دوسرا کھانا مل جائے تو کیسے چھوڑا جائے۔ البتہ اگر اس کی اطلاع پہلے ہو جاتی ہے تو صرف یہی تناول فرماتے ہیں۔ بیشک کھانے کے بعد میوہ نوش جاں کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اشتراک ملت ہے۔ وبائے ہیضہ میں جب میوے کی عام مانعت کردی گئی تو اگرچہ ذات شاہانہ پیغمان تشریف رکھتے تھے جو مرغ سے بالکل خالی تھا، پھر بھی

میوہ خوری سے کنارہ کش رہے۔ اور جب تک کہ شہر کے باشندوں کو پھلوں کی اجازت نہ ہوئی آپ کی میز پر بھی ان کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ ایک ٹیٹس اور سینیکا قدیم یورپ کے دو موصد حکیم، ایک فقیری میں دوسرا وزیر میں، سخت بستر پر سوتا پسند کرتے تھے۔ حتیٰ کہ سینیکا جب ثروت میں بادشاہ سے بھی بڑھ گیا تو اُس کی ماں نے مجبور کیا کہ لکڑی کے تختے پر چمڑا بچھالیا کرے۔ کبھی علیحضرت کی والدہ ماجدہ بھی ایسا ہی اصرار فرمایا کرتی ہیں۔ مگر زیادہ نہیں کیونکہ افغان ماں اپنے بچے کو بہادر اور زحمت کش بنانا چاہتی ہے۔ ہمارا جہ بکرماجیت اور سلطان محمد فاتح اپنے سامان بود و باش کی قلت کے لئے ممدوح و محمود ہیں۔ پٹھان بادشاہ نے طبعی حکمت سے یہی سادگی اور مشقت اختیار کر رکھی ہے کبھی آدھی رات کو دماغی کاموں سے سخت تھک کر جب حرم سرائے جاتے ہیں۔ تو بے تحاشا ایک لمبی توشک پر جو دیوار کے ساتھ بچھی ہوتی ہے بیچس ہو کر لیٹ جاتے ہیں۔ اور سر کی طرف کے حصے کو دہرا کر کے تکیہ بنا لیتے ہیں۔ اور پاؤں کی جانب کو اٹا کر لحاف کی طرح اوڑھ لیتے ہیں۔ ایک انگریز بادشاہ نیند نہ آنے سے تنگ آکر کسانوں کو اپنے پر فضیلت

دیتا تھا۔ جو ڈھیلے کو سرتلے رکھ کر چین سے سو جاتے ہیں۔ مگر جو بادشاہ انہی کسانوں کی خاطر ان سے بارہ جا بڑھ کر محنت کشی اور مشقت یکیشی اختیار کرے تو ماندگی سے شیریں خواب بھی اُس کے نصیب ہوتی ہے، لیکن اعلیٰ حضرت جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے بیدار مغز ہی سے شب بیدار بھی ہتے ہیں۔

ۛ

ہم عالم گرفت از نیک رائی چینیں با شربلے ظل الہی
نہ شد غافل ز خصم گاہی نیست نخبہ شرط شاہشاہی نیست

سیانہ رومی اور کفایت شعاری میں اپنی شانمانہ مثال پیش کر کے غنیمت اور علما کو قولی اور فعلی دعوت دیتے ہیں۔ بیت المال کو حسب الارشاد نبوی ﷺ و سلم یتامیٰ کے پیسے کی طرح اس احتیاط سے خرچ میں لاتے ہیں کہ بقرار ضرب مثل اس کے طلبے اپنی خبر آپ رکھتے ہیں۔ مامورین دولت کی رہنمائی کے لئے کبھی خود ٹھیکہ داروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ مثلاً ایک فہ اجارہ دار کے ساتھ ڈاک لیجانے کی گاڑیاں کرایہ لینے پر ایسا تاجرانہ مباحثہ کرتے رہے کہ بصدائق حدیث عرق بجھیں ہو کہ خرید و فروخت کا پورا حق ادا کیا۔ اسی طرح داخلی اور خارجی اشخاص کے ساتھ جب کبھی

لین دین کرتے ہیں تو اپنے ملازمین دولت کو تباہ دیتے ہیں کہ وجیبہ بیت المال بوجہ احسن یوں بجالایا جاتا ہے ۛ

اگرچہ باقیات مالیات کو جو مفلسوں اور محتاجوں کے ذمے رہ جاتی ہیں معقول معاذیر پر تخفیف کرنے اور بخشش میں مبادرت کرتے ہیں لیکن ان لوگوں سے جو باوجود استطاعت کے قرض بیت المال کے تادائے میں سہل انگاری کرتے ہوں، 'لو شہزادے'، 'سردار'، 'خوانین اور بڑے آدمی ہوں'، بڑی شدت سے وصول کرنے کے حکم نافذ کر رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ کام انقسام پا چکے ہیں۔ اور باقیات وصول کرنے کے جدا ادارے ہیں۔ مگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ ذات ہمایونی کی والدہ ماجدہ، 'ملکہ معظمہ'، برادران بزرگ یا اور شاہی مقرروں کے ملازم جو ان کی مالیات ادا کرنے میں غفلت کرتے ہیں تو جرم مانہ ہوتا ہے۔ جس میں مالکان اراضی کا نام داخل ہوتا ہے اور اس سے اعلیٰ حضرت کو آگاہی ہو جاتی ہے یا کرائی جاتی ہے۔ تو قانون کی تمیل میں کوئی استثناء روا نہیں رکھتے۔ نَاعِدُوا لَوَاوِلُوْكَانَ ذَا قُرْبٰی ۛ

اگر کہوں کہ افغان بادشاہ کی سخاوت عاتق طائی سے سبقت لے گئی ہے۔

ۛ عدل کرد اگرچہ قریبی ہو ۛ

تو نظرِ امعان اُسے تعجب سے نہیں دیکھے گی۔ کیونکہ یہاں سب جو دو اکرام دُور اندیشی، روشن فکری، اور پاؤں دارِ منفعت ملی پر مبنی ہیں۔ لاکھوں روپے عینِ اِمال سے معارف کو دئے جاتے ہیں۔ طلبہ کے یک رنگ لباس بنائے جاتے ہیں، اداراتِ لیبیہ میں اُن کو رختِ خواب اور طعام دئے جاتے ہیں، اور یتیم لڑکوں لڑکیوں کے لئے مکاتب میں خوراک و پوشاک کا انتظام ہوتا ہے۔ اگر کوئی خوب نظم سے ذاتِ شانانہ کو خوش کرنے کا زعم کرتا ہے تو خوب تر نثر سے اُس کو خورم کر دیتے ہیں، ہزاروں روپے ملک کی مادی و معنوی آبادانی سے کمال کر ایک شاعر کی جیب میں نہیں ڈال دیتے، یا ایک متخیلانہ همان نوازی سے خاصہ گھوڑے کی گردن نہیں مارتے جو ایک ضربِ امثل سخی کو زیبا ہو مگر موجودہ متمدن زمانے میں اقتصاد کے شایان نہیں ۛ

سابق عہد میں قبیلہٴ جلیبہٴ محمد زائی کے ہر فرد کو بیتِ اِمال سے معین واجب ملتے تھے اور قوم شاہی کی امداد میں اس طرح بیس لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ صرف ہوتا تھا۔ خزانہٴ خلافتِ راشدہ سے بھی ہر متنفسِ عرب کو ایک رقم ملتی تھی مگر قریش کو اس میں اختصاص نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرتِ غازی جن کے سب کام اعتدال اور صلاح کی نیت سے جاری ہوتے ہیں۔ اپنے

خاندان کے ارکان اور قبیلے کے اعیان کو مدعو کر کے ارشاد فرمایا کہ بیت المال ملت افغان کا مشترک حق ہے۔ اس میں میرے خوشاوند خاص حصہ نہیں رکھتے اور نہ ہی مجھے اس میں کچھ امتیاز ہے۔ البتہ مجھ پر واجب ہے۔ کہ تمہاری سرپرستی کروں۔ اور بے بضاعت اطفال کو فارغ التحصیل ہونے تک پندرہ روپے ماہوار دوں، ناخوان جوانوں کو عسکری تنخواہ کے علاوہ جو اور سپاہ کی طرح خدمت کے عوض بیت المال سے لیں گے۔ سات روپیہ ماہوار خود ادا کروں، ماسوا اس کے تمہارے محتاجوں کی اعانت میں کوشش کروں، مگر سب کو بیت المال سے تنخواہ ملنا ایک توییکاری اور مستی کا موجب ہے۔ دوسرا ناجائز ہے۔ اس لئے آئندہ لیاقت اور استحقاق کے بغیر دودمان شاہی کو موجب مناصب نہیں دئے جائیں گے۔ یہ جلوس کے پہلے ہی سال کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد شاہی خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کو حسب استعداد ماموریتوں پر مقرر کیا۔ تاکہ ایفائے ذلیفہ کے بغیر بیت المال پر ہفت بار نہ ہوں۔ اپنے چچا سردار غلام علی خاں کو مدیر نفوس بنایا۔ پھر دو سیکرچا سردار محمد عمر خاں کو ایک ممبر بیت پر مقرر کیا۔ چونکہ افغانستان میں سب کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔

جو گرامیں روزانہ آٹھ گھنٹے تک طول کھینچ جاتا ہے۔ اس لئے بعض شہزادے جو پہلے زحمہ کے عادی نہیں تھے البتہ گھبرا ئے، مگر سب نہیں کیونکہ آخراں کی رگوں میں بھی افغانی خون ہے۔ اور اپنی خود داری کے سوا جو اس عہد میں صرف کام سے ہے، 'فاتِ شانہ کی مثال ہر وقت غیرت دلاتی ہے۔ سردار محمد کبیر خاں چھوٹے بھائی کو پہلے ڈاک خانوں کا مدیر اور جب وہاں تجربہ حاصل کر چکے تو مدیرِ مستقل طیبہ بنایا ہے۔ جو وزارت کے مساوی ہے۔ برادر بزرگ سردار حیات اللہ خاں کو پہلے وزیرِ معارف اور پھر وزیرِ عدلیہ مقرر کیا۔ علاوہ براں ان کے ساتھ ہمیشہ ادب سے پیش آتے۔ اور ملاقات کے لئے اکثر ان کے ہاں جلتے ہیں +

اور خان جس نے سلاطین عثمانی میں پہلے سکھ چلایا اپنے بڑے بھائی علاء الدین کے ساتھ جس نے یورپ میں پہلے نظام فوج بنایا، محبت اور عزت برتنا تھا جس کی یاد کو امان اللہ خاں نے تازہ کیا ہے۔ سردار عنایت اللہ خاں کی تعظیم میں بادشاہی کرسی سے سرفرد اٹھنا اور چند قدم آگے بڑھ کر ان کو احترام سے پاس بٹھانا اور دائیں خاطر و مدار کرنا وہ شبیہ صدق و صفا ہے جو علی الرغم اعدا، افغانستان کے شانہ آزم و امان کو

مشید و مستحکم کئے ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی اپنے بڑے بھائیوں کی تکریم اور
چھوٹوں کی تربیت میں اتنی صمیمیت اور استقامت سے کوشاں ہیں کہ
اس بارے میں اکثر ترکی سلطانوں سے ختلاف رکھتے ہیں۔ کیونکہ افغان
بادشاہ کا عقیدہ حقانیت پر ہے۔ اور اس کے زور سے حکومت کرتے ہیں۔
اور اقتضائے حق یہ ہے کہ بقدر استحقاق سب کے حقوق ادا کئے جائیں۔
چنانچہ علاوہ مالی اور معنوی امداد و اعانت کے اپنے رشتہ داروں کی شادی
و ماتم میں ایسی شمولیت کرتے ہیں۔ جو غمخواری اور ہمدردی کی عوام و خواص
میں بہترین مثال بن گئی ہے۔ اپنے اقارب کی مراعات و پاس خاطر کے
باوجود، دربار میں عدالت اور مساوات حکم فرما ہے۔ وزراء جو ترتیب درجہ
میں بلند تر ہیں، کوئی کسی قبیلے سے ہوں، اونچے بیٹھتے ہیں۔ قوانین کی
تعمیل سب پر علی السوویہ واجب ہے۔

سخاوت کے بارے میں مہاجرین کی امداد کا ذکر مناسب ہے۔ عین
المال سے پندرہ ہزار جرید زمین عطا کی تاکہ اس سے متاثر ہو کر ملت جدا
مناصرت کرے۔ نقد جنس اور اراضی جو بیت المال سے ہندی اور سرحدی
مہاجروں کو دی گئی قیمت میں ایک کروڑ روپیہ کو پہنچتی ہے۔ جو افغانستان

کے عسکری، عرفانی اور عمرانی مصارف لمحوط خاطر کئے جائیں۔ اور خیر الامور کی اوسط کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ تو مبلغ مزبور سے تجاوز ایک طرف افراط اور دوسری جانب تفریط ہو جائیگا۔

شریعت میں طلبہ علم اور مجاہدین کی اعانت مساوی طور پر مشکوٰۃ ہے بناءً علیہ ذات ہمالیونی نے معارف اور عساکر و نو طرف متوجہ ہو کر بذل مال کیا اور چونکہ مدادِ شعلہ کو خونِ شہید پر ترجیح دی گئی ہے، زیادہ امداد معارف کو پہنچائی گئی۔ بدو امر میں قصرِ شہر آرا کو مع اُس کے بیش بہا سامان کے مدرسہ حبیبیہ کے سپرد کر کے بعض سیاحوں کو جو اُس کے برج پر چڑھتے تھے جہاں ادارہ مکتب واقع تھا۔ یہ کہنے کا موقع دیا کہ اس سے زیادہ عالیشان اور نفیس مقام شاید ہی دنیا میں کسی سگاہ کو نصیب ہو! مکتب باغ کی وسیع اور متین عمارت کو مکتبِ حریہ کے حوالے کیا۔ پھر جوں جوں تعلیم پھیلتی گئی شاہی محلات کو تخلیہ کرتے گئے۔ کیونکہ کم از کم رفعت و وسعت اور زیبائش میں ان سے بڑھ کر موزون جگہ مکاتب کے لئے نورِ امیا نہیں ہو سکتی تھی۔ مکتبِ امانیہ کے لئے اور مکتبِ امانی کے واسطے جو واحد مدعا کے لئے جو ان کے نام سے ظاہر ہے، جدا جدا افراسوی اور جرمنی اساتذہ کے

ادارے میں تاسیس ہوئے۔ بڑے بڑے بادشاہی محل خالی کئے گئے۔
 ان مکتبوں کو جاری ہوئے اب نو سال ہو گئے۔ اس لئے عرفانی مقتضیات
 کے موافق نئی عمارتیں تیار ہو گئی ہیں ۛ

مکتبہ امانی جدید تعمیر میں منتقل ہو گیا ہے۔ جو بڑے حشام و ہتھام
 سے بنائی گئی ہے۔ اس کے متصل بڑی عظیم الشان مسجد تیار ہوئی ہے۔
 جہاں علاوہ خطبہ نہتہ تاجیہ پڑھنے کے رات کو اعلیٰ حضرت نے نفیس نفیس
 نائحہ انوار کی جماعتوں کو خود سبق پڑھانا شروع کیا۔ شاہانہ جدوجہد کا کیا
 ٹھکانا ہے کہ باوصف لوگ ان مشغولیتوں کے تعلیم کے سہل طریقے
 بھی اختراع کرتے ہیں پھر ان کی تدریس میں خود مصروف ہوتے ہیں ،
 اور مکتبوں اور مسجدوں کے نقشے درست کرنے کے علاوہ معماروں کو
 ہر وقت تاکیدیں کر کے وہ کام جو برسوں میں انجام کو پہنچتے، اپنی موثر
 توجہات سے مہینوں میں ختم کر دیتے ہیں ۛ

وہ باپ دادا کی حرم سرائے جہاں مسلح پہرہ رہتا کوئی اور نزدیک نہ
 پھٹک سکتا تھا، چونکہ بہت وسیع و مینع محلات پر مشتمل تھی، شخصی تعیش
 سے کمال کر حکومت کے دائرہ کو تفویض کی۔ بندر دیواریں گرا کر اس کے

باغیچوں کو مرقع عام بنا دیا۔ اور اب وہاں چند وزارتیں اپنا وظیفہ ادا کرتی ہیں۔ کوٹھی باغیچہ جو اپنے نقش و نگار کی وجہ سے ایک تصویر اور نفاست کی پتلی ہے وزارت معارف کو دی گئی تاکہ وہاں میوزیم قائم کیا جائے اور اب اس میں افغانی تاریخی اشیاء کے علاوہ جو موجودہ بادشاہی خاندان کا باعث فخر و مباہلات ہیں، افغانستان کی اسلامی اور قرونِ اولیٰ کی تاریخ کے آثار عتیقہ رکھے گئے ہیں اور آٹے دن کی حضرات سے عجیب و غریب اضافہ ہو رہا ہے *

ان چند مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ذاتی اور خصوصی لذتوں اور راحتوں کو ملت پر نثار کرتے ہیں۔ اور اس اشارے سے یہ ثبوت دیتے ہیں کہ ملت اور دولت کے امور میں تفریق روا نہیں رکھتے جو جمہوری حکومتوں کا خاصہ ہے۔ روس میں زاروں کے قصور اور سرمایہ داروں کے محلات سب حکومت کے قبضے میں آکر دارالفتون میوزیم اور سرکاری و عمومی دوائر بن گئے۔ مگر اس تغیر سے سخت خنپڑ رہا ہے۔ کیونکہ ان کے سابق ملک وطن میں یا باہر حسرت اور انتقام کی نظر سے اس عصب کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ افغانستان میں یہ تبدلات بادشاہ کی اپنی

دلی فیاضی سے ظہور میں آئے ہیں۔ اس لئے وہ تفرقہ جو دوسرے حد سے زیادہ آزاد ممالک میں نمودار ہوا۔ یہاں حدت اور اس عقیدت کے سبب ہو گیا جو جاپانیوں کو اپنے بادشاہ کے ساتھ گویا ازل سے چلی آئی ہے۔

سب سے بڑی عمارت جو امیر سراج الملّت والدین نے اپنی عمر میں بنوائی قصر دلکش ہے۔ جو اب دولت قلت اور سلامتی جشنوں کیلئے کشادہ ہے۔ اگر جمال پاشا معذور اور انور پاشا مرحوم کی رسم تعزیت وہاں ادا کی گئی تو فتح سمرنا کی تہریک و تہنیت بھی وہیں بجالائی گئی۔ چونکہ اب عیدوں کے دربار اسی میں ہوتے ہیں۔ اس لئے دولہی چوڑی شاہی عمارت سلام خانہ خاص و سلام خانہ عام ایک مکتب رشیدیہ استقلال کو دی گئیں۔ کیونکہ اس میں اعلیٰ حضرت غازی نے اعلاں استقلال کیا تھا اور دوسری میں سماجاری کیا۔ اور صحتہ تمثیل بنایا۔ تاکہ لوگ دنیا کی ترقی کا تماشا دیکھیں اور اخلاقی و ملی قصوں سے ہوش اور جوش میں آئیں۔

اب تو پنجمان میں کافی عمارتیں تیار ہو گئی ہیں۔ پہلے پہل سب قصو

ومحلات سرکاری ورسمی کاموں میں لائے جاتے تھے۔ اور ذاتِ شامانہ ایک محل میں مع خاندان شاہی کے ایسی تنگ جگہ میں رہتے تھے جہاں ایک متوسط درجے کا آدمی تنگ آجاتا۔ مگر آپ خوش دلی سے ذکر کرتے تھے۔ کہ شاہ خانم کے صندوق برآمدے میں پڑے ہیں :

ایک سال پنہان میں جو شتائیبہ کے اعتبار سے بڑی پُرفضا وادی ہے، مع وزارتوں کے تشریف لے گئے تاکہ برفوں سے دور سرگرمی سے کام کر سکیں۔ آپ مع سردار عنایت اللہ خاں اور سردار محمد کبیر خاں کے عائلوں کے صرف سات کمروں میں رہتے تھے۔ اور باقی حکومت کے کاموں کے لئے علیحدہ کر دئے گئے تھے :

اسی سفر میں جو البتہ سینکڑوں بادشاہوں نے طے کیا ہے آنکھوں اور بن آنکھوں کی کہانی دہرائی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے معلوم کر کے کہ کابل سے پشاور کی طرف یہ استہ سب سے زیادہ قطع کوتاہ ہے۔ فوراً حکم دیا کہ ایک مکمل پختہ سڑک تیار کی جائے جو اب بہت سی بن چکی ہے :

سخاوت اور ایثار کے ذکر سے پہلے زہد کا بیان تھا۔ جو عیش و

عشرت اور خوراک و پوشاک کے سامان کی قلت پر قناعت کرنا ہے۔
 بشرطیکہ کثرت اور فراوانی پر انتظار ہو۔ ورنہ ع
 گداگر تواضع کتد خوئے اوست

ہر کم ہمت اور سست آدمی قانع اور زاہد ہو سکتا ہے۔ مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ۔ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ۔ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ
 ذَالِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ۔ اسی بڑی بھاری فضیلت کے حصول
 کے لئے وہ اقدامات جو اپنی ملت کی تعالیٰ و تقدم کے لئے اعلیٰ حضرت نے
 جاری کر رکھے ہیں کہاں رغبت و فرصت دیتے ہیں کہ ذاتی آسائش و
 آرائش کا خیال کریں۔ بوٹ کا تلا پھٹ کر جدا ہو رہا تھا مگر نیا بدلنے کی
 پروا نہیں تھی۔ مخیرانہ شباب میں لباس سے بے اعتنائی موجب تعجب
 ہے۔ اس طرف اشارہ کر کے ایک متعلم نے سالانہ جشن مکتب میں یہ اشعار
 پڑھے تھے۔

کہ دیدہ است دریں بیکنار سالِ اخیر؟ کہ پاؤں لکھنجامہ چوں گداز پلاس

۱۔ ان میں کوئی اپنے پر ظالم ہے۔ کوئی میا و رو ہے۔ کوئی خوبیوں میں بڑھنے والا ہے۔
 یہی بڑی بزرگی ہے۔

چشم حیرت خوردیدہ من اے دم
 کپارہ بود ز بس کنکیش جیب لباس
 شہاد و چیز گہبان ملت وطن است
 جزاں آہر نچہ بگویند وہم ان قیاس
 نخست عسکر و دوم معارف است یقین
 کہ خصم جہل نیار و سجدہ مکس
 ز بسکہ فہم و ذکاے تو ہر دور کافی است
 ازیں معاملہ اہم نیست ہیچ ترس ہراس
 ازیں مسیحہ مشوغرہ و ہنوز بکوش
 بکار ملت خود صرف کن تو او حواس

یہ انتباہ سن کر اعلیٰ حضرت نے حسب قاعدہ ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ اور بقرارِ محاورہ
 فرمایا "چشم" اور حضار کو مخاطب کر کے کہا کہ طلب علم ہی ایسی نصیحت کی محرک
 ہو سکتی ہے :

یہی پٹھان بادشاہ درباروں اور رسمی موقعوں پر شاندار اور مکمل لباس میں
 جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اور ایسی آن بان اور زیب زینت کا نظارہ تجسم کرتا ہے
 کہ معلوم نہیں طبع کی وجہ سے یا مجلس کی وجاہت سے نظر خیرہ پڑتی اور
 آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ باغ یا بر میں جو عمومی میلوں کے لئے وقف اور
 آراستہ کیا گیا ہے۔ شہسوار افغان ترک کی ٹوپی میں نمودار ہوا۔ جو اپنوں اور
 بیگانوں کی نگاہ میں ایسی پھبتی تھی کہ کسی نے آپ کو خلانت کے لئے
 موزون بتایا بلکہ اس کی تحریک بھی کرنی چاہی۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت غازی

صرف قوتِ اسلامی کا ایک کرشمہ دکھاتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کوئی مدعا نہیں تھا۔ اسی طرح دولِ اسلامی کے ساتھ انعقادِ معاہدہ کے وقت عام مجمع میں سیاہ پگڑی باندھ کر آئے جو افغانہ کی ایک علامت ہے۔ اسی رنگ کی دستار کے ساتھ باقی افغانی لباس حکیم، اور چلی میں سمت مشرقی وغیرہ کے پٹھانوں کو ایسا مفتون و مجنون بنا دیتے ہیں کہ وہ غیروں کی کوتاہ بین عقل اور انکی دیوانگی کے الزام سے افغان بادشاہ کے ایسا پر سر دینے سے جی نہیں چراتے

کہ مرنہ دائی لوننتوب راہیری کمائی

افلاطون غندی بہ ممر و مگراہ

افلاطون حکیم تھا پر صراطِ ستقیم پر سے نہ گذرا۔ اسی طرح اگر موجودہ قتلوں کی حکمت پر سرحدی افغان روش پکڑیں تو اپنی آزادی سے چاہئے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ پھر ان کی ذلت کی زندگی گمراہی کی مرگ ہے جس سے بچنے کے لئے وہ معزز پاگل ہی بہتر ہیں۔

افغان بادشاہ کی اپنی ملت کے ساتھ شیفتگی ہے جو ان کو ترکی، ازبکی، ترکمانی، اور افغانی البس میں آشکارا کرتی ہے، اور ملت کی اپنے بادشاہ کے ساتھ فریفتگی ہے۔ جس کو آپ کی ہر وضع اور شان بھاتی ہے،

خواہ بادشاہی لباس میں ہوں۔ مع مرصعوں تمغوں اور نشانوں کے، خواہ فوجی
 مٹی اور معمولی پوشاک میں ہوں، یا لمبی ڈاڑھی کے ساتھ بھی پسیدے ہوں،
 چونکہ مقصد رعایا کا تفقید احوال ہے خواہ کسی حال میں ہوں، ملت حریت
 کی رُوح پھونکنے والے کو، اپنی رُوح و رواں پہچانتی ہے
 بہ رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
 من اندازِ قدرت را مے شناسم



حسانت بیانیہ وی ہسٹفت

آسٹریا کے ایک بادشاہ نے اپنی سلطنت کے آغاز میں عسکریم بالجزم کیا کہ جب تک اپنے ملک کو قوی اور متوازن بنالوں عورتوں کی صحبت سے کٹی پر ہیز کرونگا۔ پس شہر سے باہر خیمے گاڑ کر اہل دربار کو بھی گھروں میں جانے سے روک دیا۔ ایک سال یہی ثبات رہا۔ جب فرانس سے جس لطف کا ایک وفد آیا تو ان کو شہر میں ٹھیرایا اور پیغاموں کے ذریعے مرادہ جاری ہوا۔ جب اس سے مطلب براری نہ ہوئی۔ تو بعض اعیان کو ان کے پاس بھیجا اور کچھ خود درپردہ چلے گئے۔ بادشاہ کے حضور میں اہل سفارت کی خوبیوں کا چرچا ہونے لگا۔ ع

بسا این دولت از گفنا خیزد

تھوڑی مدت کے بعد شہر کے اندر پھر زن و مرد اکٹھے بارگاہ ملوکانہ میں پیش و عشرت کرتے نظر آنے لگے۔

بادشاہ آرتھر کا افسانہ بھی اس سے کم سبق آموز نہیں۔ جب ہدواتقا

حد سے زیادہ بشری طاقت سے بڑھ کر محکم کیا گیا تو گردِ مینہ ہی سے بلکہ
ملکہ اور سپالار سے فیضِ شمع شروع ہوئی۔ تاکہ ٹینین نے کہا: ع
گرہِ سخت خود بخود گلد

ہر چند اعلیٰ حضرت غازی محنت و مشقت کو اپنا لازمہ قرار دیکر دوسروں
بھی ایسی ہی فوق العادہ خدمات کے متوقع ہیں۔ لیکن قانونِ فطرت کو مقدم
اور مسلم جان کر اپنے اور دوسروں کے تفریح و تفرج کے سامان مہیا کر کے
خلافِ طبیعتِ عمل پیرا نہ ہوئے۔ حنات میں ثابت قدم رہ کر بلکہ سبقت
لے جا کر ملت کو بھی اس میں شائق اور سابق بنایا۔ مگر ساتھ ہی چمنِ حضورِ
اور چار باغ میں روشن سیرگاہوں کا اہتمام کیا اور مستورات کے لئے
شہر کے اندر ایک وسیع چار دیواری والے باغ میں نزہت کی جگہ مقرر
کی۔ اور عیدوں پر بعض دن باغ یا بر کو ستر کے اہتمام کے ساتھ اُن کے
لئے مخصوص کیا۔

حکمائے یونان اعتدالِ مزاج کو محال قرار دیتے ہیں۔ اور ایک
رومانی حکیم کہتا ہے کہ کسی عادت میں افراط آسان ہے! اس کا ترک مشکل
لیکن زیادہ مشکل اُس کا اعتدال میں قائم رکھنا ہے۔ جو ذواتِ کبار دینی

مدنی یا فنی امور میں موقفانہ اصلاحات کرتے ہیں وہ طبع اور عمل میں معتدل
و متوسط ہوتے ہیں۔ قصدِ اسبیل سے منحرف اور جادہ جائز پر گامزن نہیں
ہوتے ۞

جب اعلیٰ حضرت نے اریکہ آرا ہوتے ہی ایسی مجددانہ تشبہات شروع
کیں جن میں شبانہ روز فعالیت مطلوب تھی تو جو اشخاص آپ کو شہزادگی
کے زمانے میں پورا نہیں پہچانتے تھے، عہد سابق کے تلخ تجربے سے
قیاس کر کے سرہلاتے تھے کہ شبات اور پایداری جو ترقی اور کامگاری
کے لئے لازم ہے ایک زمانے کے بعد معلوم ہوگی۔ اب برسوں کے
بعد جو ذاتِ شہریاری کی استقامت اور جراری، انتظام و انصرام،
عرفان و عمران، اور وطن و ملت کی حفاظت خود مختاری میں روز افزوں
مشاہدے میں آئی۔ تو معترضوں اور مخالفوں کے دل میں بھی شائبہ شبہ
نہ رہا۔ بلکہ آئے دن نئی نئی امیدیں باندھنے لگے ۞

علاوہ ان صفات کے جسے شیکسپیر نے شایانِ شانِ شاہانہ سمجھا ہے۔

یعنی عدل، صدق، عفت، ثبات، جود، استقامت، رحم، تواضع،
خفایت، تحمل، شجاعت اور صبر، افغان بادشاہ چند فضائل اور بھی کہتے

ہیں، ایثار، حریت، مساوات، مواخات و وطنیت اور ملتیت جن کی وجہ سے صالح روشن فکر اور بہادر افغان آپ کی اطاعت میں عقیدت دلی سے مواظبت برتتے ہیں۔ اور اپنے مال و جان کے تند فیہ کو شامانہ قدم غیرت لزوم پر اپنی سعادت جاوداں سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے امان اللہ خاں کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ ورنہ عمر کے لحاظ سے تیسرے شہزادے تھے اور ان کے چچا نائب السلطنت بھی موجود تھے جن کی چند روزہ امارت نے فروغ نہ پایا ہے

بصدق کوش کہ خورشید زاید از طلعت
کہ از دروغ سیاہ روئے گشت صبح نخست

ان میں اور کسی دوسرے میں وہ شامل نہیں تھیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ سردار نصر اللہ خاں نے استقلال کے بلند خیال کو دل میں نہ لاکر اسی سائیہ حمایت کو غنیمت جان لیا اور اس کا اعلان کر دیا تھا اور دوسروں نے بھی اس کو قبول کر لیا تھا۔ مگر ملت افغان بڑی باریک بین اور طبعاً آزاد ہے۔ مدتوں بیگانے کی پرچھائیں دیکھ کر گھبرا رہی تھی۔ سب کی آنکھیں شہزادہ عبد اللہ اولہ پر لگ رہی تھیں، مگر افغانستان چونکہ مستقل نہیں تھا۔ باہر کے لوگوں کو

اس کے اندرونی حالات معلوم نہیں ہوتے تھے یا جس عینک سے وہ دیکھتے تھے وہ اور کسی کو پیش کرتی تھی ؟

جب شاہجہان نے راجہ جسر تھ کی طرح یہ ارادہ کیا کہ کسی کو یوویا ولی عہد مقرر کر کے اپنی باقی عمر خلوت و عبادت میں بسر کرے تو سعد اللہ خاں آصف الدولہ کو شہزادوں کے امتحان پر مامور کیا۔ داراشجاع اور مراد نے ایک دوسرے سے سبقت لیجا کر وزیر کی رضا جوئی اور تملق میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ مگر تیسرے شہزادے اورنگزیب نے اپنے نفس پر اعتماد کر کے پورے استغنا سے کام لیا تو آصف الدولہ نے مدبرانہ دوراندیشی سے اسی کو منتخب کیا۔ جب شاہجہان نے خود رانی کی رانی کیلکٹی سے دیکر راچندر جیسے پسندیدہ اوصاف ہونہار شہزادے کو روکیا۔ تو وزیر نے احتجاج کر کے اس انتخاب سے سبکدوشی کا فرمان حاصل کر لیا۔ جب عالمگیر نے کشت و خون کے بعد تخت طاؤس پر قدم رکھا تو پہلے آصف الدولہ کو بلا کر سب فتنہ و فساد کا ذمہ وار ٹھہرایا کہ اُس نے سلطنت کے مستحق کو نہیں پہچانا تھا۔ اُس نے فرمان دکھا کر بریت پانی ؟

سعد اللہ خاں افغان تھا۔ اور ضرب المثل کی رُو سے تماشا بین کو چالیس

وزیروں کی سی عقل ہوتی ہے۔ افغان اپنے شاہ کے تجربے اور فرست
 سے سمجھ گئے تھے کہ بادشاہ کی استحقاق کسے ہے۔ اور انجام کار غلبہ اسی کو
 ہوگا۔ کارزار کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ اور بغیر جھگڑے اور مجادلے کے
 سب نے اعلیٰ حضرت غازی کے سامنے تسلیم خم کر کے مجتہدا بیعت کر لی۔
 اس جلوس کی یاد میں ہر سال ایک عایشان جشن ہوتا ہے۔ جو اگرچہ
 عین سرمایہ واقع ہوا ہے مگر سب لوگ گرمجوشی سے اسے مناتے ہیں۔
 چونکہ یہ اشعار اس عہد کا سچا خاکہ کھینچتے ہیں اس لئے تخت نشینی کے
 تذکار پر درج کرتا ہوں۔

رعیت افغان مین از فشار راست	سراپا امان جن را شہر یار است
فتادہ اگر در زمستان جلوسش	ز عدل شہ ما خزاں ہم بہار است
چہ سوز و چہ غم و چہ زجر دریں عہد	بسا زوبہ سیر و باجر دو چار است
چو زائل ز اشجار شد سایہ غیر	نضارت بہر برگ باغ آشکار است
حمیت بر آور نعم البدل را	کہ اینک حمایت ز پروردگار است
دروزان مردول ملک افغان	بتمکین جبروت کوہ وقار است
بگلزار حریت و رفعت حق	ہمہ قوم ما نخل و سرو شعار است

شتریک سرورش نوائے نهر است	بشاد بانی این چمن شاه شیدا
ز شاهان سابق سابق سوار است	بمیدان ترفیع و ترفیع ملت
بدل با هم این شاه ذی اقتدار است	شها اند تنها بتن با مسلط
و گرنه بهر حال با اختیار است	حقوق رعایا یا احسا ادا کرد
ترقی و عزاز و عظمت شکار است	بابر و غم و ثبات و کمالش
بدامان حبیب صغار و کبار است	گل و در علم و فن از جودشاهی
بفرزندئ معنویش قنار است	جوانان مرهون عسکران شه را
براه وطن همچو برق و بخار است	دماغ و دل عالم عامل حر
سر و مال ملت بعبت تار است	بخدمت شاه و غیران غازی
که مبنی بعلم و عمل اعتبار است	بعلم و عمل باد معمود عمرت

بر آ و نما جلوه از شرق و در غرب
که انظار آفاق در انتظار است

قیدیوں کے ساتھ سلوک و اصلاح محسن

ماموں رشید خدام کی خطاؤں سے اتنا درگزر کرتا کہ زبان گستاخی دراز کرتے تو جواب دیتا کہ تمہاری بد خلقی سے اپنی خوش خلقی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ عفوِ جرائم میں اتنی لذت محسوس کرتا کہ اسے گمان ہوتا گویا سارا اجر دنیا میں حاصل ہو کر عقیبے کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

اعلیٰ حضرت غازی ان معاملات میں جو اُن کے اپنے وجود کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں رورمرہ خدمتگاروں کی کوتاہیوں پر انعامِ خیر کرتے ہیں بلکہ کبھی آپ کی برو باری اُن کے تغافل و تکاسل پر حیرت انگیز ہوتی ہے۔ جنہوں نے گزشتہ عہدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس حلیم ہمایونی کو نعمتِ عظمیٰ جانتے ہیں۔ اور بار بار موقعِ شکر ان پاتے ہیں۔ یہی وہ شیوہ ہے جس سے خادمانِ حضور تہ دل سے فخلص مداح اور جاں نثار بن کر اس فرانسوی مقولے کی تردید کرتے ہیں جس کی رو سے پیش خدمت اپنے مخدومِ بطل کی صمیمی تعظیم بجا نہیں لاسکتا۔

معمولی قصوروں کو معاف کرنا اور عالی نظری سے اُن کی پروا نہ کرنا یا شفقت سے ان کی اصلاح کے درپے ہونا البتہ نیکروں کو اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر اُن میں وفا اور رستی پیدا کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ سعد اللہ خاں جس کا ذکر ابھی آچکا ہے ایک دن نماز کے بعد جو دعا مانگنے لگا تو اس کا آخت تمام نہ دیکھ کر ایک لنگوٹے یار نے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ غریبی سے ذریری کے درجے کو پہنچے اب کیا بادشاہی کی تمنا کرتے ہو۔ تو جواب دیا کہ وفادار نوکر نہیں ملتا اس کی التجا کر رہا تھا۔ اس کے لئے شاید اس صدق و صفا کی ضرورت ہے۔ چونکہ ذواتِ عظام کو بھی نصیب ہوتی ہے۔ اور جس کے مقناطیسی اثر سے سچے لوگ نہ صرف دوست بلکہ چاکر بن جاتے ہیں۔ سب سے بڑی مثال اس مسئلے میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آپ کے اصحاب کرام کی گرویدگی کے علاوہ، ایک خادم اس خیال سے بیقرار ہو کر رونے لگا کہ دنیا میں تو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہے۔ عقبیٰ میں جہاں خالق تعالیٰ کے لقا کے سوا تمام زمانے کے بڑے بڑے اشخاص بلکہ اُمّیں آپ سے ملنے کی خواہاں ہوں گی تو مجھے

یہ نعمت وہاں کیسے میسر ہوگی۔ یہ شان نزول ہے اس آیت کا وَمَنْ يُطِيعِ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ خ.....
شہزادگی کے زمانے سے اعلیٰ حضرت قیدیوں کے رہا کرنے میں
التذاذ عفو پاتے تھے۔ چونکہ ان میں سے اکثر جرم کی میعاد سے زیادہ
محبوس رہتے تھے۔ بلکہ کسی شبہ پر موقوف ہو کر بلا اثبات خطا مدتوں چرے
گلنتے مٹرتے تھے۔ تو ان کو آزاد کر کے انعام دیتے اور سردیوں میں
پوستینیں بخشتے تھے۔ اسی ترحم کو عہد بادشاہی میں بڑے پیمانے پر
جاری کر کے ہزاروں کو رہائی عطا فرمائی تو کچھ لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ
عنایات نئی سلطنت میں محض استمال قلوب کے لئے ہو رہی ہیں۔ مگر وہ
بیخبر تھے کیونکہ اعلیٰ حضرت تحقیقات کر کے صرف بیگناہوں کو چھوڑتے تھے۔
اور البتہ ان کی تعداد مع ایسے مجرموں کے جو اپنے گناہ سے کہیں زیادہ سزا
بھگت چکے تھے، بہت زیادہ تھی۔ دوسرے بدستور قید میں رکھے
جاتے بلکہ اسی اثنا میں سات آدمیوں پر ڈاکے اور قتل کے ثبوت جو

۱۔ جو خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے وہ ان لوگوں کے
ساتھ ہوگا جن پر نعمت ہوئی ہے ۛ.....

ہم پہنچے تو ان کو توپ سے اڑانے کا حکم دیا گیا۔ اب یہ مجازات بہت نادر الوقوع ہے ۛ

پہلے عہد میں اس طرح کی سزائیں دی جاتیں مگر مجرموں پر اثر نہیں پڑتا تھا یا منعکس ہوتا۔ اور وہ انتقام سے الہ انخصام کی طرح اشد اقدام کرتے۔ اس لئے کوئی رات نہیں گذرتی تھی جو شہر میں چوروں سے فریاد کی صدا بلند نہیں ہوتی تھی۔ ولاوردزد چراغ بکف رات کو روز روشن بنائے پچاس ساٹھ کی تعداد میں پایہ تخت پر داخل ہو کر ایک مشہور آدمی کو اس کے گھر میں گولی سے مار کر رنوجکڑ ہو گئے سینکڑوں قطاع الطریق سوداگری کے اموال کو اونٹوں پر لدا پہاڑوں پر لے غائب ہو جاتے تھے۔ باہر کے شاہی محلات میں شیخوں ڈال کر ڈاکو گرہاں بہا متاع ہاتھ میں لا کر اور اس طرح آراستہ ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھواتے تھے۔ معصوم بچے گلی کو چوں میں ذبح کئے جاتے تھے۔ ان سیکاریوں کی کالی رات میں افغانوں کی قسمت کا چاند چڑھا اور اس کے عدل و علو سے ظلمت کے آثار محو ہو گئے ۛ

پہلے سال جنابیت پروردہ مجرموں کے قلع و قمع کے لئے توپ

کی سزا استعمال کی گئی۔ دوسرے برس سے مجازات کے لئے اور اقسامِ اعدام پر عمل کیا گیا۔ چھٹے سال ایک سخت پیاکانہ قتل کے وقوع پر اس کی طرف مراجعت کی گئی۔ بعد ازاں اب تک دوسرے ممالک کی طرح سزائیں دی جاتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور طرح کی عقوبتیں جو حاکم کی رافر و تگلی مزاج پر منحصر تھیں۔ قلمرو افغانستان سے یک قلم منعدم ہو گئیں۔ وضع قانون کے وقت اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ آغا اپنے گھر سے کسی کے ساتھ خفا ہو کر غصے میں باہر نکلتا ہے۔ اور مدعی یا مدعا علیہ کو جو بھی پیش ہو۔ لکڑی چٹھری لات، لٹکے وغیرہ سے پٹوا کر نیم جاں کر دیتا ہے۔ استحصال کی غرض سے بھی یہ سزا دی جاتی تھی۔ اب یہ حیثیت قانوناً ممنوع ہے۔ اور کوئی بھی کسی کو بدنی مجازات نہیں دے سکتا۔ الا ان جرموں کے لئے جن میں شریعت نے دُرے کی حد مقرر کی ہے۔ مہذب طریقے سے اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ فرانس وغیرہ میں یہ موقوف ہے۔ مگر بعض مجرم سوائے اس کے اور کسی طرح کی مجازات کی جوابدہیت ہی نہ رکھتے ہوں تو ان کے لئے چارہ کیا ہے۔ افغانستان میں انہی خاص صورتوں پر اس کا اعادہ ہوتا ہے۔ دفعۃً حاکم و محکوم فرشتے نہیں بن سکتے۔ شیطان کے سواروں

پیادوں، مکروں فریبوں کو قیامت تک ملت دی گئی ہے۔ اَجَلِبْ
عَلَيْهِمْ حَرْبٌ بَخِيلِكَ وَرَجِلِكَ ۞

ایک غزوے کے جریان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض شتر بانوں
کو جو کفار مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ پکڑ کر اُن سے دشمن کا حال دریافت
کرنا چاہا۔ جب انہوں نے بیخبری کا اظہار کیا تو شکنجے میں کھینچ کر اُن سے
کچھ باتیں معلوم کیں۔ جب مخبر صادق کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ سچ کہنے پر
اُن کو عذاب دیا اور جھوٹ کہنے پر اُن کو رہا کیا ۞

ذاتِ شامانہ نے استنطاق یا بھج کے سب ذریعوں کو جو گذشتہ
سلطنتوں میں مختلف اشکال میں استعمال کئے جاتے تھے قطعاً متروک
کر دیا۔ اگرچہ امریکہ میں مزدوروں پر اور جاپان میں سیاسی مجزوں پر اب تک
قرون و عہد کی یہ عقوبتیں عائد کی جاتی ہیں ۞

پہلے پہل وہ مجرم جو قین فنانہ میں تیل داغ وغیرہ کے متعود تھے۔
ان عذابوں کے رفع ہونے سے کچھ دیر ہوئے۔ مگر قصور ہی عرصہ
میں جب اُن کے بیانات سے صفرا و کبرا بن کر انہی کے اظہار سے ان کے

۱۔ ان پر سواروں اور پیادوں کے ساتھ لشکر کشی کر ۞

اقرار کا نتیجہ نکلا۔ تو خطا کار کیفر کردار کو پہنچنے لگے۔ اور بہت سے بے گناہ رستگار ہوئے۔ جو عذابِ ادنیٰ سے بچنے کیلئے کئی بیخبر لوگوں کو مع اپنے عذابِ اکبر کے منہ میں دیتے تھے۔ علاوہ براں یہ آلاتِ استنطافیہ ایک بڑا ذریعہ ارتشا کا تھا جو شاہانہ فکرِ رسا سے الغا ہو گیا۔

بیشک امیر سراج الملت والدین کا نام سیاہ چاہ کو زندانوں کی فہرست کے کالنے کے سبب تاریخ میں روشن ہو گا۔ مگر اس سے بدتر مصیبتیں باقی تھیں۔

۱۔ قین و فانہ۔ زمین میں ایک پٹھا ہوا کبلا گاڑ کر پاؤں کا تلا اُس کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا پھر پھٹی ہوئی جگہ میں ادب رخ رکھ کر ہتھوڑا مارا جاتا۔ اگر ملزم اقرار نہ کرتا تو متواتر ضربوں سے ناخنوں کے نیچے سے فصہ کی طرح کئی رگوں سے خون کی دھاریں نکل پڑتیں۔

تیل داغ۔ کڑھائی میں جب تیل کھولنے لگتا تو بھاڑ کو اُس میں ڈبو کر ننگے بدن پر چھینٹے ڈالے جاتے۔ مطلب حاصل نہ ہوتا تو کئی دفعہ بلکہ کئی دن ان عقابوں کا اعادہ کیا جاتا۔ ایگمبھی سر پر رکھی جاتی جس سے فوراً کھال اتر جاتی۔ ہر روز پانچ سو بلکہ ہزار چھڑیاں لگوائی جاتیں۔ ماؤف مقامات پر دوبارہ زخم سے جو درد ہوتا اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

اخیر میں بجلی کی مشین کا بھی استعمال شروع کیا گیا تھا۔ جس کی جدت نے چندے ہمیت ڈالی تھی۔ مگر ثابت قدم مرتے دم تک اقبال نہیں کرتے تھے خلیفہ عباسی کے دربان نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو عقابوں کی سزا کے قتال سے یہی نصیحت کی تھی اور کابل میں قائل کو خر اور منکر کو زکمتے تھے۔

مثلاً قیدیوں کو مع زنجیر اور بیڑیوں کے، ایک شہتیر میں پاؤں ڈالے ٹکائے رکھنا، جس میں حلقہ دار میخیں گڑی ہوتیں اور دو میخوں کے درمیان ایک قیدی کے پاؤں رکھ کر لوہے کی سیخ ان حلقوں میں ڈال دی جاتی۔ ہر وقت ہتکڑی کا پڑے رہنا، ذرا خیال میں لائیے کہ طہارت میں مانع ہے!

علاوہ براں قید خانہ اپنے سخت اور نرم غذاؤں کے ساتھ رشوت کا ایک کھلا دروازہ تھا۔ جہاں سے بے تحاشا روپیہ آتا تھا۔ جب ایک شخص تاریک اور مناک حجرے میں پسوؤں اور کھٹلموں کا شکار ہوتا۔ اور کھانے کے لئے کچی اور مٹی بھری سوکھی روٹی پاتا تو سر کی خاطر زر سے گزر جاتا۔ اور گھر بیچ کر بھی اپنی تھوڑی بہت آسائش خریدتا۔ اس کے متعلق ضرب المثل تھی کہ عامل خود رشوت دیتا ہے۔ ع

وگر نہ سنگم بزور بتاند

ہم لوگ افغانستان میں قید تھے کیونکہ تعلیم اور اصلاح کے لئے ”جاں نثاران ملت“ کی ایک جمعیت تشکیل ہوئی تھی۔ جس کے چند اعضا ^(۲۶) ^(۱۳) ^(ہجری) توپ سے اڑائے گئے۔ ان کے بھائی بند جن کو ہمارے ساتھ کوئی راہ و رسم نہیں تھی۔ نیز محبوس ہوئے۔ ان میں سے ایک لوہے کے بوجھ

میں دبا ہوا آدھی رات کو اٹھ کر خواب میں بے محابا پڑھنے لگا۔

بندی را بس بود ز ولانہ ایں ہمہ بخیر در زنجیر چہیت؟

اس کی تعبیر اگرچہ بضع منین کے بعد کلی مگر کیسی سچی نکلی۔ اب بندیوں کے ان کے جرم کے مطابق ایک ہی پاؤں میں بیڑی ہوتی ہے اور مجرم کے رشتہ داروں کو بالکل اذیت نہیں دی جاتی۔ لَا تَنْزِدْ وَأَنْزِدَ وَنَزَدَ آخِرَ۔ جن خیالات

اور جذبات کی وجہ سے ہم گیارہ برس قید میں رہے۔ اُن سے بدرجہ اعلیٰ وفضل ذات ہمایونی نے میدانِ عمل میں براز کر دکھائے۔ ہمارے محبس کی سرگزشت اتنی طویل ہے کہ اُس کے لئے ایک جدا مجلد درکار ہے جو دلچسپی، عبرت اور عجیب و غریب واقعات سے خالی نہیں ہوگی۔ میں سودا کے ایک شعر پر ہنسا کرتا تھا۔

آزادگی بکنج اسیری نہی رسد در گوشہ نفس خطر و خوف نام نیست

جو خوف و خطر ہم پر طاری رہتے تھے اُن کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کبھی یہ حالت ہوتی تھی۔

تیرے ستم نفس میں بھی صیاد کم نہیں
اب بے دانہ دنیا بھی تو نے بھلا دیا

دس سال کے بعد بجائے اس کے کہ اتنی مدت کافی سزا خیاں کی جائے، رات دن ہتکڑی ڈلوادی جو پھانسی کا مقدمہ ہوتا ہے۔ اگر خود شہید نہ ہوتے تو ہم ہو جاتے۔ اعلیٰ حضرت غازی نے میری عرض پر اس بندی خانے کو جہاں اخیر میں ہم محبوس تھے، درست کروا کے، مکتب میں تبدیل کر دیا۔ اور خود عام محبس میں مکتب تاسیس کیا گیا۔ جہاں علاوہ مدرسے کی پڑھائی کے صنعت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ یہ میری عاجزانہ کوشش تھی، باقی امور محبس میں بہت سی اصلاحات عمل میں لائی گئیں، نظام نامہ مرتب ہوا۔ اور ممالک مستمندہ کی طرح توقیف اور محبس کے قاعدے جاری کئے گئے۔

جلوسِ بکت شوکت مانوس

ایک نظر اس وقت پر بھی ڈالنی مناسب ہے۔ جب امان اللہ خاں تخت پر بیٹھے۔ اٹالی کی معنوی خوشحالی کے ساتھ ظاہری فارغ بالی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دفعتاً غلے اور دوسری اشیاء کا رخ گھٹ گیا۔ گوشت جو لوگوں کی خاص خوراک ہے اور حکومت کی بیجا بندشوں کی وجہ سے کئی کئی دن ہاتھ نہیں لگتا تھا۔ قراوانی سے ملنے لگا۔ گھی جو سرکاری رعایتوں کے سبب سوائے ستونی الممالک کی دولت سرے کے اور کسی جگہ اور وہاں بھی ہر کسی کو نہیں ملتا تھا۔ گویا عصائے موسوی یا چوبِ طلسمی سے ایسا منہجر ہوؤا کہ بنیوں، بقالوں کی دکانوں میں ڈھیروں پڑا دکھائی دینے لگا۔ ایسی

احوت کا مہینہ جو فروری کا اخیر ہوتا ہے کبھی اتنا سرد نہ رہتا ہے کہ گھی وغیرہ نہیں گھسکتا۔ کابل میں ضرب المثل ہے کہ حوت اگر حوتی کند موش را در قتی یا در حقیقی کند چیتھی ہندی ہے جہاں چوہیا کیلئے پناہ برف سے زیادہ ملک ہو سکتی ہے۔ پھر بھی سردی کی شدت سے وہاں چھپتی ہے کابل ندرسی میں پانچو سے زیادہ ہندی لفظ مروج ہیں جن کو میں نے الگ کتاب میں جمع کیا ہے۔ اتنے ہی ترکی کلمات ہیں جو زیادہ تر قاف کے حرف سے پہچانے جاتے ہیں۔

کثرت سے برف پڑی جسے لوگ قدیم زمانے کی برکات سمجھتے تھے۔ کیونکہ ضرب المثل سونے سے برف کی چاندی کو بہتر قرار دیتی ہے۔ اگر پہاڑوں پر برف نہ ہو تو دریاؤں اور نہروں کا پانی کہاں سے بہے پیرانی کہانیاں دہرائی جانے لگیں کہ ازرانی کا انحصار بادشاہ کی نیت پر ہے ۛ

باوجودیکہ انقلابِ روس نے اس طرف کی تجارت کو مختل اور معطل کر دیا تھا۔ اور ہندوستان کی جانب سے بھی جنگِ استقلال نے صادرات و واردات کو بند کر دیا۔ تجارتِ تَخْشُونِ کَسَادَہَا۔ گرانی اور پریشانی کا اندیشہ لاحق ہو سکتا تھا۔ لیکن کسی مال و متاع میں کوئی بھی قَدَت ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ خرید و فروخت کا بازار بیش از پیش رونق و فروغ سے گرم ہوا ۛ گھر میں روزن اگر اس ارادے سے نکالا جائے کہ اذان کی آواز یا

مظلوم کی صدا آئے تو عبادت یا اعانت کے لئے باہر جانا ممکن ہو، معا ہوا اَوْ رَضِیَا خَوْدِ بَخْوَدَ آجَائِیْگی۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُونْکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ لَیَجِدُوا فِیْکُمْ غِلْظَةً۔ اس حکم کی تعمیل بدیں غرض کی گئی کہ ملتِ غیر کے یوغ سے سبکدوش اور دولتِ مستقل ہو۔ جب اعلیٰ حضرت نے اس پر ممتورانہ ہمت

۱۔ ان کفار کے ساتھ جو تم سے نزدیک ہیں لڑائی کرو اور تم میں درشتی پائی جائے ۛ

وحیت سے عمل کیا تو ضمناً اور فوائد بھی مرتب ہو گئے۔ جو بذاتِ خود بہت
مہم و مقدم تھے۔

سلطان غزنوی کی وفات پر اس کے بیٹوں میں لڑائی ہوتی ہے اور
جنگ ایک اندھا نہیں ہوتا، دوسرا اطمینان سے حکومت اور جاگیر نہیں
کر سکتا۔ ہمایوں اور کامران کے درمیان کابل چارخوزیز جنگوں کا مقتل و
مصرع بنتا ہے۔ پانچویں لڑائی میں ہمایوں کامران بن کر اس بھائی کو
نابینا اور مکے کی طرف روانہ کرتا ہے۔ شہید باپ کی نقش کے سامنے
بایزید یلہ متاج اپنے سر پر نہیں رکھتا۔ جب تک دوسرے بہادر بھائی
کو بھی شہید نہیں کر ڈالتا۔ بھائیوں کے محاربات کی وجہ سے استنبول
اس طرح ہاتھ سے نکلنے کو تھا کہ تسلطِ تیموری سے نہ نکلا تھا۔ تاکہ ایک
بھائی دوسروں کو مقتول کر کے سلطنتِ عثمانی کا بانی ثانی بنتا ہے۔ ترکی
سلاطین سے مغلیہ بادشاہوں کی طرف کیوں جائیں۔ تیمور شاہ کے بعد
بھائی بھائی کا تنازع تھا۔ جس نے افغانستان کو سکھوں اور انگریزوں کا
جولانگاہ بنا دیا۔ اس کے بعد امیر کبیر کو اپنے بھائیوں کے ساتھ اور اس
کے بیٹوں کو ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان دیکھئے۔ جب تک

کشت و خون سب کو ہلاک اور فرار اور ایک کو غالب قرار نہیں دیتا۔ ملک
 میں آرام و امن پائدار نہیں ہوتا۔ بیشک امیر ضیاء الملت و الدین کے بعد
 دو بھائیوں میں مفاہمہ ہو گیا۔ مگر ایسا تثبیت عمل میں نہ لایا گیا۔ جس سے
 ملک دوسری دولت کی مادونی سے نکل کر دول کے زمرے میں شمار ہونے لگتا۔
 اگر سردار نصر اللہ خاں کو جیسا کہ سردار عنایت اللہ خاں نے امیر تسلیم کر لیا تھا۔
 اس مراسلے کے مطابق جو دولت با فوق کو پہلی حالت برقرار رکھنے کے متعلق
 لکھا تھا، تخت نصیب ہو جاتا تو افغانستان اسی مہمات مخدولانہ میں مصروف
 ہوتا۔ اسی خطرے سے شہزادہ امان اللہ خاں نے اپنی مانند کسی کو حرج و اندر
 اور خادم دین ملت نہ دیکھ کر اولوالعزمی کی کمر اس طرح باندھی کہ تاریخی خانہ
 جنگی میں ایک قطرہ خون ٹپکانے کے بغیر بروبحر میں کامیابی اور شہرت حاصل کی۔
 اصحاب کبار کی مجلس میں جب من اشجع العرب کا سوال اٹھا تو
 اسد اللہ غالب نے کسر نفسی سے اپنے حق میں حضار کا اظہار مسترد کر کے
 صدیق اکبرؓ کو اس کا مستحق قرار دیا۔ اور اس تفضیل کی یہ دلیل پیش کی کہ
 جب غزوہ احد میں صحابہؓ بالنبوت شریک کارزار اور محافظ وجود مسعود
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے، تو آپ سراج منیر کے گرد پروانہ وار

طوف کر کے جب ہر طرف سے تائین کر لیتے تو صفِ کفار پر حملہ مقلانہ کرتے اور پھر محافظت کے لئے حاضر ہو جاتے۔ عین زمان میں دو اہم کام کرنے کی فضیلت و ور خلافت میں یوں بارز ہوئی کہ باوجود سلیمہ کذاب وغیرہ کی مدافعت کے لئے ہزاروں مبارز کی ضرورت کے، اس لشکر کو جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر سوق فرمایا تھا، واپس نہ بلایا، بلکہ مسلمانوں کی توجہات کو منافرت سے اکھاڑ کر، تسخیرِ جہان پر لگایا۔

اعلیٰ حضرت غازی نے ایک طرف تحقیقات کے بعد جس کے آخری دن متواتر سات گھنٹے ایک نر دست قانونی وکیل کی طرح جرح و قبح کے ساتھ سلسل و مربوط تقریر کی، اپنے شہید باپ کے قاتلوں کو حبس دوام اور اعدام تک کی سزائیں دیں، دوسری جانب تدبیر و تالیف سے سمت مشرقی کے خود سر عساکر کے ہیجان کو فرو کیا۔ پھر داخلی ادعا اور اختلاف کو زیرِ نظر حراست رکھ کر ملک کے اکناف میں لشکر کشی کی۔ جو کامگاری اور منطقی نصیب ہوئی۔ قریبی تاریخ کے ملاحظے سے بے نظیر ہے۔

انگریزوں کے ساتھ پہلے بھی لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ جن میں قندھار

تاپ مقاومت نہ لاکر حملہ آوروں کو اور تعرض کی جبارت دیتا تھا۔ سمت جنوبی دارالسلطنت کے محاصرے کے لئے راہ کوتاہ ثابت ہوتی تھی۔ جلال آباد کو آسانی سے چھاؤنی بنا کر اطمینان سے کابل کو اپنے قبضے میں لاتے تھے، اس کے بعد انگریزوں کو مشکلوں کا سامنا ہوتا تھا۔ جو اب کے اول مرحلے میں پیش آیا۔ حالانکہ بڑی یورپی لڑائی کی منصوریت نے سامان حرب اور معنویات میں ایسی افزونی کر دی تھی کہ دنیا نے اُن کے ساتھ متفق ہو کر حیرت سے کہا کہ جو ان امیر برطانیہ کے تکبر اور جبروت کے سامنے کیوں اتڑاتا ہے۔ اس کی خامی نوجوانی بلکہ دیوانگی کو ابھی کابل میں چل کر ٹھیک کر دینگے۔ لیکن جلدی معلوم ہونے کو تھا کہ اس دفعہ ایک سخت عقل اور مدبر جوان سے پالا پڑا ہے۔ تاریخ کے خلاف ٹھل پر افغانی گلہ باری ہوئی۔ جس سے ایک جہان متوقع حیرت کے خلاف متحیر ہو گیا۔ قندھار مضنون اور اُس کی سرحدیں غازیوں سے مشحون رہیں۔ بالتحقیق ڈکہ انگریزی تصرف میں چلا گیا۔ لیکن کیوں وہاں سے پیش قدمی جلال آباد کے قبضے تک نہ پہنچی۔ بلکہ اخیر میں وہاں سے بھی لوٹنا پڑا۔ وہ محاذ جو چین سے چترال تک ممتد تھی۔ اور جس پر سے

وہ فوجیں اُسٹڈ رہی تھیں۔ جنہوں نے جرمنی اور ترکی کو کچل ڈالا تھا،
 کابل میں ایک قوت اس کا دفاع کر رہی تھی۔ اور امان اللہ خاں کا
 تروتازہ دماغ جہاں در ماندہ خارجی مقابلے کے لئے مکتفی تھا، کیونکہ
 یہی ایک عذر پیش کر سکتے ہیں، وہاں داخلی مفاسد کا بھی عین اسی قوت
 استیصال کر رہا تھا، جس کا ذکر اب ہوگا۔



فتنہ پُرازوں کی ہنجی اور اصلاحِ تقدم

جس وقت اعلیٰ حضرت غازی اپنے استقلال کو بحال رکھنے کیلئے انگریزوں جیسی قوی اور غالب قوم کے ساتھ جنگ آزما ہو رہے تھے۔ تو بس یہی ان کی خارجی فعالیت کی حد نہیں تھی۔ بلکہ افتائی نمایندے روس کے راستے یورپ میں اُن کی خود مختاری کا اعلان کر رہے تھے۔ اور بعض ازبکوں اور ترکمانوں کے ممالک میں اپنے رُخ اور نفوذ کا سکہ چارے تھے۔ ان جمعیتوں کا ادارہ بھی باوجود بعدِ مسافہ کے ذاتِ شاہانہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور ہمیشہ اُن کو بر محل ہدایات سے موفقیت کا موقع بخشتے تھے۔ عجیب بات ہے کہ جس قوت کے ساتھ پہاڑوں میں مقابلہ تھا اسی کے ساتھ صحراؤں میں بھی مقاومت کرنی پڑی!

رُوس خانہ جنگیوں میں اتنا مصروف تھا کہ دور دراز علاقوں میں اسے حکومت کی نہیں سوچھتی تھی۔ اس لئے وہاں کے باشندوں کو افغانوں نے سنبھالا اور اعلیٰ حضرت غازی کے فرمانوں سے اُن کے شکلِ مسائل فیصلہ

ہوتے رہے۔ اور انگریزوں کی وہاں بھی پھیل سکی۔ باوجود ان مشغولیتوں کے جن کی وسعت تقریباً نصف دنیا پر حاوی تھی، ذاتِ شامانہ نے افغانستان میں جدید تشکیلات بھی قائم کر دی تھیں۔ اور اُن کی رُو سے اگر فوق العادہ سفیر مقرر ہو کر باہر گئے تھے تو وزیر اور مدیر نئے فرائض اور وظائف کے ساتھ ملک کے اندر کام کر رہے تھے۔ باوصف اس انہماک کے آپ کی اسعانِ نظر نے ایسے واقعات کی سراغ رسانی کی جس سے بے خبری نہ صرف حیاتِ بادشاہ بلکہ ملت کی زندگی کا کافی جاودانی کے لئے ہلکا ہوتی ۛ

ڈکنس نے ہر زمانے کو اچھا اور بُرا، بہار اور خزاں، اور خوشنما و ناگوار بتایا ہے۔ کیونکہ اس جانِ اضدادِ آباد میں بعضوں کے لئے عدل و اصلاح شہد ہے۔ تو دوسروں کے کام میں وہی زہر ہے۔ لاجرم اعلیٰ حضرت غازی کا عہدِ ہدایت مہد ایک شرمز مہ اشرار کے لئے سیمِ ہلاہل ہوا۔ اہل تصوف نے قرون و اعصار کو مظاہر صفاتِ خداوندی قرار دیا ہے۔ اگر ایک زمانے میں غضب اور ہلاکت کی صفت غالب ہوتی ہے تو دوسرے وقتِ رحمت، ہدایتِ ظلموں اور گمراہیوں کو دُور کر کے عدل و عرفان کو شائع کرتی ہے۔ یہی سلسلہ متناوبہٴ عسر و یسر، سوز و ساز، اور زجر و اجر، مختلف

بادشاہوں بلکہ حاکموں کے وجود میں بھی پایا جاتا ہے، اور گزشتہ و
موجودہ حکومتیں اپنے متعدد ادوار میں 'سختی و نرمی' اور درستی و ملامتی کی
معارض ہیں *

دورہ امانیہ میں معائب و مصائب کا ازالہ ہو کر 'عرفان و عمران کے چشمے
پھوٹ نکلے۔ ایک عجیب و غریب قدرت کردگار ہر جگہ آشکار ہے۔ اگر کوئی
انسان عظیم الشان بنے تو اس کے جسم اور قویٰ کو عظمت کی استعداد
کس نے بخشی؟ اگر آدمی اپنی کوشش سے بزرگی پاتا ہے اور بے شک
پاتا ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى۔ اس کے وجود کی نعمتِ عظمیٰ اس
کی کونسی سعی کے بدلے میں ملی؟ البتہ مشیتِ ایزدی یہی ہے کہ بُوت
كُلِّ ذِي فَضْلٍ فَضْلُهُ۔ جب ایک شخص میں اہلیت اور صلاحیت ہوتی ہے
تو اس کو مواقع اور فرصتیں پیش آتی ہیں۔ اور بعض صورتوں میں قضا و قدر
اس کا ساتھ دیتی ہے۔ امیر سراج الملک الدین کا چراغ گل ہوتے ہی
ایک مشہور شیخ شریعت جو سابق عہد میں مد اہنت اور تاویلات سے عیاشی
کو دینی رنگ دینے میں ماہر تھا۔ تپ محرقہ سے فوراً رخصت ہو گیا۔ ایک
معروف پیر طریقت جس نے پہلی سلطنت کو اپنے مقدس سلسلے میں ایسے

جکڑے رکھا کہ مقامات مقدسہ پر کفر آچھایا۔ اور مسلمان افغان اپنی جگہ سے ہل نہ سکے، بیخبرانہ بیماری سے دفعۃً رحلت کر گیا۔ یہ تو قضا و قدر کے حوالے ہوئے۔ جس میں انسانی دخل بالکل نہیں تھا۔ ایک تیسرا شخص جو فی الواقع افغانستان کا وزیر اعظم تھا اور اسی جیسے مدبر کے متعلق فرانسیسی لونی نے کہا تھا کہ میرا چانسلر ہے تو بد معاش مگر میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا، پہلے تو جلال آباد میں سپاہیوں کے ہتے چڑھا اور جتنے ظلم و ستم اُس نے ملت پر ڈھائے تھے اُس کی گردن پر واقعی سوار ہو کر اُس پر ڈالے گئے

ۛ

کے نکو کردی وکے کردی شر کہ ندیدی لائقش در پے اثر
 گر مراقب باشی وگیری رسن حاجت ناید بعقبی آمدن
 اس کو اعلیٰ حضرت غازی نے ایک درخت کے ساتھ پھانسی دینے کا حکم دیا
 جس کے سامنے اُس نے شاہی خاندان کے ایک بے گناہ جوان کو آدھائے
 سلطنت کی تہمت لگو کر مروایا تھا۔ یہ ایک خون ناحق تھا۔ منجملہ اُس کے
 بے شمار گناہوں کے جن کی پاداش میں اُس کے وہ عالیشان محلات
 جو دولت کے روپیوں کی اینٹوں اور خون رعیت کے گارے سے

بنائے گئے تھے، ضبط ہو کر رفاہ عام اور حکومت کے مفید کاموں میں
وقف کئے گئے۔

ان عبرتوں سے متاثر ہو کر اکثر فساد پیشہ لوگ حقانی دبدبے اور غلبے
کے سامنے سرنگوں ہو کر نادام و تائب یا اقلًا زمانہ سازی کر کے حق پرست
اور باطن پرور ہو گئے۔ اور تطبیق قول کے لحاظ سے کہ مبادا معرض نفاق
نہیں فعلاً بھی اعمال صالحہ و نافعہ میں مصروف ہو گئے۔ یا اور اُن کے بعض
پنختہ مقصد یا ذاتی مفتن رہ گئے۔ جنہوں نے صدق و صفا کے سوج ہی کو
بے نور کرنے کا منصوبہ باندھا اور جو مقصد برطانی طیارہ شاہی حرم سرائے
میں بم گر کر حاصل نہ کر سکا۔ انہوں نے افغانی بندوق سے کرنے کا ارادہ
کیا۔ جب اس جمعیت کی اطلاع بیدار اور ہوشیار بادشاہ کو ملی۔ تو بغیر
ذرا سی گھیراہٹ کے مختلف مخبروں کو جو ایک دوسرے سے بے خبر
تھے، تحقیق اور تصدیق کے لئے مقرر کیا۔ ایک شخص کو سازش مذکور میں
شریک کر دیا۔ جب اس کی خبریں اور دوسرے جاسوسوں کی اطلاعات
باہم مطابقت کھانے لگیں۔ تو ایک رات اعلیٰ حضرت نے اثنائے اختلاط
میں فرمایا کہ کل فلاں طرف ہوا خوری کے لئے جاؤنگا۔ چنانچہ اسی طرف

بے خبری کے منصوبہ کا شکار

یعنی پیمان کو تشریف لے گئے۔ مگر امین لیس اور ایک فوجی افسر کو مع چند سپاہیوں کے تبدیل لباس میں پہلے بھیج دیا۔ جنہوں نے آٹھ آدمیوں کو مع بندو قوں کے تھوڑے سے مقابلے کے بعد گرفتار کر لیا۔

یہ شخص چند دن قید میں رہ کر استنطاق کے بعد حضور میں پیش ہوئے۔ علی حضرت نے اعیان دربار اور دوسرے شرفا کے سامنے جو بہت سی تعداد میں حاضر تھے۔ درد انگیز الفاظ میں فرمایا کہ ”میرے قتل کا ارادہ اس حالت میں سر اوار تھا۔ جب میں نے کسی پر ظلم کیا ہوتا، دینی امور میں غفلت کی ہوتی، یا دنیا کے عیش میں پھنسا ہوتا۔ مجھ سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس سے کسی لڑکے یا لڑکی یا ان کے والدین کو شکایت کا موقع ملتا۔“ حکایت کی ادا مت سے قبل اس تلمیح کی توضیح لازم ہے :-

علی حضرت عفت و عصمت کے عتبار سے نہ صرف بادشاہوں میں بلکہ صلحا میں اسوۂ حسنہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ ایک افغان سرور نے جو کشمیر میں بادشاہی کرتا تھا۔ مسجد کی تائیس کی تقریب پر ہزاروں حاضرین کو منجانب کیا کہ جو عمر بھر عقیقہ ہا ہو۔ وہ میرے ساتھ آکر سنگ بنارکھے۔ صرف ایک ہندی افغان نکلا۔ خلقت کی گنہ گاری کا یہ عالم ہے کہ حضرت مسیحؑ

نے جب ایسا ہی سوال کیا تھا تو کوئی بھی، ہجوم حضار میں سے کھڑا نہ رہا
 شرمندگی چھپانے کے لئے سب غائب ہو گئے۔ ذاتِ شامانہ خوبیوں سے
 آراستہ، ایسا نمونہ پیش کرتے ہیں کہ ایٹمی کی طرح فطرت کو ان کی انسانی
 پرگواہ لا سکتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے مبارک زمانے سے سلطان
 ابراہیم پارسا کے غزنوی عہد تک، اور احمد شاہ کے وقت سے اب تک
 کیا بادشاہوں میں کوئی مثال ہے۔ جس نے کثرتِ ازواج کی معقول اور
 معمول مخالفت کی ہو؟ ذاتِ شامانہ نے اپنا یگانہ نمونہ اس بارے میں
 پیش کر کے آئین و تلقین سے ملت کو بھی اس کی تقاید کی تائید کی ہے۔
 اِنْ كَلَّ تَعْبَاؤُا فَاَوْحِدْهُ لَعَلَّہٗ سَاۡتُھ دوسری آیت کو پڑھا جائے۔ وَ
 لَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْمَلُوْۤا... اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی اہلیہ ہو اور
 عدل ہرگز نہیں کر سکو گے۔ تو صریحاً ہی فیصلہ ہوتا ہے کہ عام اجازت
 زیادہ عورتوں کی نہیں رہتی۔ اس لئے خاص حالت میں رخصت کی ضرورت
 پڑی۔ جس کو ذاتِ شامانہ نے قانون میں واضح کیا کہ اگر ایک سے اولاد

عقائد اور روضہ واحدہ

۱۵ اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی عورت ہو ۝

۱۶ ہرگز عدل نہیں کر سکو گے ۝

نہ ہوتی ہو یا اور کوئی معقول وجہ ہو تو دوسری زوجہ کے لئے شوہر اپنے
 عدل کی استعداد کے گواہ اور ضامن دے۔ ایسے بہت سے قوانین
 جو حقیقتہً شرع کی تقویت اور مسلمانوں کی رفاہیت کے لئے بعض علمائے متنفذ
 کی تطبیقات سے وضع کئے گئے تھے، دوسرے علمائے دین کی مخالفت
 کا مورد بنے۔

کچھ ملاؤں نے خوست میں بغاوت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ باغیوں کو باہر
 سے بھی تحریک اور مدد پہنچنے لگی۔ معاملہ بہت نازک تھا۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت
 آوازِ شہزادگی سے سمتِ جنوبی کے افتخاروں پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے۔
 اب اُن کو قتل کرنا کیسے گوارا کرتے، اس لئے باوجود ان کے حملوں اور
 خنزیریوں کے اپنے افسروں کو متواتر ہدایات دیتے رہے کہ صلح کی
 کوشش اور اُن کو مارنے سے پرہیز کی جائے۔ جب ہزاروں جانیں
 طرفین سے تلف ہوئے بغیر نہ رہیں اور باغیوں نے بہت غلبہ حاصل
 کر لیا، تو اعلیٰ حضرت غازی نے جو فی الواقع اس محاربے کے سپہ سالار
 تھے۔ اور ٹیلیفون کے ذریعے احکام دیتے تھے، چاروں طرف سے
 ان کو محصور کرنے کا ارادہ جاری کیا۔ ان مراحل میں بعض اوقات پریشانی

ابتری کے درجے کو پہنچ جاتی تھی۔ اور ذاتِ شانانہ کو مشورے دئے جاتے تھے کہ ایک سلطنت کے مختلف حصوں میں مختلف قانون ہوتے ہیں۔ اس سمت کیلئے جو ایک جداگانہ ولایت ہے۔ اگر قانون میں ترمیم کر کے بغاوت فرو کر دیجائے تو ممکن اور مناسب ہے۔ مگر ”ایک بام اور دو ہوا“ ایک ملت اور دو شریعت آپ کے تدبیر سے دور تھیں۔ آپ یہی اصرار فرماتے رہے کہ یہ قانون اور بے قانونی کی لڑائی ہے۔ اس میں مسامحت آئندہ کے لئے وخیم ہوگی۔ بہتر ہو کہ قطعی طور پر ایک دفعہ فیصلہ ہو۔ دوسری بات جو اعلیٰ حضرت نے پسند نہ کی پرانی طرز تھی۔ جس کے موافق باغی لڑ رہے تھے۔ اور اکثر ولایات سے ملت انہی طریقوں کے مطابق ان کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی، مگر ذاتِ شانانہ نے ان کی کمک کو قبول کیا۔ مگر نظامی افسروں اور عسکری لباس کے ساتھ میدانِ جنگ میں ان کو بھیجا اور فوجی ضابطے کو جو اس عصر میں رائج ہے۔ بہر حال قائم اور محکم رکھا۔ آخر قانون اور قاعدے کی فتح ہوئی۔

جب باغیوں کا پورا محاصرہ کیا گیا۔ تو بعض مفرور ہو سکے۔ باقی مقتول منقاد اور گرفتار ہوئے۔ ان کے ملا پکڑے گئے۔ اور عام مجلس میں بٹلا کر

اُن کو قائل کیا کہ جمالت کی وجہ سے قانون کی مخالفت کرتے تھے۔ جو
 سراسر شریعت کے مرادف تھا۔ پھر اتنی سخت لڑائی کے بعد صرف پندرہ
 آدمیوں کو گولی سے مارنے کا حکم دیا۔ کچھ مدت سمیت جنوبی میں قانونِ حربی
 نافذ رہا تاکہ اعلیٰ حضرت ولایات کی نفی تیش کے دورے میں وہاں بھی تشریف
 لے گئے۔ اور سب لوگوں کو چند دن دربار میں بلا کر مختلف قوانین کا جسکی
 وجہ سے جنگ چھڑی تھی اورس دیتے رہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص
 بھی نہ رہا جو اپنی نادانی پر نالاں اور اعلیٰ حضرت کی اصلاحات کا شناخواں
 نہ ہوا ہو۔ مکتبِ مستورات کی لڑکیوں نے جو اس مجلس میں بلائی گئی تھیں
 ملاؤں اور خانوں کے سامنے دینی اور تاریخی مسائل بیان کئے۔ جس سے
 سب پشیمان حیران اور شادماں ہوئے کیونکہ تعلیم نسواں بھی اسبابِ
 جنگ میں سے تھی۔ اب شور مچانے لگے کہ ہم بھی اپنے علاقوں میں
 مکاتبِ مستورات جاری کریں گے۔ مگر ذاتِ شامانہ نے معلمات کی قادیان
 عذر پر اُن کی تمنا کو ملتوی کیا۔ مگر علاوہ موجودہ مکاتبِ ذکور کے پچاس
 اور مکتب تاسیس کرنے کا حکم دیا۔ جواب جاری ہو گئے ہیں۔
 اعلیٰ حضرت نے اس لڑائی کو علم کی جہل پر فتح قرار دیا۔ اور اس کی

توضیح مینار کے کتبے میں کی گئی جو یادگار میں بنایا گیا۔ یہ واقعہ سمت جنوبی وہ مرحلہ ہاں کہ تھا جو متحدہ حکومتوں کے درپیش آتا ہے۔ اس کا بیان بہت مختصراً بالشان اور جہاں ہونا چاہئے، میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا کہ ایک قدیم مؤرخ کے قول پر بڑی بڑی فتوحات سے انسان کی عظمت معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے میں نے زیادہ روزمرہ کے حالات لئے ہیں۔ انا کہہ رہا ہوں کہ جب آدمی تہجد کی قابلیت رکھتا ہو جو بہت بڑی بشری خیر خواہی ہے اور مصلح حقیقی ہو تو لطف الہی اُس کے شامل حال ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بغاوت کے دوران میں ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ سارا افغانستان گویا آتش فشاں بن جائیگا۔ آگ ہر طرف برسے کو اور زمین جھٹکا کھانے کو تھی۔ جس سے ابھی ملک طور پر زیر و زبر ہو جاتی کہ جیسا کسی کو باوجود علم الزلزلہ کے متخصّص ہونے کے مطلق نہیں ہوتا کہ بھونچال سے کیوں دھرتی نہ اُلٹ گئی، بغاوت عین غلبے میں فرو ہو کر کامل امن و سکون قائم ہو گیا !!!

جس وقت یہ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی تو ذاتِ شاہانہ نے تمام افغانستان کے علما اور وکلا کو مدعو کر کے ایک بڑی بھاری مجلس

منفقہ کی جس کی کارروائی ایک علیحدہ کتاب میں شائع ہو چکی ہے۔ اس لئے مختصراً ذکر کرنا مناسب ہے۔ کہ آپ نے من متواتر ہزاروں آدمیوں کے سامنے کھڑے ہو کر برابر سات گھنٹے روزانہ سب قانون کو پڑھتے تھے۔ اور تمام حضار کو بحث اور تنقید کا موقع دے کر پھر خود تریدید کرتے تھے۔ یہ منظر افغانستان میں تو بے مثل تھا بلکہ برعکس تھا۔ کیونکہ علیحضرت کے باپ دادا ایسے مجموعوں میں سوائے اس کے کہ مجھلاً اپنے احکام تعمیل کے لئے سنوا دیں کسی کو جرح و قدح کا نہ موقع دیتے تھے نہ کوئی جرأت ہی کر سکتا تھا، دوسرے ملکوں میں بھی اس کی تاریخی نظیر کم ملے گی۔ ایک خود مختار بادشاہ اپنی ملت کے مبعوثین اور خوانین کو صبح سے لے کر شام تک بیکچر دیتا ہے اور جو غلط فہمیاں جاہل ملاؤں اور خود غرض لوگوں نے پھیلا رکھی تھیں۔ ایک ایک کر کے سب کو دور کرتا ہے۔ اگرچہ عین اسی وقت گھمسان کی لڑائی جاری ہے۔ مگر ناصیہ ہمایونی پر آثار و افکار ظاہر نہیں ہونے پاتے۔ ایک وسیع شامیانی کے نیچے کمال حشمت کے ساتھ بادشاہی دربار ہو رہا ہے۔ جہاں ذات خسروانہ بتمام سلامت طبع نطق فرما رہے ہیں۔ اور نکات آئینی کو ایسی

براہین سے وضاحت دے رہے ہیں۔ جن کو غم ملاؤں کی تاویلوں کے، سامعین کا اپنا تجربہ مصدق پاتا ہے۔ کچھ میں دور ایسا کشتِ خون ہو رہا ہے۔ جس میں فریقین اعلیٰ حضرت کے اپنے دو بازو ہیں۔ اور اس کا افسوس خاص موقعوں پر کرتے ہیں۔ مگر عام طور پر بادشاہی تیمور سے غم و غصے کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی ❖

یہ آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے کہ اپنے احکام منوانے میں بہ نسبت سختی کے نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک جمہوری غازی نے نصیحت کی ہے کہ قوت سے استفادہ کر کے ملک میں تنجد کی اشاعت کرنی چاہئے مگر میں چاہتا ہوں کہ ملت کو معترف اور قائل کر کے ان کی اپنی رضامندی سے اصلاحات کی ترویج ہو۔ راقم سامع افشائے تعجب کئے بغیر نہ رہ سکا کہ رئیس جمہوری کو عمومی خوشنودی ملحوظ ہونی چاہئے۔ اور مطلق العنان بادشاہ کسی فردِ ملت کی پروا نہیں کیا کرتا۔ یہ معاملہ برعکس ہے۔ البتہ افغانستان کی غیر مترقبہ سعادت اور فوق العادہ رشادت کا باعث ہے۔ فی الحقیقت رعیت کی خوش نجاتی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ بادشاہ ایک طرف

محاربے کا انتظام کرتا ہے اور جب میدان جنگ سے خونریزیوں کی خبریں آتی ہیں تو اُن سے کچھ بھی متاثر نہ ہو کر ملت کے تنویر افکار میں مصروف رہتا ہے تاکہ اُن کی اصلاحات کو جابرانہ خیال نہ کریں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوجی معائنہ فرما رہے تھے کہ مخبر نے آپ کے کان میں اطلاع دی۔ جبکہ ایہم پچاس ہزار غسانی سواروں کے ساتھ سرحد عرب میں داخل ہوا ہے۔ خلیفۃ المومنین کے چہرے پر کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ اور بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ حالانکہ آنا بڑا عرب متنصرہ کا سردار اگر موافقت کے ارادے سے وارد ہوا تھا تو مسرت ورنہ اندیشے کا اظہار بے اختیار ہوتا۔ اسی طرح جب وہ سلمان بن کر آیا اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تو بھی فتوت اور غیورانہ استغنا سے سلوک کیا۔ اگرچہ جاپان کی طرح مسلمانوں میں سمورائی تربیت کا کوئی اہتمام نہیں۔ مگر اسلام کی تسلیم ذوات عظام کو ایک بلند درجے کی مردانگی و مروت بخشدینی ہے۔ اور وہ خطرات سے اضطراب میں نہ پڑ کر اپنے فیاضانہ فرائض کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔

اس سے پہلے عصمت کا ذکر تھا۔ اعلیٰ حضرت نے شروع سلطنت

میں حرم سرا سے تمام لونڈیوں کو آزاد کر کے نکال دیا۔ پھر فرمان واجب
الاذعان صادر کیا کہ کسی کے ہاں مسلمان باندیاں نہ رہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ
کوئی نکاح کی خواہش کرے تو پہلے اُن کو آزاد کر کے اپنے گھر سب سے بھر بیچ دے
بعد ازاں اُن کی رضا اور اُن کے حقوق ادا کر کے ازواج میں لائے۔

اس شامانہ حکم کی تعمیل سے نورستان ہزارہ جات سیستان وغیرہ میں
بہت سے گھرانے سر نو آبادان و شادان ہوئے۔ جوانوں کا اندازہ اس

سے کیا جائے کہ ایک بڑھیا کو روتی ہوئی سنا جو فرط سرور میں یہ
کہتی تھی کہ ایسے بادشاہ کی موٹر کے سامنے لیٹ کر قربان ہو جاؤں گی۔

جس نے مجھے آزادی بخشی۔ اعلیٰ حضرت ہمیشہ ان بکیوں اور مصیبت
زدوں کی تالیف و تسخیر قلوب میں سعی رہتے ہیں جن کی دعا پر ع

اجابت از در حق بہر استقبال ملے

ذات شامانہ کی اس نیت اور خصلت کی وجہ سے وہ احرار اور جوانان آزاد
جو بادشاہوں کے سامنے نہیں جھکا کرتے، اعلیٰ حضرت کے حلقہ بگوش بن گئے۔

کہ بطفِ آزادہ را بندہ ساز

کہ باحسان بندہ آزاد کن

پھر اس سازش کی خبر لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مجرموں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آرام و راحت کو ترک کر کے رات دن ملت کی رفاہ و آسائش کے فکر میں رہتا تھا۔ اس لئے اپنی جان کو تہلکہ میں ڈالا۔ زحمات و آفات کا مقابلہ کر کے وطن کے لئے وہ نعمت عظمیٰ حاصل کی۔ جو مدتوں سے میسر نہیں تھی۔ اعلام کیا جو شخص صلاح کی صلاح دے۔ موجب ممنونیت ہوگی۔ اگر کوئی نقص میری حکومت میں نظر آتا تھا۔ تو کیوں مجھے اس پر مطلع نہ کیا۔ ایسی حالت میں جب ملت غزاییں داخل ہے اور میں بھی اس کے ساتھ شامل ہوں، ایسی جمہیت کیوں قائم کی۔ جس سے اعدائے دین کی شہادت اور فتنہ و فساد کی ہنگامہ آرائی ہوتی۔ اس وقت بھری تقریر میں میری طرف دیکھ کر تبسم سے فرمانے لگے کہ تم نے بھی ایک مجلس شکیں کی تھی۔ میں نے عرض کی کہ وہ آپ جیسے بادشاہ کی متابعت اور جان نثاری کے لئے تھی اور یہ برعلیہ ہے۔

مذموم سر جھکائے کھڑے اور ہر ایک بات کا جو ذاتِ شانانہ پوچھتے۔ اثبات میں جواب دیتے۔ نہایت پشیمانی سے اپنے سارے قصوروں کا اعتراف اور سب قاتلانہ تجویزوں کا اقرار کرتے جاتے تھے۔ بعض کے

اعضا سے بھی بزبانِ حال گناہ کا اقبال ہوتا تھا۔ کوئی بھی کسی طرح کا
عذر یا حیاہ نہیں ترشتا تھا۔ گویا قیامتِ صغرا برپا تھی۔ یَوْمَ تَشْهَدُ
عَلَيْهِمُ السِّنُّهُمْ وَآيِدِيَهُمْ وَأَنْرُجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ
جب یہ لوگ شامِ غریباں کے وقت توپ سے اڑائے گئے تو امانی
کابل نے شکر کیا *

اعلیٰ حضرت کی روز افزوں ہر دلغیزی کا اس سے مقائشہ ہو سکتا
ہے کہ اس سانحہ کے پانچ سال بعد جب پٹنم میں جشنِ استقلالِ جلال
اور شان کے ساتھ گرم و رواں تھا۔ تو شہر میں ناگفتہ بہ افواہ اڑ کر شہر
ہو کے ہول و ہراس کے منتشر ہونے کا باعث ہوئی *

ایک نوعِ مراقبہ جس نے غرب میں ہینوٹرم کی شکل اختیار کی ہے
شرقِ قدیم میں ایک صورت اُس کی یہ تھی کہ چند آدمی خلوت میں بیٹھ کر
توجہ ڈالتے۔ ایک کہتا کہ بادشاہِ مرض میں مبتلا ہو گیا۔ دوسرا تاہبید میں
بولتا کہ بیماری شدت پکڑ گئی۔ باقی تدریجاً دعوے کرتے جاتے۔ کہ
نزع کی نوبت پہنچ گئی۔ اُس طرف بادشاہ بھی تھوڑی دیر میں مریض ہو کر

اس دن ان پر اُن کی زبانیں ماتھ اور پاؤں گواہی دینگے جو وہ کرتے تھے *

باوجود اطباء کی فوری مساعی کے مایوس العلاج ہو جاتا تا کہ مذاقت سے کوئی نکتہ رسی کر کے عجالۃً منادی کروا تا۔ کہ بادشاہ قدم رنجہ فرمانے کو ہے۔ بازار اور کوچے آراستہ رہیں۔ یہ اطلاع اس مجلس کی خلوت میں بھی پہنچتی اور اُن کے دل میں شبہ پڑ کر بادشاہ کی صحت کا مورث ہوتا۔

إِنَّمَا الْجَنُوعُ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ - سرگوشی اور افواہ موہوم تاریخ عتیق سے نزدیک تر ہزاروں آدمیوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔

نادر شاہ کے فاتح سپاہی دہلی میں پھرتے تاجروں سے جو جی چاہا مفت لیتے تھے۔ کسی نشے کے عادی نے اُن کی مستی کو دیکھ کر مدہوشانہ لہجے میں آرزو کی کہ اُن کا نشہ نادر کی مے اور لے سے ہے۔

جواب خدا کے فضل سے کا فور ہٹا ! اس کی روایت جو ایک دوزبانوں سے مختلف الفاظ میں بیان ہوئی۔ تو دکانداروں نے اس خواہش سے جسے تنہا جنتی ہے، یہ خیال کیا کہ ایرانی حملہ آور فنا ہو گیا۔ اور جب وہی

۱۵ سرگوشی صرف شبہ طانی کام ہے جس سے ایمانداروں کو غم ہوتا ہے اور اس سے بغیر اذن خدا کے ضرر نہیں پہنچتا۔

نہ رہا تو اُس کا لشکر کیوں ظلم کرتا پھرے۔ پس بہت سے مظلوموں نے ملکر
چند سپاہیوں کو مار ڈالا۔ جس کے انتقام میں قتل عام کی ہلاکت پڑی ۔
ایک کابلی شعر اسی مضمون میں موزون ہے ۔

ندانی کہ چگفت ماشہ در گوش تفنگ

حرف سرگوشی جو آنے را بشتن مے دہد

عوام میں منقول ہے کہ شیطان کبھی کسی شکل میں گلے پر بیٹھا جس نے لات
مار کر دودھ کا برتن توڑ ڈالا۔ جو دوشیزہ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر اُس کے
باپ کے دل میں وسوسہ ڈال کر کہ دودھ دوسرے قبیلے کے ایک نوجوان
کے نیگ لگا ہے۔ گمانی زانی کو مروایا۔ جس سے قبائل میں لڑائی چھڑی۔
شیاطین الانس بھی کبھی اسی طرح کی شرانگیزیاں کرتے ہیں ۔

اعلیٰ حضرت نے قبل اس کے کہ شاید افواہ کوئی ناگوار گل کھلائے۔ آگاہ

ہو کر کلی ہی کو مسل ڈالا۔ فوراً موٹر پر سوار ہو کر کابل کے بازار میں گشت لگایا

اور عجیب دُرُبا مشاہدہ فرمایا۔ ایک نے افراطِ انبساط میں ہفت میوہ سے

مٹھیاں بھر کر دوسرے نے مٹھائیاں، اور ایک ہندو صراف نے روپے

شاہانہ موٹر پر پنچھا ور کئے۔ اور ہر طرف سے یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ مال کے ساتھ

ہماری جان بھی بادشاہ غازی پرتربان جسے شکر کہ ہم نے زندہ دیکھا!
 یہ کیف ملاحظہ کر کے اعلیٰ حضرت نے پیمان میں اپنی ملت کے اس خالص
 اور عیمانہ جوش کا تذکرہ فرماتے ہوئے نطق شامانہ میں کہا کہ میری فداکاری
 خدمات کی تقدیر ہوئی جو میری ملت کی حق شناسی اور بیداری کی دلیل
 ہے۔ اعلیٰ حضرت کو ایسی غائبانہ خیرات اور صدقات کی اطلاع نہیں ہوئی
 جو اس افواہ کے ابطال پر بہت سے گھروں میں بے یا طور پر دئے گئے
 تھے۔ اور دل سے دعائیں مانگی گئی تھیں ۝

حزب شیطان جسے اضلال اغوا و افساد کی مہمت دی گئی ہے،
 صلحا اور مصلحین کی خصومت پر کمر باندھے ہے۔ ہر چند ابراہیم تمام بنی بشر
 کے ساتھ صلح جوئی کی حیثیت کو پرورش دیں مگر اشرار کی موفقت یا نفقت
 کو حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا وہ آدمی جس کے سب ہو خواہ ہوں منافق
 ہے۔ یہ عیب ہر شخص کے لئے مذموم ہے بالخاصہ بادشاہ کے لئے جسے
 مہانت کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ صلاح و صلاح کا غم کھتا ہے تو سقامت
 اور مقابلے کے بعد دشمنوں کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ

۱۔ ہماری فوج ہی غالب ہے ۝

اعلیٰ حضرت نے جلوس کے پہلے سال ایک اور فتنے کو دُور کیا۔ جو آپ کی جدت طرازی کے لئے قابل ذکر ہے۔ اطلاع پہنچی کہ چند آدمیوں نے پھر قتل کا قصد کیا ہے۔ پھر مختلف مخبروں کو تحقیق اور تصدیق کے لئے سراغ پر لگایا۔ یقین ہونے پر ملزم گرفتار کئے گئے۔ اعلیٰ حضرت نے اعیان و ارکانِ دربار کے سامنے یہ کیفیت پیش کی۔ وہیں ایک مخبر کو حاضر کیا۔ جو برقعہ اوڑھے تھا۔ تاکہ حاضرین اُس کو پہچان کر آئندہ خفیہ نویسی کے مانع نہ ہوں۔ یا وہ خود اُن سے حجاب نہ کرے۔ اس کے بیانات کے بعد خاص ملزم کے بڑے بھائی کو بلایا۔ اُس کو آتے دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ان کے بیٹھنے کے لئے اچھی جگہ دو، غلط فہمی سے ان کو توقیف خانہ (حوالات) میں لے گئے۔ چاہئے تھا کہ اپنے گھر میں رہتے اور عزتِ طلب کر لئے جاتے۔ میں ان کو مدت سے پہچانتا ہوں۔ نسبِ سیادت کے ساتھ ان کی ذاتی کرامت مسلم ہے۔ وہ محفلِ جس میں آپ کا وجود شریف شریک ہو۔ برکت اور جذبِ جس کرتی ہے۔ چنانچہ اب وہی کیفیت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی کلمہ نکلے۔ تو سامع پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کیا شائبہ امکان ہو سکتا ہے کہ ایسا

بزرگوار خلاف گوئی کا مرتکب ہو۔ جواب میں اُس نے اعتراف کیا۔ کہ میں نے اپنے بھائی سے بعض بیہودہ اور فضول باتیں سنی ہیں۔ مگر عفو کا خواستگار ہے۔ بعد ازاں وہ بھائی بلایا گیا اُس نے بھی ایک حد تک اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ پھر اہل مجلس سے جس میں قاضی القضاات بھی داخل تھا۔ استفتا کیا گیا سب نے متفق الرائے ہو کر فیصلہ دیا کہ مفسدانہ ارادے سے قتل بادشاہ کے لئے جمعیت تشکیل کرتا تھا، مستوجب اعدام ہے۔ صرف ایک رکن شوریٰ نے اپنے امضا سے انکار کیا۔ اس عذر پر کہ تمام حالات پر اس کا وقوف کما حقہ نہیں ہوا ۛ

شاہانِ بزنطیہ کی بابت مسطور ہے کہ ایک امر پر فیصلہ کر کے پھر اسے مجلس میں پیش کرتے تھے۔ تاکہ سب اس کی تائید میں دستخط کر دیں۔ اگر کوئی اس معاملے پر عدم اتفاق میں آشکار ہوتا تو کچھ مدت کے بعد غضب بادشاہ میں گرفتار ہوتا ۛ

ایڈمنڈ برک لکھتا ہے کہ ہندوستان میں قانون کے توڑنے والے۔ انگلستان میں قانون کے بنانے والے ہو جاتے ہیں۔ رات کو ایک بات کا فیصلہ کر کے دن کو پارلیمنٹ میں سے گزار لیتے ہیں۔

کیونکہ اس روپے سے جو قانون توڑ کر لائے تھے۔ پہلے ہی سے کثرت
آراء کا انتظام قانون بنانے کے لئے کر لیتے ہیں :

اس طرف کے حکمران تو اسی طرح کرتے آئے ہیں کہ اکابر کو مدعو کر کے
ایک مسئلہ کو ان کے محاکمے کے لئے پیش کرتے جس میں رائے شالانہ
معلوم ہوتی، بلکہ کبھی علانیہ فرمادیتے کہ اگر کوئی دوسرا مشورہ دے گا۔ تو
اپنی جان پر کھیلے گا۔ اگرچہ اس تہدیدی حاجت نہیں تھی۔ کیونکہ گلستاں
کس نے نہیں پڑھی ہے

خلاف رائے سلطان رائے جستن

سخن خویش باید دست شستن

بزرگ جہم کی مانند بزرگ وزیر نوشیرواں جیسے عادل بادشاہ کی بابت
کتنا ہے کہ پہلے وہ اپنا خیال ظاہر کرے۔ تو پھر اس کی تقویت میں
کلام کروں۔ یعنی اگر وہ روز روشن کو رات کہے تو سورج کو چاند ثابت
کر دکھاؤں :

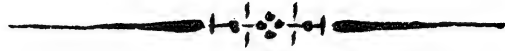
قیصر ولیم زوال شاہی سے پہلے آزادی فکر میں مشہور تھا۔ چنانچہ
برطانیہ کو اپنے اتحاد کے اثبات میں وہ نقشہ جنگ بنا دیا۔ جو جنوبی

افریقہ کی لڑائی میں کھینچ کر اُس نے رابرٹس کو دیا تھا۔ ملت جرمن چونکہ اس انکشاف سے ٹرانسوال بگڑا، برآشفہ ہوئی۔ قیصر نے ریشتاغ میں اپنی سہو پر معافی چاہی۔ یا وصف اس کے، ایک مصنوعی لڑائی میں جسکی ایک فوج کا سالار وہ خود تھا، مقابل لشکر میں دُور بین سے بعض نقص دیکھ کر اپنے ایک یاور (ایڈی کانگ) کو مخالف جرنیل کے پاس ہدایات دیکر بھیجا۔ جب وہ واپس نہ آیا۔ تو دوسرے کو پیچھے دوڑایا۔ دو نو حریف اسیر جنگ ہو گئے تھے۔ قیصر اس لطافت پر بہت خوشی کرتا دکھائی دیا۔ مگر ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ جرنیل موقوف کیا گیا۔ اسی طرح ایک افسر کے ساتھ کسی مینوور پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری طرف فلاں نقائص تھے۔ اُس نے جواب دیا کہ لڑائی مصنوعی تھی! اس وقت تو ولیم جھینپ کر ہنسا۔ مگر بعد میں خوب خبر لی :

اعلیٰ حضرت غازی کی حق پسندی کا موازنہ کیجئے کہ وہ جوان جس نے مجرمانِ فساد کے خلاف رائے دینے سے کنارہ کشی کی تھی۔ بیش از بیش منظورِ نظر صداقت نگر شامانہ ہو کر لنڈن میں سفیر ہوا۔ اور

چونکہ اعلیٰ حضرت مکتب مشورت کے مؤسس اور نیز معلم ہیں۔
 اور ملت کو مدت سے اس درس کے ساتھ سابقہ نہ تھا، امور مہمہ
 کے مباحثے میں اس تمہید کو لازم سمجھتے ہیں کہ اہل مجلس کو آزادی
 رائے کی ترغیب دیں۔ بتکرار فرماتے ہیں۔ کہ اپنے خیالات کے
 اظہار میں کوئی شخص بادشاہ کی رعایت یا لحاظ روا نہ رکھے۔ جب
 مشیر اور وزیر مذاکرہ کر کے ایک نتیجے کو پہنچتے ہیں۔ تو اعلیٰ حضرت
 اپنا خیال ظاہر کر کے پھر بحث کا موقع دیتے ہیں۔ بارہا ثابت
 ہوا ہے کہ افغانستان کے معتبر اور متنور اصحاب کی مجالس میں
 بالآخر وہی رائے غلبہ کرتی ہے۔ جسے اعلیٰ حضرت نے بیان کر کے
 اُس کی تردید کا کھلم کھلا موقع دیا تھا۔ لیکن سب حضار لا جواب
 رہ کر خاموش ہو گئے تھے۔ شاہانہ قوائے بحثیہ ایسی کمزور
 متانت کی مالک ہیں کہ مناظرے میں جس طرح کی بھی دلائل
 پیش ہوں ایسے طرز سے جواب دیتے ہیں۔ کہ فریقِ ثانی تہ دل
 سے قائل ہو جاتا ہے۔ انجمن معارف میں، مجلس سیاسی میں،
 محفل قوانین میں، جس میں اعضائے خارجہ بھی ہوتے ہیں،

ذاتِ شام نہ جملہ حاضرین کو قانع کر دیتے ہیں۔ دنیاۓ جدید کے
مروجہ نظامات کی تطبیق اور اطلاق میں اپنے ملک کے موجودہ حالات پر
ایسا یدِ طولی رکھتے ہیں۔ کہ آپ کی فائق رائے کو داخلی و خارجی
ارکانِ مجالس سب تسلیم کر لیتے ہیں *



قوة مطلقہ اور بادشاہی ممت

وہ افکار اور تجاویز جو اعلیٰ حضرت کے دل و دماغ سے نکلتی ہیں ایسی قوت تقریر سے جو معتد بہ مقدار میں ودیعتِ طبیعتِ شانانہ ہوئی ہے، کیا وزراء اور مشیروں کے حلقہ تنگ میں، کیا عوام و خواص کے وسیع مجمع میں، مطابق موقع و محل، ایسی فصاحت و بلاغت سے براہزہ ہوتی ہیں۔ کہ مستمعین کے دلوں کو جوش فداکاری سے لبریز کر کے اُن کو اشکیاری اور جاں نثاری پر آمادہ کرتی ہیں ؟

تاجدارِ باپ کی شہادت کا انبوه اندوہ، اس پر داخلی و خسار جی فتنہ و فساد کا خدشہ و اندیشہ، امان اللہ خاں کی قومتمندی اور دلاوری کو کم نہ کر سکا۔ جب انہوں نے پچاس ہزار افغانوں کے سامنے اعلان استقلال کرتے ہوئے ایسی تقریر فرمائی جو بلند ی اور ہیبت کی رُو سے زمانہء حال کے خطباء میں بیہمال ہے۔ شیر نیستان کی گرج دلوں کو لرزے میں ڈالتی ہے۔ غضنفر افغان کی آواز اس جسمِ غفیر میں

استقلال اور جاں نثاری پر تقریریں

آخری صف تک پہنچ کر طبائع کو ہیجان میں لاتی ہے۔ پھر اعلان بھاد کے موقع پر وہی صدائے شوکت انتہا اسی قدر ازدحام کو میدان جنگ میں دعوت موفقانہ دینے میں کامیاب ہوئی۔ یہ صدائے رعد آساجس کی طرزا دمقام منبع غزا کے ساتھ منوط تھی۔ جب اپنے صیب کے ترشحات سے سرزمین افغانستان کو حریت سے شاداب کر چکی، تو امنیت کے تقاضے سے تبدیل ہو گئی۔ نشر علم و عرفان کی آویز دلاویز سے جو ستیرہ اور رزم سے ہم کھا کر آرم اور رزم کی طرف رخ کرتی ہے *

پھر عید گاہ میں جو اسلام کی بہترین قرن کی مانند دولت و ملت متحدہ کے تصفیہ قضایا کے لئے اجتماع امت کی منزل ہو گئی ہے، علحضرت غازی نے اپنی آزاد رعیت کو فرمایا کہ تمہاری راحت و رفاهیت کیلئے اپنے مال اور آرام کو فدا کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی ملت پر قربان کرونگا۔ یہ کہہ کر اپنے چھ سالہ بچے کو منبر پر اٹھایا اور فرمایا کہ میری عمر اگر چہ چھوٹی ہے۔ مگر بادشاہ کی حیثیت میں تم کو پدرانہ نصیحت کرتا ہوں۔ کہ جگر پاروں کو اپنے سے دُور کرو۔ اپنی اولاد کو مکتبوں میں داخل کرو۔ اور ملک سے باہر بھیجنا کہ عالم ہو کر تمہارے

عزیز وطن کی خدمت کریں۔ اور تمہارے ناموں کو صفحہ تاریخ پر یادگار
چھوڑیں۔ اے ملت از برائے خدا، از برائے خدا، از برائے خدا،
علم میں سعی کرو۔ کیونکہ دنیا اور دین کا حاصل ہونا علم سے ہے۔ ع
کہ بے علم نتوان خدا را شناخت

الحاج الحاج سلامت سلامت بہت موثر تھی۔ لیکن اُس کی موثریت
اُس وقت کمال کو پہنچی جب عملاً سالہا سال اپنے آرام و مال کو ملت پر
نثار کرتے رہے۔ اور اپنے اسی بیٹے کو دوسری اولاد وطن کے ساتھ
مساوی مرتبے میں یورپ روانہ کیا۔ اس کے بعد ایک اور شہزادہ
بھی ہوا۔ جو جرمنی جانے کے لئے اب مکتب امانی میں داخل ہو کر
تیار ہو رہا ہے۔ پہلا فرانس میں ہے اور عنقریب فارغ التحصیل ہو کر
لوٹنے کو ہے۔ اگرچہ رشید شہزادوں کو علما اور ماہران فنون کی صحبت
میں رہ کر جو ایک منور الافکار بادشاہ کے دربار میں جمع ہو جاتے
ہیں، ہر گونہ معلومات مفیدہ سے کافی بہرہ حاصل ہو جاتا ہے۔
چنانچہ اعلیٰ حضرت کی مثال شاہد ہے۔ مگر اس لحاظ سے کہ طلبہ کو
اپنے فرزند ان معنوی پکارتے تھے، اُن کی جدائی کے ساتھ اپنے

یعنی فرزند کی مفارقت کو بھی لازم سمجھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں آمادہ تھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ وہ بھی سلامت رہا۔ اور آل ابراہیم علیہم السلام نے ایسی نعمات و برکات پائیں کہ مسلمان سلطنت کے اوج و عروج میں بھی اُن جیسی نزولِ رحمت کی اپنے لئے دعا کرتے تھے۔ سنتِ حنفی کی پیروی میں یہ تسلی بخش یقین ہونا چاہئے۔ کہ والدین اپنی اولاد کو فدا کرنے پر آمادہ ہوں۔ تو غیر منترقبہ ترقیات حاصل ہونگی۔ چنانچہ افغانستان میں اُس کی تازہ مثال قائم ہوئی ہے۔

برطانیہ میں ”بادشاہ کی انگریزی“ استناد کے طور پر بیان کی جاتی ہے۔ اور ہم بھی کلامِ ملوک کو گفتار کا بادشاہ کہتے چلے آئے ہیں۔ مگر جو استعمالِ زبان کا علّٰی حضرت غازی فرماتے ہیں وہ شاہانِ حال و ماضی میں شاذ ہے۔ ماسوائے رنگین بیانی کے وہ نکتے ایراد کرتے ہیں جو بداعت اور تاثیر میں اہلِ ذوق کے کام میں نبات اور اکیر کا حظِ بخشش ہے۔ اگرچہ اب سات سال سے تُرکی اور ایران کے ساتھ افغانستان کے معاہدے روز افزوں و داد و اتحاد کے ساتھ قائم ہو چکے ہیں۔ مگر شروع میں فرمایا کہ ہمارے معاہدے انگریز اور روس

کے ساتھ افغانی شان و شرف سے منعقد ہو گئے۔ لیکن سلامی سلطنتوں کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان اس لئے تحریر میں نہیں لائے گئے کہ تیرہ سو سال پہلے ہمارے میثاق کو خود خدا نے باندھا ہے۔ اُس کی تجدید کی تسوید ہر وقت ہو سکتی ہے۔

یہ دو امر میں اعلیٰ حضرت نے سو گند کھائی تھی کہ جب تک اپنے باپ کے خونِ ناحق کا انتقام نہیں لوں گا تلوار کو میان میں نہیں ڈالوں گا۔ جب تفتیش اور تحقیق کے بعد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، ذاتِ شاہانہ نے دن بھر کی تقریر کے بعد قتل کو ثابت کیا۔ تو یہ کہہ کر شمشیر کو نیام میں ڈالا کہ پھر اس وقت سونتی جائے گی۔ جب افغانستان کا استقلال معرضِ خطر میں ہو۔ اور غلات میں نہیں کی جائے گی۔ مادامیکہ میری شاہ رگ کاٹی جائے۔ یا مستقل بادشاہ کی حیثیت میں اپنی گردن بلند رکھ سکوں۔

ہر کس نشا سندیہ راز است و گرنہ

ایں ماہمہ راز است کہ معلوم عوام است

سینکڑوں سال لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے سامنے جمیوں اور عیدوں کے

خطبے پڑھے جاتے تھے۔ لیکن ایک عالم خطیب کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوا کہ ایک گام مرام کی طرف پڑھائے۔ اور اس اتفاقی اجتماع مسلمانوں سے استفادہ کر کے اُن کو فائدہ پہنچائے۔ ہزاروں سالوں سے انگوٹھی کا نگین معکوس نقش سے مکاتیبِ قرآنین پر مہر لگانا تھا۔ باوجود اس کے چند سو سال سے مطبعہ عام ہوا ہے۔ حالانکہ وہی سنگریزہ ایک بڑے پیمانے پر اور متعدد استعمال سے کتابوں کو چھاپتا ہے۔ وہی خطبے جو بکرات و مرآتِ عربی میں قرائت ہوتے تھے یا اُن کا ایک معین حصہ سامعین پر موت کا اضمحلال وارد کرتا تھا، شاہانہ فکر کی خستہ راع سے ایسے مطبوع ہو گئے کہ اُن کے ذریعے سے احضار کی زحمت کے بغیر نماز کے ضمن میں مسلمانوں کی تنویر افکار اور اصلاح احوال ہو جاتی ہے۔ ہر جمعہ ایک نئے مضمون پر خطبہ لکھا جاتا ہے۔ مثلاً اتفاق، اتحاد، صداقت، حمیت، استقلال، استقامت، حریت، خدمتِ ملت، حبِ وطن، اطاعتِ اولی الامر، علم و فن وغیرہ پر نقل و عقل کی رُو سے آسان عبارت میں مقالہ طبع ہو کر جوامع کے تمام خطیبوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور پھر وہی ڈاک

میں تمام ولایات کی مساجد میں توزیع کیا جاتا ہے۔ ان مضامین کی اب ضخیم کتاب ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ بعض علما اور وزرا بھی زمانے کے موافق خطبوں میں وقتاً فوقتاً موعظت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور خود ذاتِ شاہانہ تو مسجد کے علاوہ اور کئی جگہوں میں بلاغت کی داد دینے کے لئے منبر پر چڑھتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں میں ایک رخنہ پڑتا ہے جو سینکڑوں سالوں میں سرخ تر ہوتا جاتا ہے۔ اور کوئی اس شیرازہ بندی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ایک اطالوی محرمحاربات کو دول کی بے طرفی کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ اور ایک جانب یا دوسری طرف شمولیت کو صلح عمومی کا آخری علاج قرار دیتا ہے۔ جمل صفین کربلا وغیرہ نے مسلمانوں کی ایک ایسی جمعیت پیدا کر دی۔ جو پہلے تو فریقین میں سے کسی کے ساتھ شریک نہیں تھی۔ پھر گھر میں بیٹھ کر فریق غالب کی مخالفت بن گئی۔ اور ہر روز زمان اتنی قوی ہو گئی کہ خلافت سے پہلے ہارون رشید بھی انہی میں سے تھا۔ جب بادشاہی قبول کر لی تو سفیان ثوری حمتہ اللہ علیہ نے بیعت نہیں

مسلمانوں میں تقسیم نہ ہو

کی۔ خلیفہ خود حاضر خدمت ہوا تو التفات تک نہیں کی۔ مریدوں نے اُن کو امیر المومنین کا لقب دیا۔ چونکہ دو بادشاہوں کی ایک تسلیم میں گنجائش نہیں تھی۔ تفرقہ ظاہر تھا۔

علمائے کرام اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد میں جُدا نماز پڑھتے رہے اور اگرچہ عزلت میں بہت مفید کام بھی کرتے رہے۔ مگر سیاسی اور اجتماعی امور میں داخل نہ ہو کر بہت سی اصلاحات کرنے سے محروم رہے۔ چونکہ ظاہری اعزاز و اقتدار سے دُور تھے مثہم ہو کر دربار خلافت میں طلب ہوتے ہیں۔ الزام سے بری ہونے پر خلیفہ مقتدر فرماتا ہے۔ اگر کوئی خواہش ہو تو بتائیے۔ یونانی حکیم کی طرح جواب دیتے ہیں۔ بس یہی کہ پھر دربار میں مت بلوایئے۔ اس استغنا نے اتنا طُول کھینچا کہ عجیب۔ لیکن دلفریب باتیں ایک بہترین دیب مؤدب نے بیان کیں۔

حزبِ بخر و دستِ مفرما عمل
گرچہ عملِ کارِ بخر و دستِ نیست

حزبِ بخر و دستِ مفرما عمل
گرچہ عملِ کارِ بخر و دستِ نیست

سب سے اچھا بادشاہ وہ ہے۔ جو فقر کی صحبت اختیار کرے۔ اور

سب سے بُرا فقیر وہ جو سلاطین کے ساتھ نشست و برخاست کرے۔
یہ اُخداد و ابعاد کیونکر باہم ملیں

ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہو گئی۔ جنہوں نے
اسی میں راحت و عزت دیکھی۔ کہ گوشہ نشینی میں عقابین کر مشہور ہوں۔
اُن کی حقیقت کو بیدل نے واضح کیا ۵

از فیضِ نارسائی است آسُوگی در پُشت

دستم چو کوتاہی کرد پایے دراز کر دم

بقولِ افلاطون، اگر ایک عالم اس لئے دنیا سے علیحدہ ہو۔ کہ

اس میں جاہل ترقی کرتے ہیں تو وہی جہلا عزت گزین علماء پر حکومت
کرینگے، اس لئے کیا یہی بہتر نہیں کہ علماء دنیا سے الگ نہ ہو کر

اپنی تدابیر سے جہلا پر حکومت کریں؟ مسلمانوں میں اس فلسفے کی

زیادہ رواج نہ ہوئی۔ اور بالٹی کی حکمت کو ترجیح دی گئی۔ بادشاہوں

اور مشائخ میں خلیج حائل زیادہ فاصل ہوتی گئی۔ سلطنتوں میں امام پو

رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی وجہ سے بہت عزت ہوئی۔ اور اولیاء نے

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو افضل جانا۔ کہ قضا کو رد کیا تھا۔ امام اقدی ۵

کی تاریخ بلند درجے سے گر گئی۔ کیونکہ اُس نے حُبِ جاہ سے نبوی
مناصب کو اشغال کر کے عمومی تجربہ بہت حاصل کیا تھا!

ابو الحسن ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خود سلطان محمود غزنوی

حاضر ہوتا ہے، تو فرماتے ہیں۔ کہ خدا کی اطاعت سے فارغ نہ

ہو کر رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سامنے شرمندہ ہوں۔ اولی الامر

کی نوبت کیسے پہنچے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس سخن پر معترض

ہوتے ہیں۔ اور تینوں کی اطاعت کو امر واحد قرار دیتے ہیں،

پھر اپنے پیروں کو ملازمتِ بادشاہی سے کیوں منع کرتے ہیں؟

اسی مخاصمت کی بنا پر مع ایک اور افغان ولی شاہ قاسم سلیمانی،

قلعہ گوالیار کی قید کو بادشاہ مغلیہ کی متابعت سے بہتر جانتے ہیں۔

اور نگنہ یب نے شیخ درویش افغان کو بڑے احترام کے ساتھ

جالندھر سے اپنے دربار میں بلایا۔ مگر انہوں نے مسجد میں بیٹھے

یہ جواب لکھ بھیجا کہ میں شاہ شاہاں کی بارگاہ سے اٹھ کر ایک بادشاہ

کی درگاہ میں جانا پسند نہیں کرتا۔ اس پر خوش ہو کر عالمگیر نے کئی

دہات کی بخشش کا فرمان عنایت کیا۔

درویش افغان

ان حضرات کو لوگ جدا اولی الامر سمجھتے تھے۔ اور یہ سلطنت سے ایسا متنفر تھے کہ ”شعل“ اور ”طعام“ غرض ہر بادشاہی چیز کو حرام جانتے تھے۔ لاجرم نفاق و شقاق جاری رہا۔ جو ہمیشہ کشت و خون، اور شتت و پراگندگی کا باعث ہوا۔ الطف اور احلس دل و دماغ، ان ازمئہ ویرینہ میں مدنیت اور سیاست مملکت سے دور رہے۔ اور نظم و نسق اُن کے فیوض سے خالی رہا۔ بالجملہ دین و دنیا سے جدا ہو گیا، گویا رُوح بدن سے سوا ہو گئی۔ حال خیر القرون میں نہ تھا۔

اعلیٰ حضرت غازی نے اسی کے مطابق وہ اقدام کیا جس کی نظیر تاریخ اسلام میں مفقود ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عید کے خطبے میں منبر سے ارشاد کیا کہ میں نے صرف اپنے حق کا استرا کیا ہے۔ اس سے مراد ہے۔ دنیا اور دین کی امامت، جو حسنات و نیا و آخرت کے حصول کے لئے بادشاہ کے وجود میں مجتمع، اور بادشاہ کو ان دونوں کی راہبری کے لئے استعداد اور قابلیت ہونی چاہئے۔ امور دنیا جس کا متاع قبیل ہے۔ بادشاہ کے ہاتھ میں، اسبابِ فلاح عقبی

جو دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ضروری ہیں، ایسے اشخاص کے تصرف میں جرتابع و محکوم ہیں، ایک مضحکہ ہے۔ اور زندگی جاودانی اور اخلاقی معاملات کی، جس پر دنیوی ترقیات کا انحصار ہے، امانت ہے۔ اگر اہل آخرت یعنی علماء و اولیاء سرکشی کر کے ادا امر حاکم و متنبوع کو نہ مابین توفیقے کا آغاز ہوتا ہے جس سے نجات ابدی بھی تزلزل میں پڑتی ہے۔ ایک اہنمائے اُمت کا سختیوں فرض امر بالمعروف ہے۔ آیا ایک گوشہ گیر شخص جو اسلاف کی معلومات سے اتنا مملو ہے۔ جتنا عالم کے جریانات حاضرہ سے تھی، اُمت کی رفاہ و تعالیٰ کے مصالح میں حکم کر سکتا ہے؟ اُس ذات سے بہتر جو مرتفع مقام پر متمکن، حیات کے نشیب و فراز کو ہر پہلو سے مشاہدہ کرتا ہے، ابراہیم و اشرار کے احوال پر ہر طرف سے واقفیت کے مواقع اسے حاصل ہیں۔ اس کے ہر فعل میں توقیر ہے۔ اور ہر قول میں تاثیر۔ اُس کی حسرت اور سیپاہِ نواہی اور فواحش سے باز رکھنے کے لئے وعظِ ممانعت اور نہی عن المنکر کی امداد کو تیار ہے۔

اعلیٰ حضرت غازی نے عید کے خطبے میں فرمایا کہ ایک ملک کے

مسلمان علاوہ اس رابطے کے جو باہم رکھتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ بھی مداخلت کا وظیفہ بجالانے پر مامور ہیں۔ اور ہمارے اور ان کے درمیان اغیار حائل ہیں۔ جن پر سے گزرا ملکہ سیاسیات کا طالب ہے۔ اور اس کا اہل ایک لائق اور صالح بادشاہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ خیالات اس درد کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو ذات شاہانہ کو دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالتِ زار پر محسوس ہوتا ہے۔ اور اس لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کہ ان میں اخوت اور اس ذریعے سے اتفاق کے نتائج کا ان کو فائدہ ہو۔ آپ نفع رسانی کے عہد بار سے خیر انسان کا مصداق ہیں۔ اور اگر کسی اسلامی ملک میں اسارت کا کانٹا کھٹکتا ہے۔ تو وہ اُن کے دل میں چبھتا ہے۔ اس بارے میں خود غرضی سے آپ بہت مافوق ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی جگہ ہوں، آزادی اور مساوات کی برتری میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس تجویز سے ثابت ہو جائیگا جو بڑی عالی نظری سے شروع کی۔ اگرچہ دوسروں کی کوتاہی سے انجام کو نہ پہنچی۔

اعلیٰ حضرت غازی نے ایسا بدیع تشبہ کیا جس کی مثال پھر تاریخ اسلام میں دکھائی نہیں دیتی۔ کیونکہ پرلے درجے کا ابشار اس میں مطلوب تھا۔ مختلف اسلامی ممالک میں اتفاق اور اتحاد قائم اور مستحکم کرنے کے لئے ترکی ایران اور بخارا کے بادشاہوں کے نام بھی اپنے ساتھ خطبے میں منضم کئے۔ اور جب افغانی منابر سے تمام ملک میں دوسرے اسلامی سلاطین کے اسمائے گرامی بھی لئے جاتے۔ تو ان کی حرمت اور ان کی رعایا کی محبت بھی مقتدیوں کے دل میں جاگزیں ہوتی تھی۔ چند سال افغانستان میں یہ رسم ادا ہوئی۔ اور اگرچہ انقلاب نے ان بادشاہوں کو رہنے نہ دیا۔ کیونکہ ان میں سلطنت کی لیاقت نہ تھی۔ مگر وہ رسم اپنا اثر چھوڑ گئی۔ مطلب عامی مل کے ساتھ الفت و اخوت تھا، جو افغانوں کے دلوں میں سما گئی۔

اعلیٰ حضرت غازی نہ صرف دوسری اسلامی ملتوں کو افسانہ کے ساتھ مربوط کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کو آپس میں بھی متحد رکھنے کی سعی جمیل کرتے ہیں۔ اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کوشش تبلیغ

ہو۔ شہرت یا منت گزاری کا اس میں شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ
 اسی سال ترکی اور ایران میں لڑائی جاری ہونے کو تھی۔ بلکہ چھڑ گئی
 تھی۔ مگر اعلیٰ حضرت غازی کی خاموش اور ستقیم جدوجہد سے مصالحت
 کی صورت قائم ہو گئی۔ ❖



(واقفیت نہیں رکھتے)

دماغی اور عملی وسعت اور مساوا

اعلیٰ حضرت کا دل و دماغ، قوا و حواس کی صحت و سلامت، اور فکار و درکات کی کیفیت و کمیت کے علاوہ، ایسے متنوع اور متعدد خواص کا مالک ہے۔ کہ اس کا مقابلہ عظام کے سیر کے حوالے سے خوب طرح کیا جاسکتا ہے۔ بقول ابن خلدون وافر معلومات کے ساتھ اسی اندازے سے انتظامی قوت کم ہو جاتی ہے۔ مگر ایوانی حکما طلبہ کو تجارت کے اشتغال سے منع کرتے تھے۔ اور چونکہ تحصیل علم عمر بھر جاری رہتی تھی۔ اس لئے علما حضرت میں کوئی واقفیت نہیں کھتے تھے۔ باوجود اس کے اسلام نے ایسی نئی قوت کا اضافہ کیا کہ بہت سے مسلمان علوم و اعمال میں جامع کمال ہو گئے۔ بعض تو اس قدر فوق العادہ علویت کو نائل ہوئے کہ ان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہوئے دستاویزیت گرنے کو مائل ہوتی ہے۔ مثلاً ابن زہر جبکہ وزارت عظمیٰ کے ہمہ اوقات گیر وظائف کو بوجہ حسن ایفا کرتا تھا۔ تو معاً

حکمت اور طب میں ایسے تلامذہ کو درس دیتا۔ جو اندلس سے باہر
یورپ کے اساتذہ بنے۔ محققین اس کے دماغ کو ارسطو سے اٹھائیس
حصے زیادہ وسیع و دقیق قرار دیتے ہیں، امام غنیم اور غوث اعظم
جوفتہ اور تصوف میں مجتہدانہ توکل کرتے تھے۔ ایسی سوداگری میں بھی
مشغول ہو سکتے تھے۔ جو چین تک سے منافع لاتے تھے۔ علی ہذا القیاس
خواجہ اصرار جب لاکھوں آدمیوں کو شریعت و طریقت میں راہ توحید
و توفیق دکھا سکتے تھے تو لاکھوں بھیڑوں کی مالداری بھی کر سکتے
تھے۔ جن کو ایک ایک لاکھ کے گلے مختلف رنگوں کے اعتبار سے
منقسم ہوتے تھے۔ ایسی امثالہ غیر مسلم تاریخ میں نہیں پائی جاتیں۔
اور مسلمانوں میں بھی حکمائے الہی کے بغیر بادشاہوں میں نادر ہیں۔
اعلیٰ حضرت غازی نے ابتدائے سلطنت سے اب تک باوجود
اشتغالات داخلی و خارجی تقریباً ایک سو قوانین کی کتابیں تالیف
و تصنیف کی ہیں۔ اور ہزاروں ابلاغات علاوہ ہیں جو آپ کے ایسا
اور مطالع اور صلاح سے طبع اور نشر ہوئے۔ قانون کی کتاب کا
کوئی فقرہ پڑھا نہیں گیا۔ جو شہر یاری وقت نظر سے نہ گذرا ہو۔

اور الفاظ و معانی میں متبادل نہ ہو ا ہو۔ سب نظام نامے آپ کی تصحیح بلکہ تجویز سے مرتب ہوئے۔ اور اُن کا سلسلہ جاری ہے۔ علوم و فنون میں الطف و اشرف قانون ہے۔ ابو حنیفہؒ ابوسینا سے بڑھ جاتے۔ مگر انہوں نے قصداً طب کو ترک کیا۔ اور بلند تر علم میں سب سے فضیلت لے گئے۔ فقہ و قانون کے متعلق اہل علم و فن ادارہ و حکومت، اور تمام خلقت کے انفرادی و اجتماعی عدل و آسائش کا تضمن و ذمہ ہے۔ بالخاصہ قانون کو علوم و فنون کا بادشاہ کہہ سکتے ہیں، چنانچہ بادشاہ اپنے پایہ ارفع اور علاؤ اوسع کے حیث سے دولت کو جمع دواڑ اور ملت کے کافہ طبقات سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ اور بروایت بعضے انگریزی میں کلمہ کنگ یعنی بادشاہ علم سے مشتق ہے، اسی کے شایان شان ہے۔ کہ قوانین و نظامات کی ترتیب و تشکیل کو سب سے اعلیٰ و اولے سرانجام دے۔

اعلیٰ حضرت غازی نے راسخ مسلمان کی حیثیت سے شریعت کے اتباع میں اُس کی موافقت و مطابقت کا لحاظ رکھ کر مملکت کے

قواعد و ضوابط کو تدوین و نافذ کیا۔ اگرچہ اصل و اساس میں ثابت و قائم ہے۔ لیکن یہ مجموعہ قوانین فروع و تضاعیف میں تابع تغیرات ہے۔ جو اقتضائے وقت اور احوال رعیت کے لحاظ سے اگر تبدیل نہ ہو تو تکالیف اور شکایات کا مورث ہوتا ہے۔ لہذا ان توجہات اور گرانمایہ اوقات کے علاوہ جس سے ذات ہمایونی نے برسوں شبانہ روز زحمات سے نظام ناموں کی تسوید اور اشاعت میں موفقیت حاصل کی ہے۔ مزید التفات اور پیش بینی مطلوب ہے۔ تاکہ ضرورت کے مطابق اور مطالبہ معرلت کے موافق، مناسب اصلاح و ترمیم ہوتی رہے ۛ

جب ان سب اصلاحات اور تحریکات کا مرکز اور بانی صرف ذات شہریاری کو دیکھتے ہیں۔ توجیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی ایک قانون بخشی شاہان شاذ ہے۔ چہ جائے کہ اس کی اجرائیات کے متناوی ملا حظے کی ندرت اس پر اضافہ ہو! پھر اسے سب سے پہلے اپنی ذات پر بھی عائد کریں ۛ

تفرقہ فیما بین سلاطین و ائمہ دین ایک کرم تھا۔ جو شجرہ سلطنت کے

اختتام اور سر بلندی کے باوجود، اُس کی جڑ کو کھارہا تھا۔ اور آخر اس کو
 سکھا کے رہا۔ اس کے پہلو میں دوسرے درخت سرسبز ہو کر
 اُونچے ہوئے۔ اُن کا سایہ آس پاس پڑا۔ اور اُس کے نیچے جو پودے
 اس خشک درخت کی رہی سہی جڑوں سے نکل کر بڑھے نہ تو آزادی
 سے سر نکال سکے اور نہ ہی پھلے پھولے۔ آیت اطاعتِ خدا و رسولؐ
 و اولی الامر کی تعمیل کو بادشاہ و شاہ پرست اکراہ اور تلوار کے زور
 سے کرواتے تھے، مگر اس کا دوسرا حصہ فرو گذاشت کیا جاتا تھا۔
 اگر تمہارے درمیان نزاع ہو تو حکم اور ہو۔ اگر کوئی عالم یا ولی تفسیر
 کرتا کہ اگر بادشاہ اور رعایا میں کسی چیز پر اتفاق رائے نہ ہو تو خدا
 و رسولؐ کی طرف رجوع ہو، یہ اظہار اس کے عزل یا قتل کا موجب
 ہوتا۔ چودھویں صدی محمدی ایک عجیب منظر پیش کرتی ہے۔
 جس کی نظیر تاریخ میں نظر نہ آ کر گمان ہوتا ہے۔ ع

آنچہ مے بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

شجرہ طیبہ پھر اس استواری کو پہنچنے کے قریب ہوتا ہے جب
 اس کی اصل ثابت اور فرع آسمان میں ہو۔ اور ہر آن ثمراتِ بخشے۔

ماسوائے عمومی معاملات کے جن میں اعلیٰ حضرت متنازع مسائل کو خدا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع دیتے ہیں، خصوصی جھگڑوں میں بھی یہی حالت ہے۔ ایک ادنیٰ فرد رعیت آپ پر دعوے کرتا ہے۔ ولایت کابل کے محکمے میں جاتے ہیں اور مدعی کے برابر بیٹھ کر سب سوالات کا ادب سے جواب دیتے ہیں، اور یہ بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ بادشاہی لحاظ سے صرف نظر کر کے فیصلہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ قوانین اور عدالت کے نظام کو آپ نے مرتب و متشکل کیا ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق اپنے پر سب سے مقدم رکھتے ہیں۔ اور اپنے قریبی عزیزوں اور بزرگوں کو بھی اس کا تابع بناتے ہیں۔ اگرچہ ان پر جس ہی کا حکم کیوں نہ لگے ۛ

ان مجادلات و مناقبات کا سبب جس نے ترکہ کی اور ایران کو زیر و زبر کیا تھا، اور بخارا کو تو خاک ہی میں ملا دیا، اور غیروں کو اختلال کا موقع دے کر ترقیات کے موانع پیش کئے، جس کے غیاب نے جاپان کو ایک قوی و معظم دولت بنا دیا، اس کیلئے

اعطا اور دوسروں کے لئے ایسے قانون تھا۔ یہ مرحلہ سب ہی اقوام کو طے کرنا پڑتا ہے۔ فرانس میں مستبد حکام اور قانون طلبیوں کا لہو بہ کر دنیا بھر میں انقلاب کو مشہور کرتا ہے۔ برطانیہ میں لاکھوں آدمی تہ تیغ ہوتے ہیں۔ تاکہ سینکڑوں سالوں کے بعد داخلی آزادی ملت نصیب ہوتی ہے۔ اس وقت سے جب ایک بادشاہ تاج اتار پھینکتا ہے کہ میرا امتیازی اقتدار نہ رہا تو یہ بھی لے لو، اس زمانے تک جب دوسرا جان سے مارا جاتا ہے، کس قدر کشت و خون ہوتا ہے جو انگریزی حقیق میں وہ نعمت علی الزعم بادشاہ، اُس کے اختیارات سے سلب کی جاتی ہے، جو اعلیٰ حضرت غازی نے اپنے عظیم کرم سے بلا شائبہ جبر و اکراہ، مفت و رائگان بخش دی نظام نامہ اساسی میں درج ہے :- کوئی شخص امر شرعی اور نظامات مقتنہ کے بغیر تحت توقیف نہیں لیا جاسکتا۔ اور اس پر مجازات جاری نہیں ہو سکتی۔

وامبرے اسلام میں ہر گونہ علم و فن کی ترقیات اور اُن کے مؤیدات کا معترف ہے۔ اور ہمارے زوال کا باعث بادشاہوں کی

بے لگامی کو قرار دیتا ہے، جنہوں نے مطلق العنانی سے تن پروری میں پڑ کر رعیت کی داد نہ دی۔ عدل و مساوات مسلمانوں سے رخصت ہو کر مغرب میں جا بسی۔ نظامی ایک کافر شہزادے کے محکوم بجزا ہونے پر بیان کرتا ہے۔

کجا آل عدل و آں انصاف سازی کہ با فرزند ایناں رفت بازی
سیاست میں کہ میگردند از پیش نہ بایبگانہ باد و دانہ خویش
کنوں گر خون صد مسکیں بریزند ز بند یک قراضہ برنجیزند
جہاں زاتش پستی شد چنان گم کہ باد ازین مسلمانان تراشرم
مسلمانیم ما او گبر نام است کہ زین گیری مسلمانان کد ام است

اعلیٰ حضرت غازی نے یہ تنقید حال شاہدہ کر کے کہ علم و عدل سے غرب روشن اور استبداد و جمل سے شرق تاریک ہے، اسلامی غیرت اور ملی حمیت سے جو شاہی شخصیت کی نقیض ہے، ایثار نفسیت نثار سے ایسا خورشید طالع و شائع کیا جو عام و خاص پر یکساں چمکتا ہے اور بعض متہمدن ممالک کی طرح شاہی خاندان اور اکابر کو متمیز نہیں جانتا۔ اس سے پہلے افغانستان میں بھی یہ تفاوت آشکارا تھا۔ سرداروں اور خواہین کی خطاؤں سے درگزر اور صرف نظر کی جاتی۔

اگر سیاست تقاضا کرتی تو چاندی کی نازک بیڑیاں پہنائی جاتیں۔
 جنہیں قیدی حسب خواہش اُتار بھی سکتا۔ یہ فرق مبینی تھا اس خیال پر
 کہ باوجود بارش کے معادلانہ لطائف کے، باغ میں لالہ اور شورہ بوم
 میں خس ہے۔ ایک کو پرورش اور آبیاری کی ضرورت پڑتی، اور
 دوسرے کو صرصر بھی برباد نہیں کر سکتی۔ ایک توران کے بادشاہ
 کی نسبت منقول ہے کہ اسیر ہو کر قتل کا محکوم ہوا۔ صرف ایک میلہ
 کپڑا اپنے پر ڈالنے سے جان بحق ہو گیا۔

باوجود اس قسم کی روایات کے اعلیٰ حضرت نے پوری مساوات
 اور کامل عدل سے کام لے کر قانون کے سامنے کسی کو کوئی امتیاز
 نہیں دیا۔ اعلیٰ حضرت کے اقارب میں سے ایک بہت عزیز اور مکرم
 شخص کسی قانونی خطا کے ارتکاب پر منضبط تحقیقات کے بعد جب
 جرم ثابت ہوا تو قید میں بھیجا گیا۔ یہ پہلا واقعہ تھا جس سے لوگوں کو
 معلوم ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت غازی عدل و مساوات میں مطلق کوئی فرق
 نہیں کرتے۔ مگر ابھی اگر کچھ شک رہ گیا تھا۔ تو دوسرے واقعے سے
 قطعاً رفع ہو گیا۔ ایک اور بزرگوار جو متعدد وزراء کا بمنزلہ قبلہ اور

بعض اعظم ملت کا برتیبہ کعبہ اور خود ذاتِ شامانہ کا بمقامِ نانا، سابق اور حاضر سلطنتوں میں بعمدہ نائب الحکومہ سرکار تھا۔ اسی منصب کی حالت میں ایک عمل پر جو خلاف ورزی قانون تھا۔ تختِ محاکمہ لایا گیا۔ اور قاعدہ شورے میں پیش ہونے کے لئے ہرات سے بلایا گیا۔ اثباتِ جرم پر جب جزلے عیس ملی۔ تو اعلیٰ حضرت غازی نے عفوِ شامانہ کا بھی مورد قرار نہیں دیا۔ تاکہ یہ شبہ بھی نہ رہے کہ حقوقِ خاص بادشاہی عزیزوں اور بزرگوں کے لئے ہیں، بوڑھا معزز اور محترم مجرم قید خانے میں ڈالا گیا۔

ان مثالوں سے ایسی عبرت ہوئی کہ وہ سردار اور اعیانِ دولت و ملت جو اس طرح کی مجازات سے بلند سمجھے جاتے تھے۔ وقفہ دراز دستی سے باز آ گئے۔ اور سب کو طوعاً یا کرہاً اطاعتِ قانون کا ہر وقت خیال ہو گیا۔ خلیفہ اول کا ارشاد پورا ہوا کہ ظالم کو مظلوم اور ضعیف کو قوی کے مساوی بناؤں گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو فریب نہیں دیا۔ اور نہ کسی سے فریب کھایا۔ اس لئے ہوشمندی اور بیداری لازم ہے۔

تاکہ صلاحیت سے کسی پر تعدی نہ ہو۔ اور صلاحیت سے کوئی
جبر نہ کر سکے۔ ع

مردِ آخر میں مبارک بندہ ایست
ان باتوں کے متعلق پھر پہلے سال کی طرف رُخ کرتے ہیں ۛ



خلوت میں خلوت بلند نظری اور فاشیائی

اعلیٰ حضرت رات کو محل کے ایک کمرے کے گوشے میں خفیہ اطلاعات پڑھ رہے ہیں۔ لفافوں کی تعداد میز پر ساٹھ ستر ہو گئی۔ جب تک سب کو مطالعہ نہ کر لیں، اٹھیں گے نہیں۔ چونکہ نئی سلطنت ہے۔ لامحالہ اندیشے اور تشویش کی خبریں بھی ہونگی۔ مگر کبھی اس کا اثر ظاہر ہونے نہیں پاتا۔ ٹیلیفون میں استفسار اور استسطاق بھی کرتے ہیں۔ کبھی مزید تدقیق کے لئے بعض اشخاص کو بلا تے ہیں۔ جو برقعے میں حاضر ہوتے ہیں، اور نخلیئے میں ان کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ کنج خانہ میں بیٹھنے کا یہی سبب ہے۔ جس کے دوسرے کونے میں مصاحب غیرہ بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک دو یکے بعد دیگرے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایسی خاموشی سے کہ حضور بادشاہی کا تقاضا ہے۔ اور دیے پاؤں نکل کر برآمدے میں جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ایک طویل تحریر کے پڑھنے میں مستغرق رہ اٹھائے

بغیر کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں اُٹھ کر باہر گئے۔ اور باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کے لہجے سے مسرت مترشح ہوتی ہے۔ کیونکہ خدام عظام جو آہستہ آہستہ باہر گفتگو کر رہے ہیں۔ اور اُن کی آواز تیسرے کو سُنائی نہیں دیتی، آپس میں دوستی رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں رفقاء صمیم جویم کے منازل ایسے بلند دکھائے گئے ہیں، جیسے دنیا میں ستارے۔ لحن اور چہرے سے ایک حد تک دلی کیفیت پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ آواز بن سنے اور سیما بن دیکھے، اشخاص کی تشخیص اور اُن کی ظاہری و معنوی حرکات و سکنات پر علم آوری البتہ فوق العادہ فراست اور ذہانت ہے۔

غزوہ اُحد میں جب ہنگامہ کارزار مسلمانوں کے خلاف گرم تھا۔ جناب اسد اللہ غالبؓ نے سخت پیاس محسوس کر کے پانی طلب کیا۔ شہد لایا گیا چکھتے ہی فرمایا کہ طائف کا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چیونٹی کی آہٹ سن لیتے تھے۔ حالانکہ آپ کا دماغ تفکر اور تدبیر سے کبھی فارغ نہیں ہوتا تھا۔ بزرگوں کے جو اس کماں لطافت سے ہر طرف متوجہ رہ کر کبھی خطا نہیں کرتے۔ بلکہ بیم و ہراس

کے اندازے سے قومی ہو کر حسب موقع ایسی تدبیر سوچتے ہیں۔ جو
 اوروں کے لئے معمشى اور افزہ ہوتی ہے۔ تیمور پویہ جارہا چند قدم
 آگے ایک گہری غار دیکھتا ہے۔ ایک دولہے میں گر کر چکنا چور ہو جاتا
 اگر فوراً تلوار نکال کر گھوڑے کا سر نہ اڑا دیتا۔ ایک مصوّر بلند عمارت
 پر نقش کر کے اس کا معائنہ کرتے اُلٹے پاؤں پیچھے کو ہٹتا ہے۔ تختے
 پر سے نیچے گر کر ہلاک ہو جاتا، اگر اُس کا شاگرد رشید دفعۃً آگاہ نہ
 کر دیتا۔ اُس نے تصویر پر فوراً رنگ چھڑکا جس سے نقاش غصے
 میں آگے بڑھا۔

جب اعلیٰ حضرت اس خفیہ مطالعے میں مصروف تھے۔ اعیانِ دربار
 آہستہ آواز میں ایک اخبار کا مذاکرہ کرتے تھے۔ جس میں اکیس کروڑ روپیہ
 انگریزوں کا موجودہ محاربہ افغانستان میں صرف ہونے کا ذکر تھا۔
 ذاتِ شامانہ نے ٹیلیفون میں خزانہ دار سے کچھ پوچھا۔ اس کے بعد
 ایرتھ میسٹر سے جو میز پر پڑا ہوتا ہے۔ حساب لگا کر اہل مجلس کو بتایا
 کہ لڑائی ختم ہونے پر ساٹھ لاکھ روپیہ پہلے سے زیادہ وزارتِ حربہ
 کے پاس موجود تھا۔ اعانہ جہاد بھی اس میں شامل تھا۔ جو ملت نے

کھلے دل سے ادا کیا تھا۔ اور اس میں جبر کجا کوئی خاص ترغیب بھی نہیں تھی ۔

اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ اور ایک کروڑ یک مشت کی جو استقلال کی قیمت ٹھیرائی گئی تھی، بیروانہ کی۔ حضرت مسیح کو دنیا کی سلطنت کی کلید پیش کی گئی۔ مگر ان کی نظر آسمان کی بادشاہی پر لگی ہوئی تھی۔ جو اس جہان پر بھی حاوی ہے۔ سلطان محمود نے روپیوں کے ڈھیر پر لات ماری اور ”لات“ فردشی سے بھاگا۔ پس ”ضرب یمین“ نے سومات سے، اس سے زیادہ ثروت ہاتھ لگائی ۔

جب اعلیٰ حضرت مع خدام جان تشارکف استقلال کی محافظت میں مشغول تھے تو ہر جائز جیلے اور وسیلے سے وہ خزانہ جو ضیاء الملت والدین نے معمور چھوڑا، اور اعلیٰ حضرت نے اُسے خالی پایا تھا، پھر بھر پور ہو گیا۔ سابق عہد میں جو اخراجات زاید اور غیر مفید تھے اور یہ شمار کے دائرے سے بعید تھے، بعضے یک قلم اور دوسرے بتدریج موقوف کئے گئے۔ حرم سرائے میں سینکڑوں لونڈیاں خوراک پوشاک اور زیورات میں شیرازہ حصہ اڑھتیں۔ کئی دن یہ قابل دید منظر

جاری رہا۔ جب والدین اور بھائی بند برسوں کی فراق زدہ لڑکیوں اور بہنوں کو سراپہ علیا سے معمولی سواریوں پر لٹے لٹے جاتے تھے جو ان کے لئے موٹر سے زیادہ راحت بخش تھیں۔ اس تحریر قبۃ مومنہ سے طرفین کو مالی اور معنوی فوائد پہنچے :

پہلے بادشاہوں کے ارد گرد، خاص غلام نیچے، حضوری غلام نیچے، سروس، میر سپور، رکابی پروانے وغیرہ، جھنڈوں کے جھنڈ، البتہ فاخرہ میں بڑی بڑی تنخواہوں پر متعین رہتے تھے۔ ان میں سے چیدہ اہل و صالح اشخاص کو خدمات پر رکھ کر دوسروں کو ملک خدا میں چھوڑ دیا تاکہ اکتسابِ نافع سے اپنا پیٹ آپ پالیں۔ اس تحلیلِ چشم سے بادشاہی شان میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ البتہ خزانے اور ثروتِ ملت میں افزونی ہو گئی :

دارالسلطنۃ وغیرہ کے تمام مشین خانوں میں اسلحہ سازی اور دارالضرب سے لے کر شہینہ بانی اور بوٹ دوزی تک ہزاروں فضول مزدور برطرف کئے گئے۔ پھر طرفہ یہ کہ سابق کی نسبت حاصلِ مضاعف ہو گئیں۔ کیونکہ ہر کام کی تکرانی ہوئی۔ اور سارے عملے

نے فعالیت اختیار کی ہے

خوئے شاہاں در رعیت جا کند
چرخ اخضر خاک را خضر کند

گذشتہ عہود میں بہت سامان اور متاع تحویل خانوں میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ جس کی قیمت سے اُن کی نگہداشت منگی پڑتی تھی۔ غیر ضروری اشیاء کو بکوا کر لوگوں کو ماعون سے نفع پہنچایا۔ اور انگریزی شل پر عمل ہوا کہ استعمال سے کسی چیز کا خراب ہو جانا بہتر ہے نہ کہ زنگار سے *

اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ سابق عہد میں اگرچہ مزدوروں کو اجرت کم ملتی تھی۔ بلکہ ملتی ہی نہیں تھی، پھر بھی عمارتوں اور سڑکوں پر بے اندازہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ ایام شہزادگی میں آپ نے قصر عین لعمارت بنوایا۔ جس میں اب ایک اسلامی سفیر کا قیام ہے۔ کیونکہ دونوں کے ساتھ آپ کو خاص اُلفت ہے۔ اُس کی تعمیر میں آپ بے اجورہ کام کر سکتے تھے۔ مگر رواج کے خلاف ہر شام مزدوری ادا کر دیتے تھے۔ بادشاہی کے ابتدا ہی میں اعلیٰ حضرت نے بیگار کو قطعاً ممنوع و موقوف کر دیا۔ جس سے ادنیٰ طبقات رعایا کو خوش حال و فارغ خیال بنا کے بیت المال

معنوی کو بھردیا *

بہت سی سکری املاک ہر ولایت میں عیث پڑی تھیں۔ یا طعمہ حرم
ہو رہی تھیں۔ اُن کی آمدنی اتنی تھی کہ حیب فروش کو پہنچیں تو مالیات اس
سے زیادہ وصول ہونے لگے۔ اور خریداروں نے اتنا فائدہ اٹھایا
کہ قیمت کی اقساط آسانی سے ادا کرتے رہے۔ جس سے دولت کو
متواتر اور معتد بہا منفعت پہنچی *

۱۔ شیر بر نے نعل بادشاہ کو چند باتیں کہی تھیں۔ جن میں ایک یہ تھی کہ زمین اپنی وہی ہے جو
آنکھوں کے سامنے ہو۔ اور روپیہ اپنا وہ ہے جو پاس ہو۔ اور عورت وہ جو ساتھ
ہو۔ چونکہ بادشاہ کی املاک اور خزانہ اور حرم سرائے وسعت کے سبب ضرور ہے۔
کہ دور ہو، بھیس بدل کر آزمانے کے لئے نکلا۔ جہاں کہیں اراضی اور مکانات دیران
پڑے تھے، سکری (یہی حالت افغانستان میں تھی) حکایت کو مجبوراً ختم کرنے کے لئے
بیان ہوتا ہے کہ واپسی پر کوئوال کے ہاں ایک حرم کی رہنے والی کو دیکھا۔ جس نے
بادشاہ اور وزیر کو پہچان کر ان کے درپردہ قتل کا قصد کیا۔ جلا د کو روپیہ دے کر
جان بچائی۔ جس سے تینوں باتیں پوری ہوئیں *



اقتصادیات کے کات و مقایسات

سابق الذکر کفایت شعار یوں میں یہ بھی شامل ہے کہ اعلیٰ حضرت نے پہلے سال سب عمارتوں اور اُن کی تزئینات کو متروک یا ملتوی کر دیا۔ باغوں اور سڑکوں کے نوکر چاکر کم کئے گئے۔ ولایات میں حکام کے نام قرائین صادر ہوئے۔ کہ درباری ضیافتوں کو بند کر دیں۔ ہزاروں چنگے بھلے اشرف جو سرکار سے مفت نقد و جنس کثیر المقدرہ تنخواہیں کھاتے تھے۔ ہمیشہ کے لئے اس بادشاہی حکم سے متاثر ہوئے۔ جس کی رو سے کسی کو بدون خدمت اجرت نہیں مل سکتی۔ بیت القراء بھی موقوف کیا گیا۔ جس پر سالانہ ستر ہزار روپیہ صرف آتا تھا۔ لوگوں کے نزدیک یہ درس گاہ مقدس تھی۔ اس لئے ایک طرح کی حسرت واقع ہوئی۔ اور احتمال ہے کہ ناظرین میں سے بعض اب بھی اسے حیرت سے تلمقی کریں۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اس رقم کا زیادہ حصہ ضائع ہوتا تھا۔ چنانچہ اصلاح یوں ہوئی کہ نابینا محتاج

دولت کی مدد سے قرآن حفظ کریں۔ اور باقی اپنے خرچ پر مخیر ہیں۔
 اس طرح صرف تین ہزار روپے درکار ہوئے۔ قرآن مجید کے
 حفظ کرنے پر اس کا سمجھنا مقدم ہے۔ اور اس کے سمجھنے کے لئے
 صرف سچو لازم ہے۔ سمجھنے سے زیادہ اس کا سمجھنا افضل ہے اور
 اُس کے سمجھانے کے لئے اکثر علوم و فنون سے واقفیت ضرور ہے
 لہذا بیت الحفظ کی مانند مؤسسات صرف عوام کے نزدیک مقبول
 ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس عصر میں قاری اور حافظ مفید نہیں ہیں۔
 جب تک کہ اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ نہ ہوں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے
 باوجودیکہ شروع میں کوئی دفتر ادارہ محکمہ شفاخانہ وغیرہ نہ چھوڑا
 جس میں مصارف کی تقبیل نہ کی ہو، سوائے معارف کے جو پہلے سال

۱۔ بعض کی دلچسپی کے لئے یہ ذاتی ذکر کرتا ہوں کہ میں نے علیگڑھ کالج میں ایک آیت
 روزانہ حفظ کرنی شروع کی جس کا تکرار نماز میں کر لیتا۔ اور اس حساب سے چالیس
 برس کی عمر میں حافظ ہو جاتا (ساتھ ہی ایم۔ اے میں عربی بھی پڑھتا تھا) کابل میں آیا
 تو دس سیپائے تقریباً یاد تھے مگر محبس میں تیس سال کی عمر میں باقی میں حفظ کر لئے۔
 تین ہزار کے قریب کتابیں بھی پڑھیں۔ مگر شاید یقین مطالعہ کو ایسا موقع نصیب نہ

اپنے حال پر رہی۔ دوسرے سال دو چنڈا اور اسی طرح ہر سال بڑھتے
 بڑھتے اب سو حصے زیادہ ہو گئی۔ باقی سب وزارتوں میں کم و بیش
 تخفیف کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ خزانہ جو بارانِ دخل کے نہ ہونے
 اور وجاہِ خرج کے بہنے سے خشک ہو رہا تھا۔ تھوڑی مدت کی قسادی
 مساعیات سے پھر سیراب ہو گیا۔

پیشتر بیان ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے تدوینِ قانون میں کتنا حصہ لیا۔
 اُس کے ساتھ ہی تجارت کے فروغ دینے میں کوشش جاری رکھی۔
 عین المال سے خرچ کر کے دکانیں بنوائیں۔ زمینوں کی ترقی اور
 سوداگری میں اقدام کیا۔ جس سے نہ صرف اپنے اقربا اور غریبوں کی
 معاونت کا ذریعہ استخراج کیا۔ بلکہ عمومِ ملت کے سامنے ایک قابلِ
 تقلید نمونہ پیش کیا۔ ملت کے ایک فرد کے طور پر تجارت اور
 صنعت کی شرکتوں میں شامل ہو کر دوسروں کو جلد منفعت کی
 عملی ترغیب دی۔

جیسا کہ ”شرکیوں کی ہنڈیا چوراہے میں ٹوٹتی“ سنی گئی ہے۔ انگریز
 بھی کہا کرتے تھے کہ ”مشرک سرمایہ کی جمعیتوں کا جسم نہیں جسے دنیا

میں لات ماری جائے۔ اور رُوح نہیں جس پر عقبیٰ میں لعنت کی جائے“
 اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِّسْتِثْنَاءِ قَلِيْلٍ
 بیان ہوئی ہے۔ جب تمام جہان میں شرکت اور خلطت کے ظاہری
 اور روحانی موانع موجود ہیں۔ اور فی زمانہ اقوام کے ازلی تنازع میں
 تغلب بلکہ بقائے محض قوت پر اور قوت ثروت پر منحصر ہے، اور
 مسافر و تجارت کا مسابقہ دنیا کے مجموعی سرمایہ داروں کے ساتھ لمبی تنگ
 و دو میں لامحالہ خسارے کا موجب ہوتا، اعلیٰ حضرت نے مستقیمانہ
 توجہات سے اس مسئلہ میں اشتغال کیا۔ سودا گروں کو اپنے مفاہمات
 اور مفاہمات سے آخر قائل کر لیا جو سابق عہد کے مارگزیدہ اب رسی سے ڈرتے
 تھے ذاتِ شایانہ نے اپنی نصیحتوں اور عملی کارروائیوں سے ثابت کر دیا
 کہ گزشتہ بادشاہی کی ناکام شرکت جہاں سحرہ اور یہ عصائے موسیٰ ہے
 جس سے مالی اور ملی منافع حاصل ہونگے وَلٰی فِیْہَا مَآرِبُ اٰخِرَآءِؕ
 جیسا کہ یورپ دیرینہ ازمنہ سے متمتع ہو رہا ہے۔ متعدد شرکتیں

۱۔ اکثر شرکیہ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ سوائے ایامداروں اور صالح

لوگوں کے اور وہ تھوڑے ہیں *

۲۔ میرے لئے اس میں اور بھی ضروریات ہیں *

محکم اساس پر قائم ہو گئیں۔ اور افغانستان کی تجارت کا جدید دور شروع ہوا *۔

پہلے تجارت کا محصول نقد نہیں لیا جاتا تھا۔ اس لئے سودا گروں کے ذمے بڑی بڑی رقمیں برسوں باقی رہ جاتی تھیں اور بعض تلف ہو جاتیں۔ اقتصادی بے خبری سے تاویہ نقد پر تجارت نے شکایت کی۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد سب مطمئن ہو گئے۔ باوجود رُوسی تجارت میں اختلال کے ہر سال محصولات میں معقول از یاد ہونے لگی۔ خود اعلیٰ حضرت ہر سال دائرہ گمرک میں تشریف لے جاتے اور سواگری کی اصلاحات و ترقیات پر نطق فرماتے۔ مدیر اور بڑے تاجروں کو تمنغے انعامات اور خلعتیں بخش کر دولت اور ملت کے ارکان تجارت کی حوصلہ افزائی کرتے۔ وزارت تجارت منفرد اور مجتمع سوداگری کے امور میں انتظام و انصرام کر رہی ہے۔ اور اعلیٰ حضرت بھی ہنائی فرما رہے ہیں *۔

ایک دفعہ شہر نشین اور کوچی تاجروں کو اپنے حضور میں بلا کر مختلف مضامین پر بحث کر رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ تم ہندوستان

میں بعض تجار کو دیکھتے ہو۔ جن کی ثروت ہمارے بادشاہ سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن وہ عزت جو تم میں ہر ایک کو حاصل ہے۔ کیا ان میں سب سے زیادہ متمول کو نصیب ہے؟ تم آزاد ہو۔ اور تمہاری آزادی کا دار و مدار استقلال پر ہے۔ اور اس کی محافظت محصولات سے ہوتی ہے۔ جس کی زیادتی تمہاری ہمت اور مجاہدیت پر موقوف ہے، اگر سستی کرو گے تم خود بھی کم نفع پاؤ گے اور دولت کو کم فائدہ پہنچاؤ گے۔ اور خیانت کا خمیازہ اول اور آخر تمہیں کو بھگتنا پڑے گا۔ تم اموال کے ساتھ جہاد کر رہے ہو۔ اور تمہارے دوسرے بھائی انفس کے ساتھ۔ اور البتہ اس سے بڑھ کر فعل ثواب نہیں ہو سکتا۔

ان شفاہی مواظ کے سوا اعلیٰ حضرت شہادوں کے ذریعے بہت سی نصاب ابلاغ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک اعلان میں جس کا عنوان ”لان القرض مقراض المحبہ“ تھا۔ تاجروں اور خریداروں کو قرض دینے لینے سے ممانعت کی۔ اور تہدیداً بیان کیا کہ آئندہ

لے بایں لا تصارف کو بیخبر

خرید و فروخت کے قرض کے دعووں کی شنوائی محکموں میں نہیں ہوگی۔
 ذات شامانہ ایسے معاملات میں اتنا اشتیاق رکھتے ہیں کہ جب یہ ہشتار
 آپ کی تصویب کے لئے تقسیم ہوا تو تامل کے بعد فرمایا کہ کوچی سوداگر
 ہزارہ جات وغیرہ میں اپنا مال ایک موسم میں مستعار دیتے ہیں اور دوسرے
 میں اُس کا مبادلہ لیتے ہیں، اُن کو قرض کے بارے میں مستثنیٰ رکھا جائے۔
 اس کے علاوہ علحضرت نے جرائد اور اعلانات کے ذریعے سے
 بہت سی مفید ہدایات فرمائی ہیں۔ اور یہ علیحدہ رسالوں کی صوت میں
 بھی شائع ہو گئی ہیں۔ مثلاً شادی، بیاہ، ماتم وغیرہ کی رواجیں بہت
 سے مسرفانہ اخراجات کا باعث ہوتی تھیں۔ اور اُن کی پابندی گھرانوں
 کے گھرانوں کو قرض کے بوجھ کے نیچے دب کر دوبارہ اٹھنے اور سینے
 نہیں دیتی تھی۔ علحضرت نے تدبیر اور مشاورت سے ایسے نظام
 مرتب کئے جن کی تعمیل ملت کی آبادانی اور شادمانی کا موجب ہوئی۔
 دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اگر یہ اصلاحات رائج کی جائیں تو فضیلت
 کی تباہی سے بچا کر مسلمانوں کی بہبودی کا مورث ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اسی
 طرح کی بہبود اور مضر رسمیں ہر ملک و قوم میں زور پکڑ گئی ہیں۔ مگر اُن کی

ترسیم اور صلاح کے لئے قوت مفقود ہے۔ خواہ متحدانہ ہو یا واحد *
 علیحضرت بمنزلہ سرور دولت و سردار ملت، دونوں کی صلاح و فلاح
 کے لئے بلا تفریق، مساعی جمیلہ عمل میں لاتے ہیں۔ چونکہ اس شاہدے
 اور تجربے سے، مذاکرے اور استشارے کے ذریعے، یا بھیس
 بدلتے اور مخبروں کے واسطے سے، دونوں کے من و عن اور نشیب و فراز
 پر کماینبغی علم آوری کرتے ہیں، شاہانہ کوششیں بلیغ اور بار آور ہوئی
 ہیں۔ کابل کے نمکتہ سنج کہتے ہیں کہ امیر مرحوم بادشاہ تھا۔ اور امیر شہید
 شہزادہ، کیونکہ ایک نے روزگار کی پستی و بلندی کو دیکھا، برے اور
 بھلے کو آزمایا تھا، اور پھر اپنے نیروئے بازو سے تاج و تخت کا
 مالک بنا، دوسرا بلا تحمل زحمات اور بدوں ابتلائے نیک زشت
 سلطنت کا وارث ہوا۔ آبا و اجداد کے موازنے سے علیحضرت غازی
 کو من حیث استقلال و خود مختاری ایسا بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ جس کی
 تمنا یورپ کے اویہوں نے ”یوٹوپیا“ میں کی ہے، ”اور دنیا کے معلم ثانی“
 ابو نصر فارابی نے اس کی دولت کو بہترین حکومت قرار دیا ہے، کیونکہ
 اس کے ارادے سراسر ملت کی خیر و اعتدال کے لئے ہیں۔ اور ان میں

قصور و خطا نہیں۔ اُن کے نفوذ میں تاخیر مانع نہیں۔ جو بلند جمہوریوں کو بھی مباحثوں میں پیش آتی ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی نے بادشاہی اور متقل بادشاہی اپنی عالی ہمتی اور ذاتی قوت سے حاصل کی۔ اور ان کو اپنی حریت اور شخصیت کے بارے میں کسی فرد یا جمیعت کا خوف نہیں۔ چنانچہ چوتھے سال کے جشن استقلال میں جدید ترقیات کو بے گھٹکے ذروہ کمال پر پہنچانے کی بابت فرمایا کہ میں کرہ ارض سے بھی نہیں ڈرتا۔ اعلیٰ حضرت کے احسانات اپنی ملت پر اور معاہدات دول کے ساتھ کسی خوف ورجا پر مبنی نہیں ہیں بلکہ آپ کا مفکورہ عالیہ شروع ہی سے اکرام پر اقدام کرنا ہے۔ وَمَا عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۖ وَلَا يُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ۖ

اعلیٰ حضرت غازی شہزادہ بھی ہیں۔ مگر آپ کی شہزادگی کس طرح گذری جس کی ایک مثال اور پیش کی جاتی ہے۔ دفتر کے اصول اور مالیات کے وصول کرنے کی تعلیم سابق عہد میں ایک دوتراکوں نے شروع کی

۱۰ اس پر کوئی احسان نہیں ہوا جس کا بدلہ دے رہا ہے ۖ ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ مانگتے ہیں ۖ

تھی۔ مگر اُس کے تعلیم یافتہ جوان اُس وقت کے کارداروں کی مخالفت اور حکومت کی بے پروائی سے بے کار پھرتے تھے۔ اُن میں سے ایک کو چن کر آپ نے مقرر کیا تاکہ خانگی دخل و خرچ کے دستہ کو نئے طریقے سے درست کرے۔ اس اثنا میں یہ ضروری طرز محاسبہ آپ نے بھی خوب سمجھ لی اور تجربہ بھی کر لیا۔ پہلے ہی برس جب کہ افغانستان کا سیاسی مطلع ابھی تیرہ و تار داخلی و خارجی سیاسی بادلوں سے صاف نہیں ہو سکا تھا۔ مالیات اور دفاتر کے مشکل و منظم معاملے کو جدید اصول سے سہل اور روشن کر دیا۔ رقوم و سیاق کے ٹیڑھے بکھڑوں میں لاکھوں کھوٹے ہوئے روپے اعداد و جداول کے خانوں میں دستیاب ہو گئے۔ رعیت کی آسانی اور آبادانی کے علاوہ بیت المال کی معمولی و موفوری کا دروازہ کھل گیا۔ جو حکومت کے اُردو صیغوں کے مابین بشابہ معده ہے کہ پہلے خود بھرتا ہے۔ پھر دوسرے اعضا کو تقویت دیتا ہے۔ پہلے اس میں مالیہ مختلف اجناس کی صوت میں تداخل کرتا تھا۔ اب نقد کی سادہ غذا نعم البدل قرار دی گئی۔ جس کی ابتدا پہلے کابل کے علاقے سے کی گئی۔ کیونکہ لوگ ہرنٹی چیز

سے خواہ کتنی ہی کار آمد ہو۔ اول اعراض کیا کرتے ہیں۔ اس لئے جیسا کہ اعلیٰ حضرت کے اکثر مہم کاموں کا قاعدہ ہے۔ تدریج برتی گئی ہے۔ حق نہ قادر بود بر خلق فلک در یکے لحظہ بکن بے ہیچ شک پس چریش روز آں ابرشید کُلَّ یَوْمٍ اَلْفَ عَامٍ مستفید؟ جب دارالسلطنت کے زمینداروں کو جنس سے نقد میں سہولت اور اصول دفتری کے نئے طریقے میں بہت آرام اور فائدہ ہوئے۔ تو اُن کی نسیم مسرت سے دوسری ولایات کی کشت زاریں بھی اہلہا نے لگیں۔ اسی تعلیم یافتہ جوان کے ادارے میں جس نے یہ کام کامیابی سے سر انجام دیا، ایک مکتب بھی افتتاح کیا گیا تھا۔ جس میں قاتر کے منتخب کاتب داخل کئے گئے تھے۔ ایک سال کے اندر محنت سے تعلیم حاصل کر کے دفاتروں اور مالیات کے وصول کرنے پر مامور ہوئے۔ اگرچہ سابق اہل کار اب بھی مخالف تھے۔ مگر ذاتِ شانہ چونکہ خود طلبہ کا امتحان لیتے، اُن کو انعامات دیتے اور اداروں پر مقرر کرتے تھے۔ اس لئے سب مزاحمت دُور ہو کر چند ہی سالوں میں یہ مفید کام رونق پکڑ گیا۔ اور اب مالیات محصولات اور محاسبات

تھام دفاتروں میں متمدن ممالک کی طرح جاری ہیں۔ چونکہ اس مسئلے نے افغانستان میں داخلی ترقی کے ایک مہم بلکہ اہم مرحلے کو طے کیا ہے اس لئے چند شعراُس کے متعلق درج کرتا ہوں :-



ملت بداد و دولت بستر چسپاں نفہمہ چوں غیت بین میزاں یا کھے فہمہ نمانی
داندازیں ترازو، حق و حبیبہ ہر دو ملت بداد مالی، دولت بداد جانی
تصویرِ بالیہ شد، جدولِ نقشہ مائش در نفعِ اقتصادی، بروہِ سبقِ زمانی
از بہر علم و دفتر، یک مکتبِ مثیل شاہِ حقوقِ بخش، ملتِ شدتِ بانی
با غنیمت یار آور، مملوزِ نو نہالاں

زہرِ بخوری از نیہا، ہر جا کہ مے نشانی

اعلیٰ حضرت غازی نے مامورینِ مالیہ پر عطفِ توجہ فرما کر، ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مستیازِ بخشا۔ اس طرح کہ سمتِ شمالی کی تقیش میں دائرہ مالیہ کو خود جا کر دیکھا اور جب سارے انتظام کو اچھے اسلوب میں پایا تو تحسینِ آفرین سے یاد فرمایا۔ سمتِ مشرقی میں اتنی مامورین سے مالیات کا امتحان لیا۔ اور کامیابوں کو ہزاروں روپے انعام

دیا :

اعلیٰ حضرت کی التفات دوسرے شعبوں کی طرح زراعت پر بھی ہے۔ اگر ایک طرف ماہروں کو اس کی ترقی کے لئے جذب کرتے ہیں۔ اور مکتب زراعت میں جرمنی اور فرانسیسی متخصصین کو استخدام کیا ہے، تو دوسری جانب خود ایسے مواضع ملاحظہ فرماتے ہیں جہاں غرس اشجار، حفر انہار، اور خاص فصلوں کا انتظام ہو سکے۔ اس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ کس طرح جبال غریاں کو سبز جامہ پہنایا جائے۔ ایک دفعہ یہ دیکھنے کے لئے کہ دریا میں کہاں بند لگایا جائے۔ دن بھر بغیر کھانا تناول کئے تقریباً چالیس میل گھومتے رہے۔ کابل کے نواح میں ایک قوی ہیکل بند مدت سے تیار ہو گیا ہے سلطان محمود کا بند جو سینکڑوں سالوں سے منہدم چلا آ رہا تھا۔ اب پھر غزنی کی سیرابی کا باعث بن گیا ہے :

ایک بار خشک سالی میں اعلیٰ حضرت نے حاصل اہتمام سے مشین خانوں کے مزدوروں اور کسانوں کو لے کر، ڈھول اور بانسری سے جو بزم اور بزم میل فغانوں کو جمع کرتی اور جوش دلاتی ہے، دریا کے خشک

مجرے کو کھواڈالا۔ اور اس سے اتنی نہریں جاری ہو گئیں جو فصلوں کے لئے کافی تھیں۔ ذاتِ شامانہ بھی لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ جس سے البتہ دو چاند جلدی اور زیادتی کے ساتھ کام ہوتا تھا، ایک تو بادشاہی شمولیت کے افتخار سے، دوسرا ایک یورپی محاورے کے اعتبار سے، کہ جب مالک اپنے مزدوروں کو کہے کہ آؤ تو دُگنی حاصلات ہوتی ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ ان کو کہے کام کے لئے جاؤ۔

اعلیٰ حضرت نے زمینداروں اور کسانوں کی ہمدردی کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے ہیں۔ جن میں سے ایک قابل ذکر ہے۔ برفیں گھیل چکی ہیں اور قدیم رسم کے مطابق نئے ہل چلانے کے موقع پر میلے کی تقریب ہے۔ دارالامان میں نہاروں آدمی جمع ہیں۔ مگر تلاش کی نظر بھی کسی متنفس کو سولے دھقانی کپڑوں کے اور کسی چیز میں طبع نہیں پاتی۔ شکل صورت سے پہچانے جاتے ہیں۔ کہ مدیر نائب الحکومہ وزیر اور سردار ہیں۔ مگر سر سے لے کر پاؤں تک سب ایک ادنیٰ مزارع کے لباس میں ہیں۔ حیوانات اور نباتات کی

نمائش میں انتظامات اور انعامات تقسیم کرنے والے اور لینے والے
 سب ایک ہی پوشاک میں ہیں۔ ایک جگہ بہت سے لڑکے اکٹھے بیٹھے
 ہیں۔ اور ان میں سے ایک کھڑا بلند آواز سے کچھ بول رہا ہے جس
 کے فنی کلمات سے قیاس ہوتا ہے کہ مکتب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔
 اُس کو سننے کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اور ایک دوسرے
 کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھا چاہتا ہے۔ مگر چہرے پر نگاہ
 ڈالتے ہی پیچھے ہٹ کر معذرت مانگتا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت غازی مسکرا کر
 اُسے تسلی دیتے ہیں۔ جو تا بغیر جراب کے پہنتے ہیں۔ سر پر بدوں کلاہ
 یکڑی ہے۔ سب لباس کھدر کا ہے۔ مگر کے گرد چند گز لمبا کپڑا پیٹے
 ہیں۔ اور اس میں مع کسائی اوزاروں کے پیش قبض گڑا ہے۔ جو
 وہ مقامی قاعدہ ہے۔

اعلیٰ حضرت ان عارضی نمائشوں کے علاوہ اپنی رعایا کے سب کاموں
 میں بے ریا مشارکت کرتے ہیں۔ خطرے سے بھی نہیں ڈرتے۔
 اگرچہ عقلمند بہادروں کے نزدیک خوف نجات کا باعث نہیں ہوتا۔
 پھر بھی ایک امیر کے ہیضہ سے وفات پانے کے سبب دوسرے

اس وبا کے دوران میں کبھی شہر میں قدم تک نہیں رکھتے تھے اعلیٰ حضرت غازی
ایک دورِ روز کے بعد بازاروں میں گشت لگاتے وکانداروں سے ان کی
خیریت کا حال دریافت فرماتے تھے ۛ

ایک مشہور اندلس کا بادشاہ رعایا کے آرام کے لئے برسوں میں
پُل بنواتا ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے اپنے عیش کے لئے تعمیر
کیا ہے۔ تاکہ وہاں سے گزر کر شکار گاہ پہنچ سکے۔ یہ سن کر قصد کرتا
ہے کہ مدتِ العمر اس پُل پر سے نہ گزرے۔ اگرچہ خلق کی زبان سے
فرشتہ سیرت انسان کو بھی چھٹکارا نہیں۔ پھر بھی تہمت کے موقع سے
اجتناب مستون ہے۔ اعلیٰ حضرت غازی ایسے ایثار کو بارہا ثابت کر چکے
ہیں ۛ

گلباغ کو مع اُس کے تالاب کے عام سیر و تماشا کے لئے متعین کیا
تھا۔ خشک سالی میں حکم دیا کہ اگر تالاب میں پانی کا جمع ہونا کھیتی کو ضرر پہنچائے
تو لوگ اس نظارے سے صرف نظر کریں۔ انہی دنوں آپ قصرِ چیل ستون
میں مقیم تھے۔ اور پاؤں میں درد تھا۔ آدھی رات کو فوارے کی آواز سن کر
بے تحاشا باہر نکلے۔ اور اس خلوت کے اندھیرے میں غصے سے فرمانے

لگے کہ گرد نواح میں فصلیں خشک پڑی ہیں۔ سب پانی ان کے لئے دیکار ہے۔ فوارہ بالکل بند کیا جائے۔

جب قحط درآئید ہو اتوا علیٰ حضرت نماز استسقا کے لئے رب السماء کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور ہزاروں آدمیوں کے درمیان مناجات کی جس کا ایک فقرہ اخوتِ اسلامی کی جلالت سے قند مکر رہے :-
 الہی! بروئے آب شمشیر مصطفیٰ اکمال پاشا غازی بارانِ رحمت نازل فرما۔
 اور دعاؤں کے ساتھ یہ شہانہ ندبہ باوجود عجز و انکسار کے ایک دیدہ بہکھتا تھا ہے

ما مرغ پر شکستہ گلزارِ عالمیم

پروازِ مالبسوئے چمن بے خرام نیست

اس وسیع میدان میں ہزاروں فغانوں کے ساتھ اتنے ہی ترکِ عالمانگتے نظر آنے لگے۔ خشوع و خضوع کے ساتھ ہمت اور معاونت کے فرشتے گویا فضا میں پر پھڑ پھڑانے لگے۔

ایک ولی اللہ نے حجاجِ ظالم کی معقول و عاقل کر فرمایا کہ اُس کی شطارت سے اندیشہ ہوتا ہے کہ درگاہِ بے نیازی میں مقبول ہو جائے گی۔ اس

بادشاہ کی شیریں ندامت جو عدل و رافت بھرے دل سے نکلتی ہے۔ کیونکہ
 مستجاب نہ ہوتی۔ مگر کُلّ اَمْرِ مَرْهُوْنٍ بِاَوْقَاتِهَا۔ ارزانی اور فراوانی
 میسر ہوئی۔ اور اب اس قحط کے بعد سات سال گزرے جو آسمان
 نے دریاؤں اور نہروں کو رواں اور کشتوں اور گلشٹنوں کو خنداں
 بنا رکھا ہے۔ لیکن اس سے قبل ایک دو مرحلے طے کرنے
 پڑے۔ جو حقیقی مدبروں کے اعمال کے دو پہلوؤں پر روشنی ڈالتے
 ہیں :

صلوۃ استسقا سے واہمہ نے قوت پکڑی کہ البتہ خشک سالی اتنی
 سخت ہو گئی ہے، کہ اس کی شدت کو بادشاہ نے بھی محسوس کیا۔ پس
 غلوں کے نرخ بڑھ گئے۔ اور مزید منگ کے انتظار میں مضافات
 بھی گہیوں وغیرہ رک گئے۔ اعلیٰ حضرت نے اگر خارج کے مسرفانہ امتنع
 اور داخل کے مفید اسباب پرورد اور صدور کے محصول بڑھا رکھے
 تھے تو اندرونی تجارت کو ایسی آزادی عطا کی ہتی جو سوداگروں کو پہلے
 نصیب نہیں ہتی۔ سرکاری نرخوں سے اگر رعایا کی آسودگی مطلوب ہتی
 تو دکانداروں کو ضرر پہنچتا تھا۔ وہ شرح نرخ کو مطالبت و موجودیت کے

توازن کے خلاف دیکھ کر دکان بند کر دیتے تو لوگ ہنگامے کی بجائے
 کچھ بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ پھر اُن کی گوشمالی اس طرح کی جاتی کہ اُن کے
 کان میں میخ گاڑ دی جاتی۔ ان آفتوں کو اعلیٰ حضرت نے دُور کر دیا تھا۔
 اب یہ علاج کیا کہ عینِ اِمال کے سرمائے سے دکانیں کھول دیں۔ تاکہ
 کم بضاعت خریداروں کو سستی چیزیں دی جائیں۔ اس سے اُن کو بہت
 فائدہ اور آسائش ہوئی۔ مگر اس سے پھر مستطیع خریداروں کو نقصان پہنچا۔
 کیونکہ عام دکانداروں نے جب مشتریوں کی قلت دیکھی تو اپنا مال تلافی
 کے خیال سے کچھ ہنگامہ کر دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد یہ مصنوعی رُکاویٹیں
 دُور ہو گئیں اور باہر سے بھی اشیاء وارد ہونے لگیں، غرض خشک سالی
 بغیر کسی غیر معمولی تکلیف کے گزر گئی ۛ

بعض پھولوں کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں۔ اور گل کی بدبوئی کے
 بغیر کوئی گل بھی خوشبوئی نہیں دیتا۔ انسانی امور اسی قسم کے نقیضین
 سے بھرے ہیں۔ ایمان کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ اگر آدمی ایک
 سوراخ سے ڈسا جائے تو پھر وہاں ہاتھ نہ ڈالے۔ امام عظیم رحمۃ اللہ
 علیہ نے بیان کیا کہ خیر و شر میں تمیز کرنے کی قابلیت ہو۔ امام جعفر

صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو خوبیوں میں سے بہتر کو انتخاب اور
 دو برائیوں میں سے بدتر سے اجتناب کیا جاسکے! انسان کے معاملات
 میں نیکی و بدی، اور نفع و ضرر اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن
 ایسے متصل اور باہم آمیختہ ہیں کہ ان کا انفصال اور امتیاز آسان نہیں۔
 خون ریزی اور فساد انگیزی دونوں بری چیزیں ہیں۔ مگر جب چارہ نہ ہو
 تو فتنہ چونکہ قتل سے اشد ہے۔ اور اس سے بہت قتلوں کا اندیشہ ہوتا ہے،
 اس لئے اس سے اجتناب مرجح ہے ۞

دو قبیلوں میں لڑائی تھی۔ جن میں ایک مسلمانوں کا حلیف تھا جس کے
 بعض افراد کو دوسرے قید کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے اُن کے چند آدمیوں
 کو گرفتار کر لیا۔ تاکہ حلیفوں کی رہائی صَوْت باندھے۔ جناب رسول اکرم ﷺ
 علیہ آلہ وسلم کے پاس اسیروں نے فریاد کی۔ اور جب سُنی نہ گئی تو یہ بھی
 کہا کہ ہم مسلمان ہو جاتے ہیں۔ مگر جواب ملا کہ ایمان مصیبت سے پہلے
 قبول ہو سکتا ہے۔ جہانباؤں کے لئے یہ تدابیر ناگزیر ہیں ۞

اعلیٰ حضرت غازی کو انہی طریقوں پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ اور آپ کے
 بڑے اور چھوٹے کام اسی قبیل کے ہیں۔ اس شیوے پر کوتاہ اندیشوں

کا اعتراض ہوتا ہے۔ اور عاقلوں کے نزدیک ہنر اور زیور ہے۔ جو بادشاہوں کو زیب دیتا ہے۔ اور کسی حکومت کو اس سے چارہ نہیں۔ ایک مثال لیجئے۔ تیبہ ایک گاؤں تھا جس کے باشندوں سے گھر اور اراضی چھینی گئی تاکہ اُس کی جگہ پر دارالامان آباد ہو۔ جو ایک بلند طیبہ ہے۔ اور اُس کی آبادی ایک قریئے کی خرابی سے بسا اہم ہے۔ باوجود اس کے اعلیٰ حضرت نے ان لوگوں کے دلوں پر اگر رحمت سے زخمی ہوئے تھے تو مراحم کی مرہم رکھی۔ ان کی اراضی کے عوض جہاں کہیں بھی انہوں نے پسند کی دس کی بجائے گیارہ جریب عطا فرمائی۔ اسی طرح شہر وغیرہ میں جو سرکاری گھر انہوں نے پسند کئے دئے گئے۔ اُن کے لڑکوں کو انعامات عطا کر کے مکتب عربیہ میں داخل کیا۔ اور وہاں سے تعلیم یافتہ ہو کر اب وہ عسکر میں افسر ہیں ۛ

نیا شہر چونکہ تدریجاً عمران پذیر ہو رہا ہے۔ کابل کے لئے اسی طرح کی ایک اور تجویز سوچی جس سے آناً فاناً ایک جدید اور متمدن شہر کی طرح نمودار ہونے لگا۔ باہر کے گھر بلند دیواروں سے محصور تھے جن کے اندر کوٹھیاں اور باغیچے تھے۔ جو صرف اُن کے مالکوں کو تو حظ بخشے مگر

فضا کو تنگ اور بد رنگ کر رکھا تھا۔ دیواروں کے گرانے کے حکم سے خوشنما محلات اور ولربا گلشن و چین عام نگاہوں کے سامنے آمو جو دھوئے۔ اہالی کی سیر و نزہت کے مواقع کی نصارت اور کشادگی کے علاوہ 'شہر کی تمکین اور جدت مضاعف ہو گئی۔ سرکار اور رعیت کو چند ہزار روپے کے نقصان سے لاکھوں روپیوں کے مکانات اور باغات دفعۃً گویا بلند اور سرسبز ہو گئے۔ مالی ٹانڈے کے ماورا وقت کی کفایت اتنی ہوئی کہ سالہا سال میں ایسے مقامات اور مناظر اس درجے کی آراستگی اور اتمام کو نہ پہنچتے۔

پھر خیرین سے بہتر کا انتخاب اور شرین سے بدتر کا اجتناب عقدہ پیدا کر کے ایک چیز کو جو دولت کے لئے مضر ہے ملت کے لئے مفید پاتا ہے۔ اور سیاسی حکما کو مخمضے میں ڈالتا ہے مثلاً شراب افیون وغیرہ اگرچہ اُن کے مآثم اور بدنی اضرار مسلم ہیں۔ لیکن چونکہ مالی منافع دولت کو بہت عائد ہوتے ہیں۔ اس لئے برطانیہ اپنے ملک اور ہندوستان وغیرہ سے اسے ممنوع نہ کر سکی۔ برعکس اس کے چین اور امریکہ نے بالآخر ملت کے نقص کو دولت سے جدا نہ جانکر

قطعی ممانعت کر دی۔ یہی حال قمار کا ہے۔ جو اس زمانے میں لاٹری وغیرہ کی صورت میں آشکار ہو کر لوگوں کو پسینے کی کمائی کے سیدھے راستے سے گمراہ کر کے غفلت اور قسمت پر متوکل بناتا ہے۔ نشے اور جوئے کے فوائد کو تسلیم کر کے حقیقت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

وَإِنَّهُمْ هُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔ روس میں شراب کو کاملاً منع کیا گیا تھا مگر لوگ چونکہ عادی تھے۔ اس لئے درپردہ خود تیار کر کے پیتے تھے اور اس میں کیمیاوی بے خبری سے یہ نسبت سرکاری نگرانی سے بنی ہوئی شراب کے زیادہ مضرت تھی۔ لہذا بدتر سے بچنے کے لئے بد کی اجازت دی گئی۔ ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست بھی یہی خیال رکھتی ہے۔ مگر یہ سیاست عالی نہیں۔ حکومت اگر اسے مضر سمجھتی ہے تو عدم نظارت سے مضرتز بناتی ہے۔ حکومت کا اس کے نقصان کو جاننا اور اس کی ممانعت کی مواظبت کرنا دونو اچھی باتیں ہیں۔ اور ان خیرین سے بہتر اس کے امتناع کی نگرانی ہے۔ تو اخلاقی تعلیم اور مدنی انضباط کی اشاعت اور کفالت کیوں نہ کرے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پورا ذمہ کیوں نہ اٹھائے تاکہ یہ

ظاہری اور معنوی سمیات و سیّات معدوم ہو جائیں ! ﴿

اعلیٰ حضرت غازی نے جملہ اقسام نشہ شراب، بھنگ، چرس، افیون وغیرہ جو حرام تھیں۔ عملاً ملت کے استعمال سے منقطع کر دیں۔ اور چونکہ احکام دینی کو ان کی حرمت میں دخل تھا۔ کسی مسلمان کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کے فائدے کو معرض بحث میں لائے۔ کیونکہ گناہ اس سے زیادہ تھا، جو روحانی اور جسمانی دونوں خرابیوں پر حاوی ہے، لیکن تباہی کو وغیرہ جو کمزوریات میں داخل ہیں، اور چائے اور دیگر امتعہ تنعم جنہوں نے اعتدال کی حد سے عدول کر رکھا تھا، بعض ماہرین اقتصاد کی حمایت میں پناہ گزین ہوئے۔ اس دلیل پر کہ ان کی تقلیل خزانہ عامرہ پر صدمہ وارد کرے گی۔ اعلیٰ حضرت نے دولت و ملت کے منافع کو مرادف اور تعیش و آرائش کے سامان کو بالخصوص جیسا ہر سے آئے۔ لاجل اور غیر ضروری جان کر بالندی سچ محضول ان پر بڑھایا۔ اور احتیاج کے اعتبار سے جملہ اشیاء کی نہرست تیار کر کے اسے محضول کی کمی و بیشی کا معیار قرار دیا۔ افزائش کے مدارج کی یوں ترتیب دی کہ محضول ہر سال ناقابل احساس تفاوت سے بڑھے۔ اور انجام میں ان چیزوں

کی گرانی مانع اشتراہو جائے ۛ

تبیا کو نوش افغانستان میں تین طرح کے تھے۔ تمدن حاضر کی وضع سے دو قسم دماغ و دہان کے نسواری تو چند سالہ مہمان تھے۔ شاہانہ مدنیت پروری نے اُن کی دکانوں کو یک قلم مرتفع کر دیا۔ لیکن تیسرا گروہ ان جوانوں کا تھا جو اپنی عادت کو اس عصر کے موافق گمان کرتے تھے۔ اور اُن کو ایک ارشاد شہریاری سے سوء تفہیم بھی شاید ہو اٹھا۔ فرماتے تھے کہ مجھے ان جدید اللباس نو جوانوں پر اعتماد نہیں جو زبان سے وطن اور ملت کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور منہ میں بیگانوں کے بنے ہوئے سگرٹ لئے پھرتے ہیں۔ اول اس فضول یہ چیز کے استعمال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بالفرض عادت پڑ گئی ہے جو چھوٹی نہیں، تو اپنے ملک کے فضلے کو لیں۔ بعضوں نے خیال کیا کہ حقے کی طرف اشارہ ہے۔ دوسروں نے سمجھا کہ اپنے تبیا کو سے سگرٹ بنائیں۔ حالانکہ کلام ملوکانہ میں اس کی مذمت ظاہر تھی۔ لیکن اہل غرض مجنوں نکوٹین کے اثر سے ”ایسی اُمید کرنے لگے جو نقطے پر منار کھڑا کر دیتی ہے۔“ اعلیٰ حضرت نے وطنی تبیا کو پر کوئی

التفات نہ کی اور اُس کی کاشت کو دُور کرنے کے درپے ہوئے۔
 سگرٹوں پر اتنا محصول چڑھا کہ برعلیہ ظاہرہ مہذب ممالک کے یہاں
 بازاروں میں بہت ہنگے اور یہ مشکل دستیاب ہوتے ہیں ۞

ذاتِ شانہ نے یہی متفقانہ روش چائے کے بارے میں اختیار
 کی جس کا مفرط استعمال افغانہ کی جلیبوں کو خالی کرتا تھا۔ جس طرح
 تمباکو سے پرہیز کر کے مثال قائم کی۔ اسی اندازے سے چائے کو
 بہت کم استعمال کر کے ملت کو اُس کے زیادہ پینے سے احتراز کی
 ترغیب دی۔ اور اس نصیحت کی موثریت کے لئے بیشی محصول کا
 تازیانہ بھی لگایا۔ چائے کی مضرت یا لا اقل عبثیت کے لحاظ سے
 جرمنی کے ارکانِ حرب نے اس کی بجائے سپاہ کے لئے شوربا
 تجویز کیا تھا۔ مگر اس کے کم کرنے کے اور ذرائع کسی ملک میں پیش
 نہیں کئے گئے۔ افغانستان اور دریائے آمو کے آریا ممالک
 میں چائے کی عادت اتنے وقور سے ہے کہ رات دن ہمہ اوقات
 اس کا دُور چلتا رہتا ہے۔ اور کئی آدمی برسوں پانی کی شکل نہیں
 دیکھتے۔ گویا عتیق یونانی سزا کے مورد ہیں کہ دریا میں کھڑے ہیں

پانی ٹھوڑی تک آتا۔ اور نیچے چلے جاتا ہے۔ لِيَبْلُغْ فَاَهُ وَمَا هُوَ
بِالْعِجَّةِ وہاں ہاتھ پیچھے بندھے ہیں۔ یہاں چائے کی پیالی سے رُکے
ہوئے ہیں۔ کشمیر میں وزیر اکبر خاں غازی کے محاربات اکبر نامہ کی صورت
میں منظوم ہوئے اور محلی رواج کے اعتبار اور حجاز سے ساتی کو ساغر
چائے بکف پیش کیا گیا۔ اُسی زمانے کے قریب طرزئی اول نے
وطن داروں کو اپنا ہمنا بنایا ہے

جرعہ چائے بنوشید بجائے مٹے تا	بادہ نوشاں گران ہست بل میل شراب
خوردہ از آب بقا سبزہ آں گوئی آب	جرعہ چائے بل زندگی خضر دہد
بستہ از جامہ جاجی رخ خویش نقاب	تا کہ چائے قتنی دیدہ شارب غلبی
ایکے گوئی نشود جمع ہم آتش آب	گو بیاد قدح چائے خطائی بنگر
خاعہ آں وز کہ خورشید بود زیر سحاب	سبکے مٹی ہنگامہ بود ہر روزے
شیخ راشمہ آں خوشتر از ایام شباب	پیئر اجرعہ آں بہتر از ایام صبی
کہ بہر حال باز کا خطا فعل ثواب	چشم از بادہ پوش قدح چائے نوش

ان اشعار کو درج کرنے کا مطلب بعض ناظرین کی ضیافت طبع کے علاوہ

۱۔ پانی اُس کے منہ تک پہنچے اور وہ اس تک نہ پہنچے گا۔

یہ ہے کہ اجتماعی اور ذہنی ماحول کو سمجھ سکیں۔ جس میں ذاتِ ہمایونی نے تربیت پاکر ذواتِ کبیر کی طرح اس پر غالب نشوونما حاصل کی۔ اور رواجی اور شاعرانہ جذبات سے مغلوب نہ ہوئے ۛ

حاجت کو اُمّ الایجاد کہتے ہیں۔ جس قوم کی ضروریات زیادہ ہوں۔ اُن کے ہم پہنچانے کے افکار و افعال، ثروت کے تکاثر میں مختتم ہوتے ہیں۔ اس کی تفریط و مہات میں خواہشوں کی قلت کے سبب سے ہے۔ اور اقراطِ بلاد میں کثرت کی وجہ سے جو ہر چند ایک مرغوب شے ہے مگر اقتصاد کے معنی سے بعید ہے۔ اگر ایک ملت میں آسائش و زیبائش کے لوازم فریبِ خیانت کے ارتکاب کے موجب ہوں تو یہ حتمی فساد، ثروت کے حصول میں ضعف اور اس کی محافظت کے سبب میں نقص پیدا کر سکتا ہے۔ اس نکتے کو ملحوظ رکھ کر، ذاتِ شامانہ نے عیش و تنعم کے واردات، بیش قیمت مردانہ اور زنانہ ملبوسات، زیورات اور دیگر سامانِ فیشن اور نمائش کی اشیاء پر محصول بڑھا کر نہ صرف روپے کو بہودہ مصرف سے بلکہ بہت سے گھروں کو مالی اور معنوی تباہی سے بچایا۔ لاکھوں روپیوں کے اقمشہ اور امتعہ نفیسہ جو خارج

سے آتے تھے، مفید آلاتِ عرب سے جو البتہ دشمن کے لئے مضر ہیں، اور وطنی چیزوں سے مبدل ہو گئے۔

اعلیٰ حضرت کو ابتدا میں سب کام خود کرنے پڑے۔ کیونکہ ایسے شخص کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ جو اپنے مفوضہ وظائف ایفا کرنے میں قوانین کی واقفیت کے علاوہ محققوں کی طرح ابتداء و استقامت کر سکیں۔ پھر استقلال کے اقتضا کے ساتھ بہت سے باکفایت اصحاب، سیاسی روابط کے لئے جو پہلی دفعہ اُن ممالک کے ساتھ قائم ہوئے تھے، جن کو اس بارے میں سینکڑوں سال کا تجربہ ہے، خارج کی طرف ہسپار ہو گئے تھے۔ اس لئے ذاتِ شانہ کی التفات مامورینِ کئی و جزئی کے کاروبار میں ناگزیر تھی بلکہ جدیدِ تقدیر۔ ایسے امور جن پر ملت کی حیثیت کا انحصار ہے و لو ان کی مناسبت چھوٹے کارداروں سے ہو، بادشاہی توجہ کو جلب کرتے ہیں۔ اگرچہ اعلیٰ حضرت کی وسیع الامالی حکومت کے تمام دوائر کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس پر اوروں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ قحط کے اثنا میں جس کا ذکر اوپر ہوا۔ آپ نے غور کے بعد چند تنجا ویزیا و حضور کو

دیں۔ تاکہ جبل استراج جا کر اہالی کو ابلاغ کرے :-

(۱) سانگ کی راہ سے بلخ اور بدخشاں کی طرف سڑک نکالی جائیگی۔ جس کی تیاری سے صرف و دولت کو نہیں بلکہ ملت کو بھی بہت سے فوائد عاید ہوں گے ۔

(۲) اس سال اگر سڑک ہوتی تو ان دونوں ولایات سے حاجت روائی ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہاں بارہ چند زیادہ غلہ سستا ہے ۔

(۳) اگر یہ خواہش ہو کہ سابق عہد کی طرح بالنوبت اکٹھے ہو کر لوگ سڑک بنائیں، تو یاد میں لاؤ کہ تب کتنی مصیبت تم پر نازل ہوتی تھی، اور میں تمہاری پریشانی کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا ۔

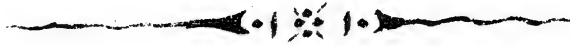
(۴) بہتر یہی ہے کہ ڈیڑھ ہزار آدمی تم منتخب کر کے دو اور سڑکار

ان کو معقول تنخواہ دے گی ۔

(۵) اگر تمہاری اور تمہاری دولت کی مشینیں جو خارج سے خریدی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں سے گزرنے نہ پائیں۔ تو رُوس کے راستے منگوائی جائیگی۔ اس لئے اس سڑک کی اور ضرورت

ظاہر ہے ۔

اسی زمانے میں وہ اسلحہ جو یورپ سے خریدا گیا تھا۔ بمبئی میں
 معطل کیا گیا۔ اور اس سڑک کی غرض اور روشن دیکھ ہین ہو گئی۔ اگرچہ
 یہ معاملہ جلد ہی تصفیہ ہو گیا۔ اور اسلحہ افغانستان پہنچ گیا۔ مگر سڑک
 تیار ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ دو تین طویل سڑکوں میں سے بہت کوتاہ
 راہ ہے۔



مختلف مسائل کے ساتھ واداری و زندگی

خدمتگذاری

میشتر بیان ہوا کہ ہر امر محدث ہر چند نافع و لا بد ہو چنبا اور استکراہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہر جدید شے لذیذ ہوتی ہے۔ اور اگرچہ مضر اور قبیح ہو۔ کچھ آدمی ہوس کے ساتھ اُسے پسند کرتے ہیں۔ پھر قدیم رسم و رواج ہر قدر مخرب اور عبث ہوں۔ بعضوں کے نزدیک تحسن رہتی ہیں۔ اور دوسرے ہر پرانی چیز کو ولو صحیح و مفید ہو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ باوصفیکہ مربعہ پہلو نہیں بہتے نقاط معتدل اور متوسط بھی ہوتے ہیں لیکن عصبانیت حد سے گذر کر ملت کو دو ٹوک کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس شقاق سے استفادہ کر کے دوسری مترصد قویں دخول و حلول کرتی ہیں۔ اور ایک فرقے کو دوسرے کے خلاف اور تیز کر کے اپنا حکم مستحکم بنائے جاتی ہیں۔ اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں اور حسرت سے ہاتھ

کئے جاتے ہیں۔ کہ اب مجبوراً جانب کے ساتھ نباہ کرتے ہیں۔ کاش پہلے طوعاً یا کرہاً آپس میں بگاڑ نہ کرتے۔ روئے زمین کے اسلامی ممالک انہی فتن و محن کے آماجگاہ بنے ہیں۔ افغانستان کی میزانِ معاملت اعلیٰ حضرت غازی کے ہاتھ میں ہے۔ اور اُس کے دونوں پیلوں کو معاشرت کے ساتھ محافظہ کرتے ہیں۔ اور چاروں طرف دیکھ بھال کر اعتدال و توسط کو مرعی رکھتے ہوئے مصالحہ فرماتے رہتے ہیں ۞

چونکہ دولت کے اکثر دوائر کی تنظیم کے لئے متخصصوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو دولِ مترقیہ سے طلب کئے جاتے ہیں۔ اور اُن کے اوضاع و مساک جدا ہوتے ہیں، تعصب اُن کے استخدام میں مانع ہوتا ہے۔ اگر وہ مستخدم ہوں تو صرف ظُلّ عافیت ہمایونی اُن کو افادے کے قابل بناتا ہے۔ ورنہ اُن کی موثر خدمات کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اولیائے امور کو ہر ملک اور ہر زمان میں اس سے سابقہ پڑا ہے۔ بعضوں نے خارجہ ماہرین کو ملوکا نہ نوازشات سے ایسا گرویدہ کیا کہ وہ مع عائلہ ان کی بتہ میں دخل موگئے۔

دوسروں نے باوجود الطاف شانہ کے مستقر سکونت کی اجازت نہ دی۔ تاکہ بیگانوں کی حیثیت میں بلا خوف و مراعات محولہ فرائض کو ادا کر سکیں۔ بہر کیف اُن کی استمالت اور استر ضا ضرور ہوئی۔ ح کہ مزدورِ خوش دل گت کار بیش

بادشاہوں نے اُن کی استغنا اور گستاخی پر اغماض کیا ہے۔ چنانچہ شاہجہان نے ایک اندسی معمار کو لوازم تعمیر مہیا کیں۔ کچھ مدت کے بعد متعصب مصاحبوں نے تاخیر کی شکایت کی۔ معمار نے ایک پتھر کو دوسرے پر رکھ کر ایک مایہ اُن کے درمیان پٹکایا۔ جس نے دونوں کو ایسا جوڑا کہ ہتھوڑے کی ضربوں سے پتھر ٹکڑے ہو گئے۔ مگر وہ بیہوش جدا نہ ہوا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ مگر استعجال ہمایونی سے رنجیدہ ہو کر معمار رخصت ہو گیا۔ شاہجہان کا اُس کو وداع کرنا ہی اُس کے ماوراء النہر ہی بھائی بندوں کے ساتھ عجیب موازنہ ہے۔ جو تاریخی قطعات لکھو اگر خوشنویسوں کی انگلیاں کاٹ ڈالتے تھے تاکہ اُن کے معاصرین کے لئے ویسے سامانِ نفیس بہم نہ پہنچائیں۔ بہرام گور نے خورنق کے بناء کو اسی محل کے کنگرے سے سرنگوں کروا دیا۔

کیونکہ اس سے بہتر قصر کسی اور کے لئے بنا سکتا تھا۔ سلطان محمود کی
 پشیمانی سے بارے اُس کی بدنامی کچھ کم ہوئی۔ لیکن شاہنامے کی
 تقدیر کی تغیل سے ویسی ہی ایک پایدار یادگار کو اپنے حق میں ضائع
 کر لیا۔ ہارون اور مامون نے علوم و فنون کو اپنے وسیع ممالک میں
 اس طرح رائج کیا کہ نہ صرف رومی اور یہودی مترجموں اور مؤلفوں
 کو طلا و جواہرات سے بلکہ اعزاز و اکرام سے ممنون و مرہون کیا۔
 اعلیٰ حضرت غازی یورپین مستخدمین کے ساتھ ایسی محبت اور عزت
 کا سلوک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے گرویدہ بنجاتے
 ہیں ❖

باوصف احساسات قلبی جو وسیع ہمدردی سے جمعیت بشری
 اور اخوانِ اسلام کے ساتھ رکھتے ہیں، قومی اور ملی جذبات بھی
 اعلیٰ حضرت غازی کے وجود مسعود میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ ان
 کو برک نے چھوٹے کنبے سے شروع کر کے وطنی شفقات کا تخم
 قرار دیا ہے۔ اسی نیت سے اعلیٰ حضرت نے اپنے ملک کو مستقل
 بنایا۔ اور اسی تحرک سے چاہتے ہیں کہ اسے غیروں کی ختیاج سے

مستغنی بنائیں، لیکن اس مرحلے کا طے کرنا اشتقاقِ شامانہ کا محتاج ہے۔ جو اپنے خارجہ خدام کے ساتھ ارزانی فرماتے ہیں۔ ایک ہندی مهندس جو سابق عہد میں گنامی کی زندگی بسر کرتا تھا ٹیلیفون نصب کرنے کی خدمت پر مامور ہوا۔ وہاں سے برقی قوت کے آبی کارخانے میں تبدیل ہوا تو اس کام کو موفقیت سے سرانجام دینے پر موردِ انعامِ اکرام ہوا۔ بہت معقول تنخواہ، تمغہ اور سکونت کے لئے اچھا گھر ملا۔ پھر برگڈیر جنرل کے عہدے پر سرفراز کر کے، ذاتِ شامانہ نے اُسے اسلحہ اور بارود سفید بنانے کی مشین خانہ پر تعین فرمایا۔

اخبارِ چہرہ نما کے مدیر کو جس نے مصر میں بیٹھے افغانستان کی ضخیم تاریخ لکھی تھی پینتیس ہزار روپے کے نقد و جنس کے ساتھ نشانِ معارف عطا کیا۔ جمال پاشا جس نے قوانین میں مدد دی تھی، ایسی تعظیم و تکریم کے ثبوت دیکھتا رہا جو مہمان نوازی کی افتان بادشاہ کے لئے انتہا ہے۔ اس کے استقبال کے لئے جب کبھی دربار میں آتا۔ ذاتِ ہمایونی چند قدم آگے بڑھتے اور بڑے اشتیاق سے پیش آتے۔ اس خاطر و مدارات کو اس کے قیام تک وام دیتے رہے۔

ایرانی اور ترکی معانوں، اور ہمایونی کی قدر و قدرتی

بدری بیگ جو مجلس شوریٰ میں ملازم تھا بادشاہی مہمان کی منزلت میں رہتا تھا۔ پہلے بجٹ کی تیاری میں معاونت کرنے پر نشان ستارہ سے مفتخر ہوا۔ چونکہ نظام ناموں کی ترتیب کی خدمت کے اشنا میرفت ہوا۔ ذاتِ شاہانہ اس کے جنازے کی شایعت کے ساتھ کندھا بھی دیتے گئے۔ جو اخوت اور فتوت کی حد ہے۔ زندگی کب بعد بھی ویسی ہی عزت و عنایت ابراز کی۔ جمال پاشا اور انور پاشا کی شہادت پر جیسا کہ ان بہادر شاہیہ کی شان کے شایاں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے خود مع تمام اراکین و مامورین کے رسم تعزیت ادا کی *

مولانا محمود الحسن کی وفات پر بھی سب اداروں اور محکموں میں تعطیل کی گئی۔ اور ذاتِ شاہانہ مع سرکاری افسروں اور شہر کے برگزیدہ باشندوں کے فاتحہ خوانی میں شریک ہوئے۔ اور ہندی مہاجروں کو تسلی دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ تلافی من فات و مشکوٰۃ ہے۔ مگر میں نے اس مضمون کا خواب دیکھا تھا۔ الخیر فیما صنع اللہ تعالیٰ

۱۰ خوبی اسی میں ہے جس کو خدا تعالیٰ نے کر دیا *

نکوے گر و دزیریں بحر نیکو تر شود پیدا

چو گیر قسط فرادہ عدم گوهر شود پیدا

ہمارا جتنا کہ کی مرگ پر کابل کے ایک موثر ہندو نے ماتم داری

کی۔ تو وہاں بھی اعلیٰ حضرت غازی اظہارِ غم کے لئے تشریف لے گئے۔

چونکہ کابل کی ہندو رعایا علاوہ مسلمانوں کے ساتھ مساوی مناصب ملکی

و عسکری پر مامور ہونے کے، اپنے دوسرے ممالک کے ہندو بھائیوں

کے ساتھ شادی و رنج میں آزادی سے شرکت کر سکتی ہے۔ افغان

بادشاہ بھی اُن کے شامل حال ہوتے ہیں۔ اور آغا غنہ بھی اُن کے

ساتھ پوری ہمدردی برتتے ہیں۔ کیونکہ دونو ایک ملت میں داخل ہیں۔

حتیٰ کہ ہندو ٹیکے والا افغان کہلاتا ہے۔

ہرات اور بلخ میں یہودی رہتے ہیں جو دوسرے اہالی کے ساتھ

مساوات رکھتے ہیں۔ حمایتِ اسلام کے سبب ذلت اور مسکنت میں

مبتلا نہیں ہیں۔ اُن کی عزت اور آسودگی کا اس سے قباس ہو سکتا

ہے۔ کہ مملکتِ روس میں باوجود اشتراکیت کے، اپنی افغان تابعیت

پر فخر کرتے ہیں۔

ملتِ افغان کے سب فرقتے ہمہ تن ایک دوسرے کے ساتھ
متحد ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت نے دل سے اُن کو متفق بنا دیا ہے۔
سنی اور شیعہ کو ایک بدن کے دو بازو سمجھتے ہیں۔ اور ان دونوں
میں ذرہ بھر فرق اور تمیز روا نہیں رکھتے۔ بنی لیث کا بادشاہ
کابل میں افواج کا معائنہ کرتا تھا۔ ان کی کثرت پر بجائے فرحت
کے ایسا درد و الم اُسے محسوس ہوا کہ زار و قطار روتے گھوڑے
سے نیچے اتر پڑا۔ اور آہ بھر کر کہنے لگا۔ کہ کاش یہ لشکر اہل بیت
کی خدمت کے لئے کربلا میں میرے پاس ہوتا! اعلیٰ حضرت غازی
ہر سال محرم کی محافلِ تعزیه میں مع ارکانِ دربار کے شمولیت کرتے ہیں۔
اور لوگوں کے اجتماع سے استفادہ کر کے مفید اور مؤثر نطقیں فرماتے
ہیں۔ مرثیہ خوانی پر بے اختیار روتے اور رلاتے ہیں۔ اور اس وقت
کی حالت میں صمیمیت سے غم کی کمر باندھتے اور بندھاتے ہیں۔ کہ آئندہ
اسلام میں نفاق اور فساد کا رخنہ نہ پڑنے دیں۔ اور سب مسلمانوں میں جہاں
کہیں بھی ہوں، حقانیت اور وحدانیت کے ساتھ اتفاق اور واد کی بنیاد
کو مستحکم اور مخصوص بنانے میں مجاہدت کریں *

عملی صلاح کے فطروں کے درپے فضیلتا

بکھری ہوئی پراگندہ تاروں کو جب متناسب مواضع پر رکھتے ہیں تو ایسی
موزون آواز نکلتی ہے جو آدمی کو مفتون بنا دیتی ہے۔ لباس جس کے
بغیر انسان مجنون ہے۔ اسی جدا جدا تار و پود سے منسوج ہے ۵

زاتفاق پختہ خشک و گل ایون شد بلند

در بدر می گشت خاکش چوں بہم منضم نہ بود

مدبر سلطنت کی عملیات اسی قسم کے نظم و نسق اور رتق و فتق پر مبنی
ہوتی ہیں۔ افغانستان میں فسانہ تھا کہ فلاں مستوفی نے امیر شیر علی خانی
میں ملک کے دخل و خرچ کا خلاصہ ایک ورق پر تیار کر دیا۔ حسن صباح
ایسی عمارت قائم کرنے میں موفق ہوا۔ جس نے امارتوں کو بنیاد سے ہلا دیا
لیکن مملکت کے دخل و خرچ کی تحقیق میں ناکام رہا۔ جس پر نظام الملک کی
مانند وزیر اقدام ہی نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ اس عصر میں محاسبات منضبط اور
بجٹ کی ترتیب میں سہولتیں ہیں۔ مگر اس طرف وہی صعو بتیں تھیں۔

جو سینکڑوں سال پہلے اور ممالک میں تھیں۔ ذاتِ ہمایونی کے تفکر و تدبیر نے ایک ہی سال میں بجٹ کے عقدے کو حل کر دیا۔ آپ کی جدتِ طبع اور اقتصادی رسائی کی رہنمائی میں مدخل و مخارج کو ایسی تطبیق و توفیق حاصل ہوئی کہ دولتِ افغان اس قرضے کی بلا سے بر محلِ سچی۔ جس میں نئی سلطنتیں پھنس کر غیروں کے فشار میں آ جاتی ہیں۔ اب باوجودیکہ سینکڑوں طبیاروں، ہزاروں جدید توپوں اور متنوع مشینوں کی خرید کے علاوہ مکتبوں، کارخانوں، نہروں اور کانوں پر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آمدنی کے مقابلے میں مصارف قبول کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ علحضرت کا دماغ اٹھائے سال میں ضرور کوئی ایسی تدبیر سوچتا ہے جس سے عایا کی حاصلات اور سکر کے محصولات میں اضافہ ہوتا ہے۔

تذکار ہوا کہ بڑی اور مهم اشیاء کا موادِ خام چھوٹی اور معمولی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ عالمِ مادی میں برق و بخار حتیٰ مٹی اور کیچڑ انقلابِ فیوض انتساب کو قبول کرتا ہے۔ تو معنویات میں جو بمنزلہ ارواح ہیں۔ بنوں میں، ملت کے اوقات، نیات اور قومی کا انضباط اس سے بار بار

زیادہ فوائد میں منجر ہوتا ہے۔ صرف ایک مثال لیجئے۔ علمحضرت نے دربار میں کام کرتے ہوئے اذان کی آواز سنی، کان لگایا اور فرمایا کہ یہ ملاسرکاری نوکر ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھاتا ہے اور تنخواہ پاتا ہے۔ اسی طرح تمام ملک میں ایسے ہی ملا ہیں جو مشاہرہ یا رعیت سے غلہ وغیرہ لیتے ہیں۔ چونکہ یہ سب تھوڑا بہت لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔ اس لئے معارف کے مقررہ نصاب کی ابتدائی کتابیں ان کو دی جائیں۔ تاکہ قصرِ ثنا ہی کے عملے کے بچوں سے لے کر افغانستان کے ہر ایک گاؤں کی ہر مسجد میں نمازوں کے اوقات کے درمیان تعلیم دیں۔ اور طلبہ کو ان مکاتب کے لئے جو بڑے قصبوں میں میں تیار کریں۔ چونکہ صبح سے لے کر ظہر تک ملا اور مؤذن بیکار رہتے تھے اب مصروف رہ کر ایک مفید کام کرنے لگے۔ اور اس تجویز سے ہزاروں ملا لاکھوں بچوں کو درس دینے لگے۔ اس وسیع دائرے سے ذخیرے کے طور پر لڑکے مکاتب کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں۔ مگر ان اور منقش مساجد میں جا کر باقاعدہ خبرگیری اور ہدایت کرتے ہیں۔

بقول افلاطون اگر ہر شخص اپنی اصلاح کے درپے ہو تو ساری قوم

اصلاح یافتہ ہو جائیگی۔ کافوشش کہتا ہے کہ افراد کے منور ہونے سے خاندان
منتظم ہو جاتے ہیں۔ خاندانوں کے منتظم ہونے سے قبیلے منضبط ہو جاتے ہیں
اور قبیلوں کے منضبط ہونے سے قوم منور اور ملک آباد ہو جاتا ہے اعلیٰ حضرت
غازی اپنی منفرد خاندانی اور قومی حیثیت میں خلقِ انتظام اور روشن فکری کا نمونہ
حسبہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ آپ سے ایک حکیمانہ نکتہ مروی ہے
کہ بعض شاہانِ اسبق کو جو اولاد کے ساتھ محبت نہیں تھی، حالانکہ
یہ ایک فطری امر ہے، اور اسی کے غیاب سے ان کو نابینا اور
قتل کر ڈالتے تھے، سبب یہ تھا کہ ان کا ازدواجِ شہوت پر منحصر
ہوتا۔ اور اس میں تناسل کی نیت نہیں ہوتی تھی۔ اور عمال
نیات کے ساتھ مربوط ہیں ❖

حضراتِ سعادتِ سمات جیسا او بیس قرنی رحمتُ اللہ علیہ اور
بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سب عبادات سے بڑھ کر اپنی والدہ کی
خدمت سے ابتدا اور مقتدائی کے درجات کو نائل ہوئے۔ ذات
شاہانہ من حیثِ فرزندانِ جہند والدہ ماجدہ علیا حضرت کی طاعت اور
رضا جوئی میں اقصیٰ الغایہ کوشش کرتے ہیں۔ زوجہ مکرمہ شاہ خانم کے

ساتھ ایسا حسن سلوک فرماتے ہیں۔ جو بادشاہوں میں شاذ ہے۔ بڑے
 بھائیوں کے ساتھ مراعات اور عزت سے، اور چھوٹوں کے ساتھ
 محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ ان تمام خاندانی معاملات
 میں، عدل، اقتصاد اور حق الربیہ کو سب خوشنودی جذبات پر فوقیت
 دیتے ہیں۔ کسی کے لحاظ سے عدل سے عارول، اور کسی کی تناسل سے
 فضول خرچ نہیں کرتے۔ خواتین کو ان کی حرمت یا محبت کی وجہ سے
 امور محاکمت میں ایسا وصل نہیں ہونے دیتے کہ معذرت مساوات یا
 سیاست میں فرق پڑے۔ شہزادوں کو ان کی ماں کے ملول ہونے کی
 خاطر بے تعلیم نہیں چھوڑتے۔ اور یورپ جانے سے نہیں روکتے۔
 دوسرے شہزادے کے تولد پر آپ طبعاً بہت خوش تھے۔
 جب وزارت معارف میں تشریف لائے تو کام کے بعد میں نے تبریک
 کے چند شعر پیش کئے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا ہ
 تا کے زند سرش بہ قفس لبیل اسیر
 باید بدید باوہ نو در چمن چمید
 اس میں اشارہ چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرف تھا۔ جو کسی خطا پر

محبوس تھے۔ فرمانے لگے کہ وہ رہا ہو جائیں گے۔ مگر قانونی طور پر کیونکہ
 شہزادے کی پیدائش ایک ذاتی بات ہے۔ میں اپنی شخصی مسرت
 کو حکومت کے کاروبار میں دخل نہیں کر سکتا۔ پہلی سلطنتوں میں ایسی
 تقریبوں پر سینکڑوں ہزاروں قیدی آزاد کئے جاتے تھے۔ حالانکہ
 وہ کسی ظلم و ستم کے سبب گرفتار ہوتے تھے۔ اس قسم کی بے وجہ
 رہائیوں کو روانہ نہیں رکھتے۔ شادی کے موقع پر خوشی مناتے ہیں۔
 عزیزوں کی مرگ پر ماتم داری کرتے ہیں۔ مگر یہ سرور و غم امورِ دولت
 میں خلل ہونے نہیں پاتا۔

حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ اس مرتبے کو حائز ہوئے کہ رضا و ایم
 سے تولد اور فوت اقربا پر جو ان سے زیادہ نزدیک کوئی نہ ہو، بالکل
 متاثر نہ ہو کر حسب معمول ہدایت میں مشغول رہتے تھے۔ جناب رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بزرگوار چچا کی شہادت اور عزیز بیٹے ابراہیم
 کی وفات پر غمگین ہوئے۔ اور حسینؑ کی ولادت پر خورسندی کا اظہار کیا۔
 یہ صحو کا درجہ ہے جسے بعض اولیا کے سر پر البتہ واضح فضیلت ہے۔

علم و عمل میں جہاد

اسلام کے حقیقی اولیاء نے استقامت کو بزرگی اور فوق العادہ کرامتوں کو مرید کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ نزجج اس کو دی ہے۔ کہ ایک عالم اور معزز شخص رہنمائی کے اوصاف سے مزین ہو کر عالم لوگوں میں داخل ہو جائے۔ اور اُن کے ساتھ مل جل کر اُن کو اپنی طرح علم و فضل سے آراستہ بنا دے۔ **فَادْخُلْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلْ جَنَّتِیْ**۔ ایک متکبر شخص جسے اپنے ہنر یا مرتبے پر گھمنڈ ہو، باوصف کمالات قوم کے نزدیک محترم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مداومت سے اُن کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ ”جو انمرد جو اپنی خواہشوں کا غلام نہ ہو“ اور دل اُس کے قبضے میں ہو۔ نفس اُس کا تابع، اوروں کو اپنا پیرو بنا سکتا ہے۔ اور دوسروں کے دل کو اپنے ہاتھ میں لا سکتا ہے۔ خواجہ انصارؒ نے فرمایا ہے:- نماز گزار دن

بزرگوں کی عالمانہ تواضع

۱۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو اور میرے جنت میں داخل ہو +

کار بیوہ زناں، روزہ داشتن صرف زنان، حج کردن تماشاٹھے جہاں،
 دل بدست آرکہ کار مردان است۔ خوارق کی تحقیر میں کہا:۔ اگر دروہا
 پری گئے یاشی، اگر برآب روی خسے یاشی، دل بدست آرتا کہے
 یاشی، بیکین لکھتا ہے۔ کہ علم انسان کو بنی نوع کے درمیان سے
 اٹھا کر گویا پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیتا ہے تاکہ تعالیٰ اور کبر سے نیچے
 کی طرف جاہلوں پر نگاہ ڈالے۔ لیکن اخلاق سے اُس کا کمال ہوتا
 ہے۔ تو عمل پر تنزل کر کے اختلاط سے دوسروں کو بھی اپنی طرح متنور
 بناتا ہے۔

علم گر بر نہ مارے بود

علم گر بر دل زند یارے بود

اعلیٰ حضرت غازی نظام نامہ اساسی کو دربار عالی میں وزیر اور وکلا
 کے ساتھ مذاکرہ کر کے ترتیب دیتے ہیں، پھر اس کا ایک ایک فقرہ
 ہزاروں آزاد افغانوں کے جرگے میں پڑھ پڑھ کر فارسی اور پشتو
 میں سمجھاتے ہیں۔ اور حاضرین کو جن میں بعض اجد بھی ہیں۔ بحث اور
 تجویس کا پورا موقع دیتے ہیں۔ باوجود معلومات فائقہ اور بادشاہی

ہندی کے بڑے تختل سے سب کچھ سنتے اور دلائل و براہین سے ہر ایک کو قائل کرتے ہیں۔ سمت مشرقی میں اس طرح کے ارتباط اور مباحثات سے فارغ ہو کر عام افغانوں کا ملی لباس پہن قومی ولولوں کو برانگیختہ کرتے سرحد کا رخ لیتے ہیں، وہاں کے آزاد باشندوں سے گفتگو کر کے ۱۳۰۲ھ میں پہلی دفعہ انگریزی خاک پر نظر ڈالتے ہیں۔ جہاں ہندی مزدور کام کر رہے ہیں۔ دفعۃً بادشاہ اسلام کو روبرو دیکھ کر حیرت و حسرت میں محو ٹھیک طور پر دعا و سلام بھی نہیں دے سکتے۔ پھر بھی ایک دو نعرے لگاتے ہیں۔ دوسرے سال جب اعلیٰ حضرت پھر اسی موسم میں جلال آباد شریف لے گئے۔ تو پھر سرحد پر لوگ ویدار شامانہ کا انتظار کرنے لگے جو چار سال بعد پوری طرح دوسری طرف اوروں کو نصیب ہوا۔

مأمورین دولت کے لئے سال میں بیس روز تفریح کی رخصت کے لئے مقرر ہیں۔ آمر دولت و ملت نے بھی اپنے پر لازم کر رکھا ہے کہ اس سے زیادہ رخصت نہ لے۔ اس میں سے ایک ہفتہ سمت مشرقی کی سیر کر کے چونکہ بجٹ درپیش تھا۔ اور آپ مدخل و مخارج

کی کلیات و جزئیات پر بحث کر کے منظوری دیتے ہیں۔ اس لئے رات کے بارہ بجے کابل آ پہنچے تاکہ خادموں کی طرح سیدالقوم بھی علی الصباح خدمت پر حاضر ہو۔ چند روزہ فراغت میں بھی وزارتوں کو اطلاع دیتے گئے تھے کہ ضروری کاموں میں آپ کی طرف رجوع کریں۔ اور علاوہ اس کا روبرو کے اجراء کے جن میں عادل اور عاقل بادشاہ کبھی عاقل اور غافل نہیں رہتا، رات دن ٹیلیفون میں اس سلطنت کے ساتھ مخابرہ جاری رکھتے تھے۔

یورپ کے سفر میں بھی یہی سلسلہ پختہ تر جاری ہے۔ نہ صرف وزراء اخباروں کو اپنے ہر جگہ کے حالات سے تاروں کے ذریعے زیر دیتے ہیں۔ بلکہ سلطنت کی معظمت میں وہیں سے احکام صادر کرنے کے علاوہ، وزیروں، مدیروں، مکتبیوں حتیٰ منفرد اشخاص کو ان کے خطوں کا جواب لکھتے ہیں۔ دو نو قسم کی تاروں کے ذریعے اس لمبے پہلے اور متم بالشان سفر کو اپنے ملک و ملت کے لئے حاضر بنا رکھا ہے۔ وطن میں پہلی سیاحت تعطیل کے دنوں میں بامیاں کی طرف ہوئی۔ جہاں بارہا کے ڈیڑھ اور پونے دو سو فٹ اونچے بت موجود ہیں۔

جب اس مختصر سفر سے واپس آئے۔ تو اراکین و مامورین دولت کو ملاقات کے لئے باریاب فرمایا۔ ذاتِ شاہانہ جیب سے ایک کاغذ نکال کر کھڑے ہوتے ہیں (اور یہ سفر نامہ بیان کرتے ہیں:-

موٹر پر سوار ہو کر کوہ دامن سے گزرے۔ عجیب مناظر کا سیر کیا۔ چاروں طرف سبزہ زار تھا۔ اور میوؤں کے اشجار کو پہاڑوں نے گود میں لیا ہوا تھا۔ کوہستان میں پنچکر اور دلفریب تماشے دیکھے۔ پھولوں اور پھلوں کی کثرت پہلے سے زیادہ تھی۔ پھر شاداب وادیوں میں سے ہوتے ایک جگہ تناولِ اشرافیہ کے لئے منتخب کی۔ جہاں آبشار کا شور تھا، اس سے بچنے کیلئے عصر یہ ہم نے دریا کے کنارے کھایا۔ جو خاموشی اور طاعت سے بہ رہا تھا۔ رات کو چونکہ تھکے ماندے تھے۔ اس لئے جلدی استراحت کی حاجت ہوئی۔ صبح تازہ دم بتوں کو دیکھنے باہر نکلے۔ جو پہاڑ میں تراشے گئے ہیں۔ صنعت اور ہیبت کے مجسمے ہیں۔ اس اشنا میں بامیاں کی وفادار رعایا نے تحفے پیشکش کئے جن کو ہم نے بڑی خوشی اور مہربانی سے قبول کیا۔)

حاشا و کلا! یہ اعلیٰ حضرت غازی کا کلام نہیں۔ یہ کسی اور ملک کے بادشاہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مکرم اور نام دار نہ ہوا۔ اگر افغان بادشاہ بھی اسی طرح کی باتیں کرتے۔ تو کم از کم میں اُس کی حکایت اور روایت نہ کرتا۔ پھر یہ بیان اعلیٰ حضرت غازی سے کیوں دُور ہے؟ اس لئے کہ آپ متکلم ہوتے ہوئے صیغہ جمع کبھی استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ ایک دفعہ میں نے عرض کی کہ بادشاہوں کا فرامین میں یہی دستور ہے۔ تو پروا نہ کی۔ البتہ موجودہ زمانے کی بعض سادہ عبارات کو پسند کیا۔ جو بادشاہ کو خطاب کرنے میں مرقوم ہوتی ہیں۔ صیغہ واحد کے علاوہ کتابت یا خطابت میں مفید اور متین سخنوں کے بغیر سبک اور خفیف حرف کبھی ایزاد نہیں کرتے۔ اپنی صادق رعایا سے نذرانے نہیں لیا کرتے۔

من از تو نغیب از تو دیگر چیز نخواهم
حلوا بکسے وہ کہ محبت بخشیدہ است

پھر اُس کا غذ سے کیا پڑھتے ہیں؟ کوئی بیس مطالب ہونگے۔

جن میں سے بعض کے لئے کاغذ کی طرف رجوع کرتے ہیں باقی زبانی تقریر فرماتے ہیں۔ مثلاً حکومت کے انتظام اور امنیت کو ملاحظہ کیا۔ فی الجملہ عدل اور ضبط جاری تھا۔ لیکن حاکم کمایلیق فعالیت ابراز نہیں کرتا۔ اس لئے اسے ہدایت اور تنبیہ کی۔ مامور مالیک کا دفتر اور سب کتابیں اچھے اسلوب میں تھیں۔ حسابات آخری تاریخ تک درج تھے۔ تفتیش کے بعد صرف ایک اعتراض وارد آیا۔ مزید تحقیق سے اگر بری ثابت ہوئی تو قابل تحسین ہے۔ اربابوں کی بابت بہت سی معلومات حاصل کیں۔ سرکاری کاغذات میں ان کی شکایات تھیں۔ ادھر ادھر پھرتے ہوئے لوگوں سے جو مجھے نہیں پہچانتے تھے استفسار کیا تو وہ بھی زیادہ انہی اربابوں کے متعلق فریاد کرتے سُنے گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ نمبردار یا مکھیا بہت سے فسادات کا منبع ہیں۔ مجرموں کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں۔ اور رعیت سے کھاتے، حکام کو کھلاتے ہیں۔ بعض کو جن پر الزام ثابت ہوا۔ دوسرے علاقے میں فرار کیا۔ اور سب کو ان کے قدیم رہنے سے معزول کر کے رعایا کو آزاد بنایا۔ تاکہ بلا وساطت غیر حکومت تک سائی حاصل کریں۔

اور خود اپنے وکیل منتخب کر کے حکام کی مجالس میں داخل کریں، اور
قریب دار بھی گاؤں والوں کی رائے سے مقرر ہو، اور کسی فرد ملت
کو ارثی لحاظ سے بغیر لیاقت و صلاحیت کے کوئی رعایت و عزت
نہ ملے ۛ

منجملہ اور اطلاعاتِ نافذہ کے فرمایا کہ پُرانی سڑک چونکہ فنی اصول
پر نہیں بنائی گئی۔ اس لئے لازم ہے کہ فی الحال موقتاً کسی مکتب میں
ہندسی کی جماعت کھول دی جائے۔ تاکہ مکمل تعلیم یافتہ انجینیروں کے
تیار ہونے سے پہلے، اس سے کام لیا جائے۔ چنانچہ اب چند طلبہ
یورپین ہندسوں سے یہ علم و عمل سیکھ کر سڑکوں پر اُن کے ماتحت کام
کر رہے ہیں ۛ

آخر علیحضرت نے سفر میں حضر کا فرض ادا کر کے فرمایا کہ جب میں
بامیاں میں تھا تو کابل کا فلاں بڑا مامور بدوین مطالعہ سرکاری کاغذوں
پر دستخط کر دیتا تھا۔ جس کو آئندہ احتیاط لازم ہے۔ ورنہ قانونی
مواخذہ ہوگا، اور فلاں وزیر رات کو بھی دفتر میں مع کاتبوں کے
کام کرتا تھا۔ حالانکہ اگر قاعدے اور انضباط سے ایساے وظیفہ ہو

تو دن ہی کافی ہو سکتا ہے ۛ

روز ویلٹ امریکہ کی صدارت کے دوران میں کچھ مہینے فراغت حاصل کر کے افریقہ کی سیر کرتا ہے۔ اور ہاتھی کے شکار وغیرہ پر اخباروں میں مقالے لکھتا ہے۔ صلاح الدین صلیبی لڑائیوں سے فرصت پا کر دو غلاموں کے ساتھ پہاڑ کی سیر کے لئے جاتا ہے اور مراجعت پر فلاحت کے بارے میں ایک رسالہ تحریر فرماتا ہے۔ روز ویلٹ عالم جدید کا ایک تعلیم یافتہ شخص ہے۔ اور سلطان ایوبی قدیم مدرسے کا فارغ التحصیل تھا۔ افغان بادشاہ نے کہاں سے سبق پڑھا؟ اُن لوگوں سے جن سے لقمان نے حکمت سیکھی ۛ

شہزادوں کے انا بلق عموماً بوڑھے تجربہ کار آدمی مگر اکثر جاہل اور ناخوان ہوتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اُن سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اس سلسلے ہی کو موقوف کر کے سب شہزادوں کو مکاتب میں داخل کیا۔ ذات شاہانہ نے مکتب حبیبیہ کو صرف اپنا شرف شمول بخشا۔ اور یہ اس درگاہ کے لئے ہمیشہ افتخار و امتیاز رہے گا کہ آپ کا اسم سامی وہاں درج ہے۔ جس جماعت میں آپ اکیلے داخل تھے اُس سے یہ

عبرت لی کہ شاگرد کیتائی اور تنہائی میں رہ کر ہمسروں کے رشک و غبطے سے محروم، علوم و اخلاق میں دوسروں پر سبقت نہیں لے جاسکتا، لہذا پہلے ہی سال بعضوں کے علی الرغم مکتب سے شہزادوں کی جماعتوں کو بالکل موقوف کر کے ان کو دوسروں کے ساتھ مختلط کر دیا جس سے ایک شرانگیز تفرقہ دُور ہو کر منائرت اور منافرت کی بجائے ملت کے ہر طبقے میں نوجوانوں کی موافقت و ارتباط کی بنیاد قائم ہو گئی ۛ

تکبیر عیب ذہیم لیکن کبر مع المتکبر و صنف کریم ہے۔ اور فروتنی کا بھی ایک اندازہ ہے ۛ

تواضع گرچہ محمود است و فضل بیکران دارد

نشاید کرد بیش از حد کہ ہدیت رازیاں دارد

اعلیٰ حضرت نے مکتب حربیہ میں خوب تعلیم پائی ہے۔ اور اس تجربے سے عسکری مدارس اور خود فوج میں بہت سی اصلاحات اور ترقیاں کرنے کے پورے اہل ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر ایک جدا جلد کا طالب ہے۔

مارکس آریلیس نے متعدد اساتذہ سے علوم پڑھ کر ہر ایک سے ایک حکمت سیکھی اور اس میں فضیلت حاصل کی تاکہ بادشاہوں میں بگائے حکیم

محقق کہلایا۔ اعلیٰ حضرت نے منجملہ فنونِ سپاہگہری، وضعیتِ عسکری کو معنی اور ظاہر میں اپنا اساس بنایا۔ اور ملت کو بھی اُس کا توصیہ کیا یا مومن اور متعلمین سے استواری، فعالیت اور راست رفتاری کی توقع رکھ کر سلاطین پیشین کے خلاف کورنش اور فرشی آداب کو سخت فصاحت سے دیکھا۔ اگرچہ افغان بادشاہوں میں پہلے بھی یہ علما نہ تعظیمات پسند نہیں کی جاتی تھیں۔ مگر اعلیٰ حضرت غازی نے سلام کا قاعدہ مقرر کر دیا۔ جس میں مختلف طرح کی تسلیمات منضم ہو کر صرف ایک قانون واحد کے لئے معین ہو گیا۔ خم یا سر جھکانے کے بغیر سیدھا دلیرانہ ماتھے پر ہاتھ رکھنا جس میں کوئی عاجزی نہ ہو آپ کو منظور ہوتا ہے۔ ایسی وضع کو جس میں سُستی اور پستی نہ ہو۔ مع دوسری استقامت اور چستی کی عادات کے آپ دل اور زبان سے مقبول رکھتے ہیں۔ جب خود ہر وقت بیدار اور سپاہیانہ اطوار پر مشغول کاروبار رہتے ہیں۔ دوسروں کو بھی ایسی صوری اور باطنی ہمت اور ہوشیاری کی تحریض و تحریض کرتے ہیں۔ ع

آئے طریقِ زنداں جاہلا کی استِ چستی

انسان کی چابکی اور جراحی زبان کی روانی اور طرازی کے تناسب پر مشاہدے میں آئی ہے۔ نیز فصیح البیانی اس امر کے ساتھ منوط ملاحظہ ہوئی ہے۔ کہ زبان ہنگام کلام موٹی نظر آئے۔ سقراط اور امام شافعیؒ کو اس خصوصیت کی مشہور امثالہ کے طور پر شاہد پیش کرتے ہیں۔ علم شریح کی تاریخ میں ذات شاہانہ کی مثال اس واقعے کا مزید اثبات کرے گی۔

ایک حدیث ہے کہ مناسب اعضا صالح قوا پر دلالت کرتے ہیں۔ انگریز بھی کہتے ہیں کہ قلب سلیم، قالب صحیح میں ہوتا ہے۔ ایک یونانی حکیم نے ایسا دربان مقرر کر رکھا تھا۔ جو ملاقاتی کی تصویر کا خاکہ کھینچ کر اندر بھیجتا۔ جس سے اُس کی سیرت پر قیاس کر کے ملنے کی اجازت ہوتی۔ ورنہ خیر ہے

گر مصوٰرِ صوّتِ آں دِلستاں خواہد کشید

جیرتے دارم کہ نازش را چسپاں خواہد کشید

افتان بادشاہ کی شبیہ تو عکس سے کچھ دیکھی جاسکتی ہے۔ مگر شامل کا معامہ کرنا اُن کی لطافت اور وسعت کی وجہ سے محال ہے۔ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کو اجمل العرب کہتے تھے۔ لڑکپن میں دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ کہ شاعر کی نظر پڑی۔ بے محابا بول اٹھا کہ یہ بچہ اپنی قوم کا سردار ہوگا۔ ماں نے اندر سے سُن کر للکارا کہ تیری زبان پھوٹے۔ اور میرا بیٹا ابھی مرے۔ اگر بادشاہی سے کوتاہی کرے۔ کابل کے بطیفہ سنج کہتے ہیں ۵

بطفلیش ہر کس کہ می دید می گفت

کہ این طفل آخر بلائے بر آید

أَشَدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے

رحمت ورافت کے شیوے کے ساتھ ہیبت اور شوکتِ عسکری

کو اختیار کیا ہے۔ اور ملت کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابی وجانہ رضی اللہ عنہ کو

اپنی تلوار دے کر لڑائی میں بھیجا۔ تو انہوں نے خرام اور تبختر سے

پیشقدمی کی۔ فرمانے لگے کہ یہ رفتار عند اللہ مبغوض ہے۔ مگر اس وقت

محبوب ہے۔ طوافِ کعبہ کے لئے اپنی تحافہ رض کو ارشاد ہوا کہ اپنی

۱۵ کفار پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں ۶

ڈاڑھی کو رنگ دے کر باوجود بڑھاپے کے جوانوں کی طرح قدم
 اٹھائیں تاکہ دشمنوں کے دل میں مسلمانوں کی استقامت اور ضعف
 جاگزیں نہ ہو۔ اسی متابعت اور نیت سے اعلیٰ حضرت پہلے بڑی بڑی
 تابدار مونچھیں رکھتے تھے۔ جب اس رعب نے اپنا مطلب حاصل
 کر لیا تو چھوٹی کر دیں۔ اس سے بھی آپ نے ایک استنباط کیا۔
 کہنے لگے کہ جب لوگ میری اتنی تقلید کرتے ہیں کہ میری طرح
 مونچھوں کو بڑا یا چھوٹا کر لیتے ہیں۔ تو اس سے یہ اُمید قوی ہوتی
 ہے کہ جس طرح میں رات دن ملت کی خدمت میں مصروف ہوں۔
 وہ بھی اپنی اپنی جگہ کوشش کریں گے۔ چنانچہ اس کے آثار کا اظہار ہونے
 لگا ہے۔ مثلاً بدخشاں کی فوج نے عریضہ بھیجا ہے کہ جب ہمارے
 بادشاہ نے ایشار کو اپنا شعار بنایا ہے تو ہم بھی آئندہ کم تنخواہ لیں گے
 تاکہ باقی دولت کے دوسرے مصارف میں کام آئے۔ علی
 ٰ ہذا النقیاس ہر ولایت سے عرائض آنے شروع ہوئے ہیں۔ کہ ہم
 مالیات پر اضافہ دینگے۔ تاکہ ہمارے لئے مکاتب تاسیس کئے
 جائیں۔ یہ پہلے سالوں کی باتیں ہیں۔ اب افغانستان میں کوئی بڑا

قصیدہ نہیں رہا۔ جہاں ابتدائی مکتب قائم نہ ہوا ہو۔ اور جہاں سے ہزاروں لڑکے ہر سال پانچ سال کی تعلیم پورا کرنے کے بعد شہروں کے متوسط مکاتب میں داخل نہ ہوتے ہوں *

لارڈ رین نے معارف کو ایسی محبوبہ سے تشبیہ دی ہے جو جمال کے علاوہ زیورات سے بھی آراستہ ہے۔ اُس کا وصل تکمیل تنہا کے ساتھ مالا مال بھی ہو جاتا ہے، لیکن وہ شان و آں بھی رکھتی ہے کہ جب تک جانفشانی کی مساعی عمل میں نہ لائی جائیں۔ اُس کا قرب میسر نہیں ہو سکتا۔ کوشش اس سے بلیغ اور کیا ہو سکتی ہے کہ غزا کی عین شدت و حدت میں جب دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے ساتھ صف آرائی تھی معارف کی طرف پوری التفات رکھتے تھے۔

وَلَقَدْ ذَكَّرْتَكَ وَالرَّمَا حُ نَوَاهِلُ مِغْنٍ وَبَيْضُ لَهْدٍ تَقَطَّرُ مِنْ دِهْنٍ
فَرَدَّتْ تَقْبِيلَ السُّيُوفِ لَا هَمًّا مَلَعَتْ كِبَارِقِ ثَغْرِكَ الْمُتْبِسِّمِ

۱۵ میں نے تمہیں یاد کیا جب نیزے میرا لہو پی رہے تھے۔ اور ہندی تلواریں

میرا خون ٹپکا رہی تھیں *

پس میں نے شمشیروں کو چومنا چاہا۔ کیونکہ وہ تمہارے مسکراتے ہوئے دانتوں کی بجلی کی طرح چمکتی تھیں *

مکاتب و عرفانی امور میں کامل توجہ رکھ کر لڑائی کے موفقانہ اتمام میں بھی کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اور یہ جنگ وجدال آخر اسی لئے ہوتی ہے کہ ملت میں علم اور امن کی روشنی پھیلے۔ تلواریں اور نیزے اسی لئے آبِ تاب دکھاتے ہیں۔ کہ قوم ہمسروں کے سامنے سرخرو اور خندہ پیشانی ہو سکے۔ اُس کو مرعی رکھ کر اعلیٰ حضرت غازی نے جہاد کا اول سے آخر تک پورا اہتمام کیا۔ اَلْفَضْلُ مَا كُنْتُمْ هَذَا بِهِ اِلَّا عَدَاءُ۔ ایک موقر اخبار میں شائع ہوا تھا کہ افغان بادشاہ نے سمت جنوبی کے جنگجویوں کو شجاعت کے نغمے دے کر ایسی مبادرت کی ہے کہ ہم پرانے تجربہ کار ان محاربات پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ فی الواقع انگریزوں نے بہت مدت کے بعد اپنی فوج کے اُس حصے کی قدرانی کی تھی جو افغانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہوا تھا۔ دو تین مہنرم افسروں کو سزا دینے سے سیاست پہلو نہی کرتی ہیں۔ تاکہ بدنامی منتشر ہو کے دشمن کو قوی دل نہ بنا دے۔ اعلیٰ حضرت حق پرست نے اس غیرت سے جس کو ”کرۃ ارض کا خوف نہیں“ اور اس سیاست جو موثریت اجر و زجر دونوں میں متعین کرتی ہے۔ اکثر سپاہ کو انعام اکرام

کرنے کے ساتھ اسی مختشم دربار میں بعض کو تو بیخ کے ساتھ رسوا بھی کیا ۔

طارق اس جبل سے گزر کر جو اُس کے نام سے موسوم ہوا۔ فاتح ہسپانیہ بنا۔ موسیٰ نے لشکر مظفر کے سامنے اسے سخت سزا دی۔ اس عسکری غفلت پر کہ فوج کے عقب کو نہیں ڈھانپا تھا۔ اگر دشمن پیچھے سے حملہ آور ہوتا تو تباہی وار د کرتا۔ موسیٰ نے پہاڑ پر چڑھ کر یورپ پر نگاہ ڈالی اور کہا کہ کل اسے فتح کرونگا۔ اس کے غم اور ارادے کی عظمت کا گین گواہ ہے۔ جس کی شہادت کے موجب اگر خلیفہ ولید اسے واپس نہ بلا لیتا تو آج کیمرج اور اوکسفورڈ میں بجائے گرجا کی گھنٹیوں کے اذان کی آواز سنائی دیتی۔ امیر المؤمنین بجائے نئے ممالک کی تسخیر کے پہلے مقبوضات کی تنظیم کو بہتر و افضل سمجھتا تھا۔ اور اب تک ہر ملک میں اس خیال اور تدبیر کے افراد اور فریق ہوتے ہیں۔ حسد کی نسبت سپہ سالار کی معزولی اور جرنیل کی مجازات کا یہ محرک ہو سکتا تھا کہ کہیں بغاوت کر کے علیحدہ سلطنت قائم نہ کر لیں طارق باوصف اپنی فوق العادہ خدمات کے غلام تھا۔ اور مابعد کی اسلامی تاریخ

میں بے شمار مثالیں قائم ہوئیں۔ کہ منصوریت کے نشے میں سہارا
 ہو کر غلاموں کے تفرقے کا اندیشہ نہ کر کے۔ مجد احکومتوں کی بناؤالی +
 بروٹس فاتح کی فروتنی کو جاہ کی سیڑھی سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس کے
 ذریعے سے بامِ مکتنت پر چڑھ کر اس وسیلے کی طرف پیٹھ پھیری جاتی
 ہے۔ اور مطلق العنانی کے آسمان کی طرف منہ اٹھایا جاتا ہے۔ حمید
 کتا ہے ۷

ہلہ بہ سر کا بزے پر نور و دلو
 چہ تعلیم و نریر دستی اخلے نہ تاکہ

اُس وقت دوسرے درختوں پر سرکشی یا سر بلندی کے قابل ہو گا
 جب زیر دستی کی تعلیم انگور کی بیل سے حاصل کرے (شیکسپیر نے غلام
 بچوں کو اسی تاک کی مانند کیا ہے۔ جو بادشاہی آفتاب کی روشنی سے
 پرورش پا کر ایسا گھنا ہوتا ہے کہ اُس کی شعاعوں کو بھی اندر نہیں گھسنے
 دیتا +

بادشاہوں کو ان ملحوظات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اور اُن کی تاریخ
 میں بعض سزاؤں کا سراغ لگانے کے لئے یہ امر خاطر نشین ہونا چاہئے۔

اعلیٰ حضرت غازی نے ڈکہ کی طرف پیشقدمی کے سبب سپہ سالار کو واپس بلا کر معزول کر دیا۔ اور باوجود اس کی سابقہ خدمات کے مدت تک برطرف رکھ کر بعد میں کسی جگہ مقرر کیا۔ اسی طرح بعض سرکشیوں اور غفلت کیشوں کو معتبوب فرمایا۔ اور جو فداکارانہ خدمات بجالائے تھے یورڈنعام و نشان ہوئے۔ ذات شاہانہ کی خبرداری اور تحقیقوں کی قدر افزائی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ میں ان دنوں ہندوستان میں تھا۔ بغیر کسی کی یاد دہانی یا تجویز کے حُسن خدمت کا تمغہ مع رقم اعلیٰ کے وہیں مجھے بھیجا۔ حالانکہ لاکھوں مامورین دولت میں ایک غائب شخص کس شمار میں آ سکتا تھا +

اعلیٰ حضرت نے جہاد اصغر و اکبر کے صلے میں غازی کا لقب قبول کیا۔ مگر ان القاب سے جو اُن کے باپ دادا کو ملت کی طرف سے تمذیب ہوئے تھے منظور کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب کافی خدمات بجا لاؤنگا تو دیکھا جائے گا۔ برسوں بعد جب ”بڑے جوگے“ میں ہزاروں دکلے ملت نے پھر متفق آواز سے اُس کی تحریک کی تو بھی منکسرانہ وضع سے استنکات کیا اور

امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کے خطابات سے پہلو چرایا۔ یہ غدر کر کے کہ اُن کی شان بہت بلند ہے۔ اور یہ ایسی ذوات کرام کے ساتھ منسوب ہیں۔ کہ میں اُن کا ایک ادنیٰ غلام ہوں حرافت کی ذمہ داریاں اتنی بڑی اور بھاری ہیں کہ میں اُن کے اٹھانے سے قاصر ہوں ۞

پہلے سال ذاتِ شاہانہ نے طلبہ کی طرف سے معارف کا نشان قبول فرمایا تھا۔ کیونکہ اہل علم کے ساتھ خاص شغف تھا۔ اور اُن کی لکھوئی بہر حال مطلوب تھی۔ اس جواہرات سے مرصع تمنغے کو اپنے سینے پر لٹکا کر علم معارف بلند کیا۔ اور جوش آور نطق کے بعد سب متعلمین سے یہ عہد لیا۔ جس کی تجدید مکاتب کے تمام جلسوں میں سال بسال ہوتی رہتی ہے۔ جب تک کہ سرزمین وطن کو اپنے خون سے رنگین اور گلزار نہ بنا دینگے۔ قرار نہیں بیٹھے ۞

ملت سے القاب نہ لینا اور قومی اعزاز کی پروا نہ کرنا، جو علامہ حضرت غازی پر نثار کئے جاتے ہیں، اس امر پر دال ہے کہ رعایا کو آپ کی سرفرازی اور حرمت کی خواہش ہے۔ اور آپ

صرف اُن کی خدمت کی آرزو رکھتے ہیں ۛ

سرخما سرکونری نہ منی و تاج

بارے تاج دخی خُما و سہروتہ محتاج

(میرا سرتاج کی سرنگونی کو نہیں مانتا۔ بارے تاج میرے سرو کا

محتاج ہے) ۛ



تعلیم اور عرفان پُری مدینِ حیات و بردی

سابقہ عہد میں صرف ہندی معلم جن کے ساتھ کبھی ایک آدھ ترک بھی آتا تھا، سرشتہ تعلیم کے زما دار تھے۔ جب مدرسہ جیسیہ میں "جاں نثاران اسلام" کی مجلس نے اشاعتِ تعلیم کے ساتھ صلاحات کی تجویز کو بھی پیش کیا۔ تو اُن کو قتل اور قید کرنے کے بعد مکتب برائے نام بحال رکھا۔ اور اس کی حقیقی ترقی سے قصداً بے التفاتی کی گئی۔ علی الرغم اُس کے معتد بہ اور مقنی بہ تعدادِ متنور نو جوانوں کی پیدا ہو گئی۔ جن سے مختلف دوائر میں اعلیٰ حضرت غازی نے ہم خدمات لیں۔ چنانچہ متعدد وزراء سفیر اور مدیرانہی میں سے ہیں۔ اور ایک جان جو کھوں کی سیاسی فداکاریوں کے بعد اب ممتاز وزیرِ معارف ہے۔ ذاتِ شاہانہ نے وسیع نظر سے ایک تعلیمی ہیئتِ فرانس سے دوسری جرمنی سے طلب کی۔ اور ہندوستان کے علاوہ ترکی اور ایران سے معلم جلب کئے گئے۔ اور ان سب کے

متواتر مشوروں اور مذاکرات سے مکاتب کے قیام و دوام کو دنیا کی
 جدید ترین اور مسلم طرز سے پایدار بتایا *
 علاوہ معلموں اور مدیروں کے یورپ کے اکثر ممالک سے انجینئر
 ڈاکٹر اور مشاور بلائے گئے۔ بعض تنگ دل اشخاص شرق اور غرب
 کو بعد القطبین کے فاصلے پر سمجھ کر اور افغانستان کو نئی تہذیب اور
 سیاست کے لئے مستعد نہ جان کر اس خارجی خدام کے ہجوم کو تاقل
 کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ البتہ انسان اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے۔
 لیکن عقل اور عمل رسائے شہانہ باہر کے مستخدمین کی حرکات اور
 افعال پر اس طرح محیط ہے کہ وہ خود سرانہ سرزمین افغانستان
 میں ایسے درخت نہیں لگا سکتے۔ جن کے لئے اراضی موزون یا
 یا تیار نہیں۔ حکومت اور مدنیت میں اگر قدیم عمارات کو بنیاد سے
 گر اگر جدید تعمیر شروع کی جائے تو کس قدر مصارف لازم آئیں اور
 قطع نظر اس فرصت کے اشتیاء کے جو شاید نئے قصر کی تکمیل
 میں خارجہ مصروفیت کے سبب میسر ہو یا نہ ہو، آیا یقینی امر ہے
 کہ یہ گھر ہماری ضروریات کے موافق بنے؟ پس وہ کاشانہ جو

سینکڑوں سالوں سے ہمارے آبا و اجداد کو اپنی پناہ میں لئے آیا ہے، قائم رکھنا چاہئے۔ اگر اس کی ترمیم کی طرف توجہ کریں تو تیز میں بھی کچھ مصروف ہوں۔ اس کے استحکام کے سب پہلوؤں پر نظر رکھ کر توسیع اور ترقی کی جانب سے بھی تجاہل نہ ہو۔ یہ انگریزوں کی متین سیاست ہے۔ اور فی الواقع تاریخی اثبات سے قابل رشک ہے۔ کم صرف اقوام فوراً جمہوریت کی بنا رکھ دیتی ہیں حالانکہ برطانوی ارتقا میں یہ مرحلہ گزر چکا ہے۔ اس سے بھی استفادہ نہیں کرتیں۔ اگر خلافت راشدہ کی طرف ارتجاع ہے۔ تو مبارک ہے۔ بشرطیکہ تاریخ اپنا اعادہ کر کے پھر سلطنتوں کو شان و شوکت تمام میں لا کر کھڑا نہ کر دے۔ بعض سطح الفکر ملل دفعۃً آزادی پا کر دین سے الگ ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اعلان کر دیتی ہیں کہ خدائے متعال ہی کو نہ مانا جائے۔ حالانکہ وَلَکُمْ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَ کَرْهًا۔ جس کا بے خبرانہ ترجمہ برک نے یوں کیا ہے۔ کہ ”امور کی ایک طبعی ترتیب ہے۔ جس کی ہر چیز مطیع ہے

اے اُس کا مطیع ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں یا زمین میں ہے۔ رضا سے یا زور سے +

خواہ رضا سے یا زور سے۔" ماسکو میں ایک روسی وزیر نے میرے ساتھ اپنی حکومت کی بیخدائی کا ذکر کرتے میرا عندیہ دریافت کرنا چاہا۔ میں نے کہا کہ مجھے اس میں چنداں فرق دکھائی نہیں دیتا کہ دو یا تین معبودوں کو قبول کیا جائے۔ یا کسی کو بھی نہ مانا جائے۔

قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا وَلِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ آيَا مَ اللَّهِ مُسْلِمُونَ

سب کے ساتھ گذران اور درگزر کر سکتے ہیں۔ ایران کی اشتراکیت نے دو خداؤں کو چھوڑا۔ اور کچھ مدت حیران رہ کر ایک کو لیا، ناظرین استدلال کر سکتے ہیں۔ کہ روس کی اشتراکیت تین کو ترک کر کے تھوڑا عرصہ سرگرداں رہ کر آیا واحد قہار کے سامنے سر جھکائے گی؟

اعلیٰ حضرت غازی عمومی اور خصوصی معلومات اور افکار میں وافی بہرہ رکھتے ہوئے خارجی ملازمین کی تجاویز کو اپنے ملک کے سیاسی اور مدنی حالات کے ساتھ تطبیق دے کر محل اطلاق میں گزارتے ہیں۔

۱۵ ایمان داروں کو کہو کہ ان لوگوں کو معاف کرو۔ جو خدا کے دنوں کی اُمید نہیں رکھتے۔ تاکہ خدا لوگوں کے اعمال کا بدلہ دے +

مثلاً اپنے حضور میں انجمن معارف منعقد کر کے تعلیمی نصابات کو داخلی اور خارجی اعضاء مجلس کے طویل مذاکرات کے بعد منظور کرتے ہیں۔ اس دوراندیشی سے کہ مختلف اور متنوع مکاتب میں تفرقہ اور معاشرت تولید نہ ہو۔ حتیٰ الوسع جرمنی فرانسیسی وغیرہ نصابوں کو موحدانہ شکل میں ترتیب دی ہے۔ یہ سب تعلیمی نظامات آپ کی وقتِ نظر کے نیچے رہتے ہیں۔ اور ذرا سے انحراف پر جس کی اطلاع آپ کو ضرور ہو جاتی ہے، وزارتِ معارف کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ معارف میں ذاتِ ہمایونی کی پیہم مداخلت کو عوارف ہی تقدیر کر سکتے ہیں۔ ایک مستقل کتاب مطلوب ہے۔ جو آپ کے اس اشتغال اور اشتغاف کو بیان کرے جس سے علم و عرفان کی اصلاح و ترقی ہو رہی ہے۔

سینکڑوں مجالس اپنے حضور میں علمی مباحثات کے لئے تشکیل کیں۔ ہزاروں فرامین فنی امور پر مکاتب کے لئے صادر کئے۔ وزارتِ معارف، ریاستیں، دیریتیں، اور متعدد شعبے مع نظاماتِ معینہ مرتب کئے۔ باوجود اس کے جب کبھی موقع پاتے ہیں۔ بازاروں اور

کوچوں سے لڑکوں کو جمع کروا کے اپنے حضور میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ جو مکتب میں داخل نہوں۔ اُن کو اپنے ہاتھ سے تاویب کرتے ہیں۔ اور جو شامل ہوں۔ اُن سے کچھ پوچھ کر اُن کے معلموں کی تفتیش کرتے ہیں جس کی بیروں کی خود سرزنش ہو جاتی ہے۔ پھر مکتبوں میں امتحان کی حیثیت میں بیٹھ کر دنوں امتحان لیتے ہیں۔ اور طلبہ کی عمر کے لحاظ سے ان کی ذہنی استعداد کو پرکھتے ہیں۔ تاکہ نصاب تعلیم اولادِ وطن پر بارشاق نہ ہو۔ اُنکی صحت و قوت کے ساتھ اقل مدت میں تحصیل علم ہو سکے۔ اس اندیشے سے کہ تھوڑے طلبہ کا امتحان سب کے نتائج درپا کرنے میں قاصر نہ رہے۔ سینکڑوں لڑکوں کو اکٹھا کر کے خود اُن سے کبتی اور شفا ہی سوالات پوچھتے ہیں۔ تاکہ منطقی استنباط سے اہل معارف کی قیادت موفقا نہ طور پر کر سکیں۔ *

جیسا کہ عربی صرف و نحو کے بارے میں کوفہ اور بصرہ کے مناظرات تمام اسلامی ممالک میں سرایت کر گئے تھے۔ لاطینی اور یونانی کے متعلق مباحثات بھی تمام دولِ یورپ میں مدتوں جاری رہے۔ جو نسبت ان دو نو قدیم السنہ کو عربی زبانوں سے ہے وہ ہی معاملہ عربی اور

فارسی کا تقریباً پشتو سے ہے۔ جس طرح قیصر ولیم نے اپنے عہد عروج میں لسانِ جرمنی کو مقدم جانا اور اسے اکثر علمائے المان نے قبول کیا۔ اعلیٰ حضرت غازی اسی طرح کی عملی موثر اور مفید طرز چاہتے ہیں۔ علاوہ تعلیماتِ عالیہ کے جن میں عربی کی ضرورت ایک تو بذاتِ خود اسی کی خاطر ہے۔ اور دوسرا فارسی کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ذاتِ مشاہدہ کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ جلدی علوم و فنون کی تحصیل کر لیں، لہذا فی الحال مرکبِ تعلیمِ پشتو کو قرار نہیں دیا کیونکہ یوں تاخیر رخ دیتی، فارسی ہی بالفعل لازم لکھی گئی۔ اگرچہ یہ لزوم عارضی ہے۔ ذاتِ ہمایونی کا مختصر مطلب یہ ہے۔ کہ عموماً سب افغان لڑکے دینیات کو اچھی طرح اور آسانی سے سمجھ سکیں۔ اسلامی عقائد کو ادراک کر کے ان پر عمل کریں۔ عبادت و معاملات میں فکر اور ہمت کے کام لیں۔ زیادہ وقت ایسے وسائل اور رسائل میں صرف نہ ہو جن کو سوائے الفاظ کی تقدیس کے معانی کے ساتھ کم سروکار ہے۔ اسی طرح دوسرے مضامین بھی اپنی زبان میں پڑھیں۔ اور غیر زبانیں صرف اس لئے سیکھی جائیں تاکہ طلبہ بڑے ہو کر ان سے استفادہ کریں۔ اور اپنی زبان میں ان کے فوائد بیان کر سکیں، لہذا صرف

ایک خارجی زبان ہر ایک معلم کے لئے اجباری ہے جس کی تعلیم پھر ان مکاتب کے جو طلبہ کو یورپ کے لئے تیار کرتے ہیں، دورہ ابتدائیہ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور عربی البتہ لازمی ہے۔ جیسا کہ جاپان میں چینی کے بغیر چارہ نہیں ۛ

مکاتب ابتدائیہ، رشدیہ، اور اعدادیہ کے بعد دار الفنون کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اس لئے ذات شاہانہ ان میں زیادہ توجہ مبذول فرماتے ہیں۔ جرمنی فرانس وغیرہ کی طرح ان تین دوروں میں بارہ سال صرف ہوتے ہیں۔ اور ہر شعلّم کو ہر مضمون پڑھنا ضروری ہے یعنی بالغ العلوم ہونے کے لئے لازم ہے کہ ہر علم کے اصول سے واقفیت ہو ۛ

ذره ناخورشید اماں گرم از خود رفتہ اند
یک قدم باہر چہ جو شد فوق آگاہی گزیں

بعد ازاں کسی فن میں تخصص دار الفنون میں شروع ہوتا ہے۔ یہ اساسی تعلیم ہے، اس کے علاوہ رشدیہ میں کچھ تفرع ہو کر شعبات مسلکیہ علاحدہ ہو جاتے ہیں۔ تعلیم رشدی کابل کے علاوہ مع دار المعلمین

کے مختلف لائبریریوں میں بھی جاری ہو گئی ہے۔ ان کے سوا حسبِ وراثت دیگر اقسام کے مدارس بھی ہیں۔ جن سے طلبہ فارغ التحصیل ہو کر متنوع کاموں پر فوراً مقرر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مکتب حکام، مکتب قضا، مکتب قاتر، مکتب زراعت، مکتب لغزات، مکتب معاری، مکتب نجاری۔ مکتب رسامی اور مختلف مندرسیوں کے مکاتیب جو احتیاج کے مطابق کھولے جا رہے ہیں۔ ایک دارالعلوم عربی بھی ہے۔ جس میں نئے مضامین کے ساتھ پرانی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اور اب افغان طلبہ جو پہلے ہندوستان اور مصر جاتے تھے، یہیں باطمینان تحصیل کر سکتے ہیں۔ یہاں خاص طور پر طعام اور لباس سرکاری دیا جاتا ہے۔

اگرچہ معارف کے باغبان جداگانہ گلشنوں کو فنی اصول سے تربیت اور نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن درخت لگانے کے قاعدے اس طریقے سے کہ بار آوری جلدی ہو، خود مالک اراضی بتاتا ہے۔ جو یہ بھی مد نظر رکھتا ہے کہ دولت و ملت کی مطابقت کے موافق میوہ دار اشجار تیار اور تقسیم ہوں۔ اور مبادا پھولوں کے پودے جائز زینت

زیادہ جیسا ہو جائیں، یا پھلوں کی اتنی و فور سے حاجت نہ ہو۔ اور وہ
 پڑے سڑیں۔ اگرچہ الآن یہ کیفیت نہیں۔ مگر آئندہ سالوں کے لئے
 یہ پیش بندیاں کی جا رہی ہیں۔ تاکہ ملت کے تعلیم یافتہ افراد سب مفید
 مشاغل میں لگ جائیں۔ اور کوئی متنفس بھی بیکار نہ رہے۔ ماہران
 حرث نہ صرف ان طریقوں اور تقیساتِ شایانہ کو پسند کرتے ہیں۔
 بلکہ صرف انہی کو تکمیل کے قابل سمجھ کر معرض اجرا میں لاتے ہیں۔
 چونکہ ثمراتِ تعلیم ایک جاہل اور دوسرے عالم شخص کے موازنے میں
 ایک دانے کی مانند ہیں۔ جو ایک نادان بچے کے دماغ میں دانائی کو
 جاگزیں کر کے گریا علوم کے ساتھ خوشے نکالتا ہے۔ اور ہر خوشے
 میں پھر سودا نے ہوتے ہیں۔ جن سے مراد فتون ہیں۔ اور اس سے
 بھی زیادہ برکات ایک تعلیم یافتہ جوان اپنے لئے اور اپنی ملت کیلئے
 حاصل اور فائدہ کرتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ مَثَلٌ حَيَّةٍ أُنْيَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ

۱۰ اُن لوگوں کی مثال جو اپنے مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ دانے کی مانند ہے۔
 جس میں سات خوشے نکلتے ہیں۔ اور ہر خوشے میں سودا نے ہوتے ہیں۔ اور خدا
 جسے چاہتا ہے دو چند کر دیتا ہے۔

مَاءَ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ وَالْحَضْرَتِ بَهْتَرِینِ مَصْرُفِ
 خیرات طلبہ کی امداد کو جانتے ہیں۔ اور علاوہ اس بجٹ کے جو بیت المال
 میں تعلیم و تربیہ کے لئے منظور ہوتا ہے۔ تقارب پر اور معین صدقات
 دیتے ہوئے اُن کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔ اور عین المال سے
 لاکھوں روپے اس علمی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ سِرّاً وَعَلَانِیَّةً۔ ظاہر
 اس لئے کہ امانت دولت اور شرفائے ملت کی تشویق اور تقلید کا
 محرک ہو۔ چنانچہ محاربات کے شہدا کے بچوں کے سوا عام یتیموں کو
 بھی اس لئے یاد شاہی محل میں پرورش کا موقع دیتے ہیں تاکہ دوسروں
 کو نہ صرف ترغیب ہو بلکہ بالضرور پیروی کریں۔ اگرچہ ایسے لڑکوں کی
 تعداد افغانستان میں بہت کم ہے۔ پوشیدہ خیرات اس لئے کرتے
 ہیں کہ معاملہ عالم الغیب کے ساتھ ہے۔ اور ذاتِ ہمایونی سلطان
 محمد فاتح اور محمود غزنوی کی طرح روحانیت کے معتقد ہیں۔ اور اس
 کی حقانیت روایاتِ صادقہ میں بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اور اکثر اس کی
 مثالیں بیان فرمایا کرتے ہیں۔ بہت سی خفیہ امداد جو مساکین کو پہنچتی رہتی
 ہے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ مگر عطر آخرِ عمر کسی کے مشام میں پہنچ

جاتا ہے۔ خود اعلیٰ حضرت کی وضع سے یہ پتہ مل جاتا ہے کہ ہر وقت محتاجوں اور مصیبت زدوں کی فکر میں پڑے رہتے ہیں جس کا محرک اتقا ہو سکتا ہے ورنہ معظمت اور تفکرات مملکت میں ایسے خیالات کی آسانی سے گنجائش نہیں ہو سکتی۔ جن سے فوری فائدے کی توقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اُن سے بے توجہی عاجلہ خطرات ابراٹ کرتی ہے ۞

دہلی کے دربار میں لارڈ کرزن لاکھوں پاؤنڈ زریت میں خرچ کر رہا تھا۔ اور بقول سرنہری کاٹن اسی وقت سینکڑوں آدمی بیکانیر میں فاقے مر رہے تھے۔ جس وقت جشن استقلال بنگال میں رونق پر تھا۔ اعلیٰ حضرت نے طلباء کو بلا کر ہدایات دیں کہ شہر میں بازار کا ایک حصہ جل گیا تھا۔ جس میں بعض غیر مستطیع آدمیوں کی دکانیں تھیں۔ اُن کی اعانت کے لئے جہاں کہیں اجتماع خلق دیکھو۔ موثر تقریریں کرو، خود بھی ایک بڑی رقم عطا فرمائی اور لڑکوں نے بھی بہت سارے پیسے فراہم کر لیے۔ ایک شادمانی کی عمومی تقریب پر غمزدوں کو فراموش نہ کر کے اُن کو بھی خوشی میں شریک ہونے کا موقع دیا ۞

تعلیم نسواں کا فوق العادہ اقدام اور تقدم

چونکہ پغمبان میں ذاتِ شاہانہ کی آمد و رفت بہت ہے۔ اس اندیشے سے نہ بعض پایہ تختوں کی طرح مشعل کے نیچے تاریکی نہ ہے اور دوسری جگہیں سورج اور چاند کی طرح روشن ہو جائیں، اپنے برقی نور سے قدوم معرفت لزوم کے ساتھ علمی درخشانی جہاں بھی گئے پھیلا کے آئے۔ نہ صرف پغمبان کے لڑکے بلکہ سن رسیدہ لوگ بھی مکتبوں اور آپ کے مقالات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ وہاں ایک بہت عالیشان عمارت مکتبِ رشیدیہ کے لئے تیار ہوئی ہے۔ اور دوسرے عرفانی آثار جیسے شہدائے استقلال اور جنگِ علم و جہل کی فتح کے منار اور شاہانہ تولد کی یادگار اور اُن کے ساتھ جو روایات مربوط ہیں۔ اور کتبے اور تحریرات ان پر اور طاقِ نطفہ وغیرہ پر کندہ ہیں۔ اہالی کو وسعتِ خیال اور سرعتِ اعمال دینے میں کمتر مؤثر نہیں ۛ

اسی لحاظ سے پہلے اعلیٰ حضرت نے پغمان میں مکتب مستورات
 تاسیس کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ مگر چونکہ شہر اُس کے لئے زیادہ
 موزوں تھا۔ وہیں ستر اور پردے کے اہتمام نام سے اس کا افتتاح
 ہوا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ طبقات ملت کی لڑکیاں شاہی خواتین کے
 اداوے میں قابل اور تعلیم یافتہ معلمات کے سپرد ہوئیں۔ ملکہ ملائکہ
 خصلت کو مقتضی کا عمدہ دے کر ہر طرف سے نگرانی اور انتظام کا
 اطمینان کیا۔ اور آنا نانا مردانہ تعلیم کے دوش بدوش زنانہ ترقیات
 کا ذریعہ بھی مہیا کر دیا۔

بگیر از پیش فرصت از پس ناید دست تو کہ باشد این پری سر کل جبینش ز پر کا کلہا
 چو گل شد شمع شایان قدیم از محفل دنیا امان اللہ غازی کرد گل با صد شاہلہا
 چراغ و دودہ پائندہ خاں پائندہ تاباں بد نگہ نور سما و ارض دارد از تانہا
 مبادر شد بشوق و ذوق تعظیم علم و فن کہ طبع و ہمت عالیٰ شہ نپذیرد تعطلہا
 چنین قیمت شناس گوہر علم است کمال فن
 ز نقد دل ہمہ روز زند در محض تکمیلہا

سید احمد خاں کو باوجودیکہ تعلیم و کور میں مساعی بلوغ کی وجہ سے شایانہ

کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر آخر تک مکتب اناٹ قائم کرنے کی جرأت
 یا فرصت نہ ہوئی۔ دوسرے ملکوں میں بھی مدارس بنین کے مدتوں بعد
 مکتب بنات کھلے ہیں۔ اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کی یہاں عہد سابق میں
 ابتدا ہوئی۔ مگر نشوونما کے فقدان سے ابھی گہوارے سے نہیں نکلی
 تھی۔ کہ دورہ امانیہ نے اسے رواں بلکہ دواں بنادیا۔ طرفہ تریہ کہ عاجلاً
 اس کے پیچھے لڑکیوں نے ایسے تقدم سے کمر باندھی کہ میدان فن
 میں گامزن ہو کر بعض جہات میں سبقت لے گئیں۔ جیسا کہ تاریخ افغان
 خانموں کے صحرانی اور سیاسی کارناموں کو بیان کر کے اس امر کا اعتراف
 کرتی ہے۔ کہ ان میں جسمی اور علمی استعداد موجود ہے۔ عصر حاضر میں یہ
 ثبوت بھی مل گیا کہ زمانہ شفا خانوں اور صنعتی کارخانوں کو چلانے اور
 ادارہ کرنے کے علاوہ درسگاہوں کی قابلیت بھی رکھتی ہیں *
 کولمبس کے امریکہ کشف کرنے پر کسی نے بے اعتنائی سے کہا تھا کہ جو کوئی
 بھی بحری سفر کرتا۔ آخر اس پر عظم تک پہنچ جاتا تو مختصر کرہ بیضہ کے
 سامنے عاجز آ گیا تھا۔ ”جنس لطیف یا نصف بہتر انسان“ افغانستان میں
 ایک نئی دنیا تھی۔ جس کی ذہنی اور دماغی قوا کا اکتشاف نہیں ہوا تھا۔ اور

ہسپانوی مکتشف کی طرح یہاں بھی ملاحوں کی مزاحمت اور بغاوت کے
 ہنگاموں کا خوف تھا۔ جن سے مٹ بھڑکنے کی کوئی جسارت نہیں کرتا تھا۔
 اب ان خطرات کی فراموشی کا احتمال کیوں نہ ہو۔ جب کہ کئی مکتب قائم ہو گئے
 اور نئے کھل رہے ہیں۔ ہزاروں برقعہ پوش لڑکیاں اس طرح امن و
 اطمینان سے پڑھنے آتی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہمیشہ سے یہ روزمرہ کی عادت
 ہو

مرنگل از بیضہ بروں آید روزی طلبد آدمی زادہ ندارد خبر از علم و تمیز
 آن یک روز کے گشت پچھنے ز سید وین تمکین و جلالت بگذشت از ہمہ چیز

جدید عالم کی اختراعات میں انڈے سے چوزہ نکالنا یا دوا سے بچے کو جوان
 بنانا بھی ہے۔ ذات شاہانہ نے اپنی ہدایات و تفققات سے طریقہ تعلیم
 اور سلیقہ تدریس کو ایسی تاثیر اکیسرنجشی کہ برسوں کا کام مہینوں میں سرانجام
 ہو رہا ہے بلکہ خود اعلیٰ حضرت کو اندیشہ ہوا کہ یہ سختگی قبل از موسم نہ ہو۔
 اس کے بعد اور انسداد میں بعض تجاویز پر عمل درآمد کیا گیا۔ تاکہ تعلیم کی
 وسعت اور سرعت کے ساتھ طلبہ کی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے چنانچہ
 لڑکیاں گھروں کی نسبت باوجود کے کہ سب مکاتب میں دن بھر صبح سے

تدریس و تعلیم

لے کر شام تک تعلیم جاری رہتی ہے، بہت تندرست و توانا ہیں۔
 ارسطو طالیس نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ تو نے ایک عالم کو تسخیر
 کیا۔ خیر دار کہ حرم تمہیں مستخر نہ کرے۔ اکثر شاہی خاندانوں کا یہی عکس حال
 ہوا ہے۔ چنانچہ میر و بخیا کے بادشاہوں کی ایک مثال کے علاوہ سلطان
 عثمانی جب اکثر اوقات حرم سراے میں بسر کرنے لگے۔ تو بلقانی ریاستیں
 سر نکالنے لگیں۔ افغان بادشاہ نے دنیا کے معلّم اول کی تعلیم میں انقلاب
 ڈال دیا۔ حرم سراے کو عیش و طرب کی بجائے دبستانِ علم و سہت بنا دیا۔
 جب وہاں استراحت کے لئے رجوع کرتے ہیں تو انسان کے نصف بہتر
 کی تسخیر میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہاں بھی تعلیم کا منظم سرشتہ جاری
 ہے۔ وہیں سے غور و فکر کے بعد وزارت معارف کو تعلیم انا ثبیہ کی
 اصلاحات کی ہدایات دیتے ہیں۔ جو تقیسات ملکہ معظمہ اور ان کی کبیہ
 کرتی ہیں۔ سب کو سن کر اپنے فکر سلیم سے صحیح نتیجہ نکالتے اور نصاب
 کی ترمیم یا کسی مضمون کی تزیید یا تنقیص کے درپے ہوتے ہیں۔ ان
 توجہات کا لازمی ثمرہ یہ ہوا کہ مکاتب ستورات نے فوق العادہ ترقی
 دکھائی۔

سالانہ امتحانات میں مردانہ مدارس پر فوقیت حاصل کی اور اب تک
 زمانہ تعلیم کو نو برس گزرے۔ ہر سال یہی تقدم ہے کہ ہر ایک جماعت
 میں ہر ایک لڑکی کامیاب ہوتی ہے۔ اور سب اول درجے میں نمبر
 لیتی ہیں۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ ثلث لڑکیاں پورے نمبر صد فی صد حاصل
 کرتی ہیں! اور یہ شاذ ہے کہ دو تین دوسرے درجے میں نکلیں۔ یعنی
 پچھتر فی صد سے کم نمبر لیں یا ایک آدھ بالکل ناکام رہے۔ میں نے
 اس حیرت و مسرت اور نتیجے کو جنس لطیف کے اسم باسمیٰ ہونے کے
 ساتھ منسوب کیا تو ذاتِ شاہانہ نے متانت سے جواب دیا کہ لڑکیاں
 بہ نسبت گھر کی تنگ چار دیواری کے مکتب کی کشادہ فضا اور صاف ہوا
 میں زیادہ خوش رہتی ہیں۔ اس لئے زیادہ شوق سے پڑھتی ہیں۔ اور
 لڑکوں کے لئے معاملہ برعکس ہے۔ وہ مکتب سے نکل کر کھلے میدانوں
 اور چمنوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں جاسکتے ہیں۔ اسی ہابیونی
 دلیل پر قدیم اور جدید مدارس اور دروس میں نشاط اور دلچسپی کا سامان
 فراہم کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

درس ادب اگر بود ز مرز محبت جمعہ بکتاب آور طفل گریز پائے

اعلیٰ حضرت حبّ وطن اور ہمدردی ملت کے سبق کو طلبہ کے لئے بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس نصیحت اور تاکید کا اثر یہ ہوا ہے کہ لڑکیاں وطن خواہی میں اس درجہ کو پہنچ گئی ہیں۔ کہ مکاتب مستورات کے سالانہ جلسوں میں اور اعیانہ دینی و ملی کے زمانہ جشنوں میں ایسی فصیح و بلیغ تقریریں کرتی ہیں۔ کہ ہزاروں آن پڑھ عورتوں کو حامی علم و عرفان اور اپنی طرح وطنی لباس کی طرف راغب بناتی ہیں۔ نمائشوں میں لڑکیوں کے قطعات، مرسومہ کاغذات، کھانے پکانے کے شرقی و عربی ماکولات کے نمونے، کشیدہ خاکہ و وزی کے علاوہ اُن کے ہر قسم اپنے سئے ہوئے ملبوسات، تعجب اور اعجاب سے دیکھے جاتے ہیں۔ ذاتِ شالانہ ماسوائے ان انعامات کے جو نمائشوں میں عمدہ اور اعلیٰ اشیا پر دئے جاتے ہیں۔ مزید تشویق کے لئے مستورات کو اور بھی اکرام کرتے ہیں *۔

اعلیٰ حضرت نے ستر اور عصمت کا کامل اہتمام کر کے ایسا برقعہ تجویز کیا ہے۔ جس سے نقل و حرکت میں سہولت کے علاوہ پردے کا پورا لحاظ رہے۔ اور مکاتب نسوان کی لڑکیاں اسی برقعے سے

پہچانی جائیں۔ یٰذَرِیْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ جَلَدٍ بَیِّنٍ ذٰلِكَ اَذِّنَ
 اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذِنَنَّ۔ سالانہ امتحان بھی اسی رعایت سے
 لئے جاتے ہیں۔ جس کی ایک اقد سے خوب غماحت ہوگی۔ ممتحن نے
 جغرافیہ میں ترکی حدود و اربعہ پوچھا۔ پہلے پروے کے پیچھے سے
 کوئی جواب نہ آیا۔ پھر رونے کی آواز سنائی دی۔ آخر غصے اور انتقام
 کے لہجے میں سلسل بیان ہوا کہ کس طرح شریف مکہ نے خیانت کر کے
 اسلام میں رخنہ ڈالا۔ اور مقامات مقدسہ غیروں کے قبضے میں چلے
 گئے۔ پھر انقرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جس طرح قسطنطنیہ تہتر
 کر لیا ہے، دوسرے مقبوضات پر بھی انشاء اللہ تعالیٰ تصرف ہو کر
 ترکی کے سابق جہات اربعہ جغرافیہ میں درج ہونگے۔

جب بوستان سرائے میں جہاں ایک طرف امیر عبد الرحمن خاں
 مرحوم کا مقبرہ ہے، اعلیٰ حضرت نے بڑی دھوم دھام سے مکتب
 اعدادیہ کا افتتاح کیا۔ اور طویل اور نہایت مؤثر نطق فرمائی تو مکتب

۱۰ اپنی چادریں اپنے پرزدیک کر لیں اس سے وہ غالباً پہچانی جائیں گی۔ اور ان کو
 اذیت نہیں پہنچے گی۔

رتہ کی ایک لڑکی نے پردے کے پیچھے سے یہ نظم پڑھی ۔
 درگکشنے کہ بادخراں سالماوزید
 روئے بہار شد ز نسیم اماں پدید
 مرغان بغمہ ٹانخے شنی رقص میکنند
 صیاد را بام اوچوں باغیاں کشید
 سرسبز گشت باغ و بیابان کو ہزار
 گل کا رنگ بوئے رزین ہر بیت مید
 نشوند شاو بہرہ و راہل چین چہرا
 اثمار را تو اں چو بد اماں خیش چید
 چون سایہ غیر از سر اشجار رف شد
 ہر شاخ گشت بارور از بار خود خمید
 ایں خصلت کریم بود کز فروتنی
 اصلاح ما بدیگراں زین جو بخ نمود
 باوصف اقتدار بخوت نسر کشید
 قصہ مخالفت بنماید اگر عدو
 افغان شیر نژاد و باہ کے رسید
 آمد بکرو فرو بکرات شد فرار
 خواہیم بر مقابلہ اش در و نجا حمید
 ناور و تاپ جملہ ما و پس خزید
 از بزم بود بیش پے رزم غم ما
 غواہیم بر مقابلہ اش در و نجا حمید
 از اختیار رو بد و جلب منفعت
 ناور و تاپ جملہ ما و پس خزید
 ایں عید مزور حث آزادی ستین
 گردید دل مستقل از رنج و غم بعید
 از قوت حمیت آں شاہ نامدار
 از زور مانوئے کہ بہا باز در رسید
 از قوت حمیت آں شاہ نامدار
 کہ شرق و غرب صیت ہوا نمودیش
 بخشید بہر ملت خود شہرت مزید
 آں بادشاہ غازی کز فکر و ہمتش

آرام و عیش و حظِ بلا حد خود فروخت
حریت و رفاهِ رعایا بے خود خرید
در حالِ این بیع و شراکتش
خواهد بقدرِ رفعتِ اجلال آرمید
قانونِ عدل و ادبِ جت چو وضع کرد
تنفید آن نمود بنگرانیِ شدید
عمرانِ چوں شد مهرِ یونیش بلند
بوم خرابیِ وطن از بامِ ما پرید

از التفاتِ خاصِ بفرمانِ ملتش
بکشاد با بهائے معارف بصفید
روشن نمود مطلعِ تاریکِ ماکِ ما
از نورِ علمِ پردهٔ اظلام را درید
از سعی او بدارِ فنون سه قدم بماند
تعلیمِ چوں بمنزلِ عداوید رسید
بشِ بطنینِ سوزِ رشتانِ سرا خلد
از روحِ جدِ شاهِ بریں موقعِ سعید
تأسیسِ گشتِ متصلاً بکتابِ اماں
باطالِ بانِ فائق و متقدم و رشید
مارونِ عهدِ جلوهٔ نهلمیز ما نمود
در یک هزار سالِ چنین وضعِ شکر دید
شد نورِ دیدگانِ رفِ چو کحلِ نطق
از سوزِ سازِ جمل و ادبِ چو لُش طدید

اوصافِ عمارتِ عتیق و بدیع را
آگند در وجودِ خود از صوتِ حمید
از علم و فنِ منتخب و نافع بشر
جاری نمود و حملهٔ به پیرایهٔ جدید

تعلیم تا بطرِ مؤثر شود سرح
از فکرِ تسلیمِ خودش نقشہ پاکشیر
گو یا پئے گرفتِ انواعِ صیدِ علم
در جدولِ مطابقِ فن و اہماتِ نید
توفیقِ نصرتِ تعلیم و تربیہ
از رلق و فتق و نسق متصد و سدید

بہر ترقیات و علامیر سد بگوش
از لیسِ لیلِ نسانِ اِلاما سخی نوید

اعلیٰ حضرت غازی جلسہ مذکورہ میں طلبہ کو اپنے ساتھ موٹر میں
بٹھا کر انہی کے لباس میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اثنائے تقریر میں
جب یہ بیان کر رہے تھے۔ کہ نئی سلطنت اور نئی تعلیم کو ابھی
نو سال ہوئے ہیں۔ اور اس کی تکمیل کو کئی برس اور چاہئیں۔
باوجود اس کے کہ ایک مکتب عالی کی رسم تاسیس خوشی کا مقام تھا،
آپ کی آواز رک گئی۔ گلا گھٹنے لگا۔ آخر رقت اور درد بھرے
محن میں طلبہ کو اور ملت کو ابھارا کہ گذشتہ غفلتوں کی تلافی میں
آئندہ سخت جدوجہد سے کام لیں تاکہ سابقہ مل میں معمولی کوشش
سے پیچھے کے پیچھے نہ رہ جائیں۔ بلکہ فوق العادہ سعی و ہمت

سے سبقت لے جائیں۔ پھر حاضرین کی فہمائش کے لئے سیاہ
 تختہ پر جدول کھینچ کر تعلیم اور اُس کے متعدد شعبات کا نقشہ
 کھینچا جو غور و تعمق کے بعد وزارتِ معارف کی تعمیل کے لئے
 آپ خود تیار کیا کرتے ہیں۔



ملک کی تفتیش اور خبا

اعلیٰ حضرت نے بڑی رحمت اور محنت کے بعد قندھار کے تمام
دواڑ اور دفاتر کی تفتیش کر کے اسے ایک مجلد کی صورت میں مع تصاویر
کے طبع کرایا تا کہ اُس کا پائدار قاعدہ پہنچتا رہے۔ ورنہ قندھار
غزنی اور جلال آباد کی تفتیشوں کے بعد ذاتِ شاہانہ نے اپنی
ساری کارروائی مامورینِ دولت کے سامنے بیان کی تھی اور چونکہ
اصل مدعا یہ تھا کہ قانون کی پوری پابندی کی تحقیق کی جائے۔ اس
لئے تھوڑے سے انحراف پر بھی سزائیں دی گئیں۔ حتیٰ کہ بعض
بڑے معزز عہدہ دار بھی جرمانے سے معاف نہ ہوئے۔ کیونکہ
نئے قواعد و ضوابط کی تعمیل میں کوئی نہ کوئی کوتاہی ہو جانا اگرچہ نیک
نیتی سے ہی ہو، اغلب تھا۔ قید کی مجازات بھی عمل میں لائی گئی۔
اور بڑے جرائم کی تحقیقات کے ساتھ، یہاں تک باریک بینی
ہوئی کہ اگر کسی وزارت کے مکتوب میں ایک جگہ تاریخ میں ذرا سی

نملنی تھی تو وہ بھی نکالی گئی ۛ

دلایت مزار اور سمت جنوبی کی تفتیشوں کے بعد آپ نے دارالامان میں علاوہ مامورین کے رعیت کے برگزیدہ اصحاب کو بھی جمع کیا۔ چونکہ سامعین کی تعداد بہت زیادہ تھی اور آپ کی تقریر کئی طویل گھنٹوں کا لکچر تھا، اس لئے اپنے سفر وغیرہ کے حالات فنی طریقے پر ریڈیو کی مدد سے سب کو سنائے اور بورڈ پر نقشہ کھینچ کر جغرافی کو اٹف دکھائے۔ ایک قابل ذکر یہ امر ہے کہ باوجود اتنی سلطنتوں کے جو افغانستان میں قائم ہوئیں اور اتنے حملہ آوروں کے جو یہاں سے گذر کر ہندوستان کو گئے، نہ تو کسی بادشاہ نے رعایا کو اپنے سیاحت نامے سنائے، بلکہ سوتے ہوئے دوسروں البتہ سب نے سنے، اور سکندر ایجنس سے لے کر سکندر برنس تک کسی کو یہ نہ سوجھی کہ بلخ تک بیس پچیس دن کے راستے کے سوا ایک ہفتے میں منزل مقصود طے ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بالقرض اگر اکیس ہزار فٹ کی بلندی سے ایک موسم میں برف گزرنے نہ دے تو دریا کا حجر لے ایک تیسری راہ پر دلالت کرتا ہے

دلایت مزار کی تفتیش اور نئی سطحیں

جو درازی میں کچھ زیادہ ہے :

جب سڑکوں کی سُرُخ رسانی میں اتنی دقت سے کام لیتے ہیں شہرِ پُرا
اور باشندوں کی تفحص اور پُرسش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرمانے لگے
کہ میں نے برسرِ دربار پوچھا کہ رعایا کو حکام سے کوئی شکایت ہو تو بے
کھٹکے بیان کی جائے۔ وکلا سے علیحدہ دریافت کیا، خلوت میں کہا کوئی
تکلیف ہو تو دور کی جائے۔ خواہش ہو تو پوری کی جائے، مگر ہر ایک
جگہ سے یہی جواب ملا کہ قوانین اور نظامات نے سب صعائب رفع
کر دی ہیں۔ اور ہر ایک تنہا برآئی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بہت لمبی نطق کے اثنا
میں سب مامورین کے حالات بتائے اور مکانات و مجازات دونوں کا
اعلان کر کے جن اصحاب کو موردِ انعام بنایا تھا۔ اُن میں سے بعض کی فوق العادہ
خدمات پر ثناء و تعریف و تحسین کر کے اُن کے حق میں دعا بھی مانگی، اور ولایت
مزار کا عام تبصرہ کرتے ہوئے بعض برائیوں کی طرف اشارہ کیا جو اہالی کی

۱۔ جسے ترکستان افغانی کہتے تھے، اب ولایت مزار سے موسوم ہے کیونکہ بلخ کے نزدیک جو
حاکم نشین شہر ہے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرقد ہے ۵

گویند کہ مرقدِ عظمیٰ در نجف است در بلخ بیابہ ہیں چہ دار شرف است
جامی نہ عدن گوونہ بین ابحسبلین خورشید کججا و نورش ہر طرف است

ترجمہ معنی آئندہ

ملی حالت کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اور اُن کا ازالہ علم و عرفان کے انتشار سے ہو سکتا ہے *

قابل کشت اراضی غیر مزرع پڑی ہیں۔ بعضے حاصل خیز خطے بھی کھیتی سے عاری ہیں۔ کیونکہ پانی جو ہر چیز کو زندہ کرتا ہے آسمان سے نہیں اُترا۔ یکایک بادل نمودار ہوتے ہیں گر جتے ہیں اور خلافتِ المثل برستے ہیں۔ بارانِ رحمت وادیوں کو سیراب کر دیتی ہے۔ تیار زمینیں سرسبز ہو جاتی ہیں۔ اور زرخیز قطعات میں شادابی سے گویا فصلوں کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے، اور زبانِ حال سے بادشاہ کے تشکرات ادا کرتی ہے۔ جس نے مساوات اور آزادی کی نعمت سے اہل و صالح لوگوں کو وطن کی خیر خواہی کا موقع بخشا۔ اور اس سے تو اسی کا حق بجالا کر زمانے کے خسارات سے مستثنیٰ ہوئے۔ عالم و فاضل اشخاص کو

اخباروں کی فوری اشاعت

سلطان حسین مرزا جیسے عظیم الشان بادشاہ اور اُس کے وزیر امیر علی شیر جیسے علامہ آگاہ نے یہ وضع تعمیر کرایا تھا۔ جو اب بہت آباد اور روز افزوں و نفع پذیر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک بلخ صرف ایک دیان گاؤں رہ گیا ہے۔

(تاریخ صحیحہ)

نورِ زندانِ اہلش چو صادر شد تکلمها
خلف بنیادِ آں کنند از راہِ تکاسلما

قنادام البلاد بلخ در پیری بویرانی
سلف از فنِ عمران ساختندش قبتہ الاسلام

فرست نصیب ہوئی جس میں لسانِ قلم سے مقالات بیان کر کے ملت کو ترقی و تعالیٰ کی صراطِ مستقیم پر ہدایت دے سکیں :

ترکی اور ایران وغیرہ میں انقلابات کے بعد ایسا ہی ہوا تھا۔ کہ دفعۃً سینکڑوں اخبارات شائع ہونے لگے۔ لیکن افغانستان میں ان سے متغائر معدلانہ احتساب جاری ہوا جو لغو اور حشو کو دور کرتا رہا اور جرائد میں صرف وہی مضامین نشر ہوئے۔ جو وطن اور ملت کیلئے فتنہ اور فتنہ خیز احداث نہیں کرتے تھے۔ طیب کلمات نے ثابت اصل پر کھڑے فرع آسمان میں نکالی۔ اور خبیث باتیں جرّے سے اکھڑیں۔ ذاتِ ہمایونی کی نگرانی، تقریر و تحریر میں سے جو یہاں سبزے کی طرح ہر طرف ہزار زبان سے لہلہانے لگی تھی، نہات کو چھوڑ کر کڑوی زہر چیزوں کو پہرے کرتی رہتی ہے۔ اس لئے وطن عزیز میں خار کے بغیر ازار اور ریاح و ریحان ہیں :

اشتراکی روس میں باوجود بڑے ادعا کے سب اخبار حکومت کی طرف سے شائع ہوتے ہیں اور کوئی شخص اشتراکیت کے پر علیہ قلم نہیں اٹھا سکتا۔ افغانستان میں جہاں بادشاہ ملت کا سچا خیر خواہ خادم ہے

اور ساتھ ہی سب سے زیادہ عقل اور تدبیر کا مالک ہے۔ تو بطریق
اولے اخبارات اُس کی حکومت کے طرفدار ہیں۔ کیونکہ دولت کی طرف
سے شائع ہوں یا ملت کی جانب سے سب اُسی کے عہد کے پورے
ہیں۔ جیسے امان افغان، معرف معارف، ارشاد نسواں، اتحاد مشرقی،
طلوع افغان، اتفاق اسلام، فریاد، مجموعہ عسکری، آئینہ عرفان،
مجموعہ صحبہ، ستارہ افغان، انیس، نسیم سحر وغیرہ۔

یہ اخبار اور رسالے شاہانہ فکر و اسع میں ادا امر معروف کی تبلیغ
کے لئے کافی اور موزوں نہیں تھے۔ اس لئے ایک ارغٹوں ایجاد
کیا۔ جس کی طرف اہالی کو رغبت ہوئی۔ کیونکہ اُن کی طبائع کے موافق
تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ نظام نامے اور اصلاح کے کتنا بچے علاوہ
جدا طبع ہونے کے اخباروں میں درج ہوتے ہیں۔ تاکہ لوگ نئے
قوانین اور ہدایات سے واقف ہو جائیں۔ مگر چونکہ عام لوگ فطرتاً زریک
اور بیانے واقع ہوئے ہیں۔ اشتہاروں کی طرف اُن کا میلان
زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ سب قانون اور مفید مضمون ایک
بڑے صفحے پر نقل ہو کر چھاپے جائیں۔ اور وہ واضح مواضع میں نصب

کئے جائیں۔ تمام ملک میں اُس کی تعمیل ہوئی۔ مگر اس پر بھی قناعت نہ کر کے قلم کے ساتھ بیان سے بھی افادہ کیا۔ مجمع عام کی جگہوں میں اونچے منبر رکھوائے گئے۔ اور جب لوگوں کو شام سے پہلے وہاں اکٹھا دیکھتے تو مکاتب کے تعلیم یافتہ نوجوان اوپر چڑھ کر ”ابلاغ“ کو پڑھنے لگتے۔

ان ابلاغات کے ذریعے سے وہ مساعیٰ جمیلہ جو آئین و قوانین کی ترتیب میں ملکی اور عسکری ترقی کے لئے ابراز کی تھیں، اور یہ مشکل کام ہے، موثریت کے درجے تک پہنچائیں، جو بہت زیادہ مشکل ہے، جب تک لوگ اپنے وظائف و حقوق سے آگاہ نہ ہوں حاکم ظلم اور اضافہ ستانی سے، محکوم غفلت اور سرتابی سے، باز نہیں آسکتے۔ ایک دن اعلیٰ حضرت کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے آہستہ ایک دوسرے آدمی کو کہا کہ بہت سے لوگوں کی بھیڑ تھی جو ”ابلاغ“ کو سن رہے تھے، آپ فوراً قطع کلام کر کے متوجہ ہوئے اور بے اختیار عجلت سے فرمانے لگے کہ بہت سے لوگ سن رہے تھے؟ آپ کے بشرے اور زبان سے مسرت اور انبساط عیاں ہوتی تھی۔ ملت کی بیداری اور

توسیع افکار کے اتنے مشتاق ہیں کہ اُس کے مقابلے میں اور سب باتوں کو بھُول جاتے ہیں۔ چونکہ استبداد اور تلون مزاج کا منہبہ عام آئین ہے۔ اور اگر قوانین موجود ہوں تو رعایا کی ان سے بیخبری بھی بے آئینی کی مراد ہے۔ لہذا اختیار اور ابلاغ کو فوری مداوا سمجھ کر اُس کی تاثیر کے اطلاق میں کوشاں ہوئے۔

————— ❦ —————

طلبہ کے موقعاۓ اعزام یورپ کا لطف

چونکہ نادانی کا قطعی علاج معارف ہے۔ جس کی اشاعت مکتب کے ذریعے سے ہوتی ہے، البتہ ذاتِ شاہانہ نے اُن کی تاسیس اور توسیع میں نسبتِ اخباروں کے بہت زیادہ کوشش کی۔ یہ دارالشفاء اگرچہ ذوقِ اساذہ کی مدد سے جہالت کے آلام کی تخفیف کر رہے ہیں لیکن فی الحال یورپ کی طرح چونکہ لوازمِ صحیبہ یہاں موجود نہیں، طلبہ کو خارج میں اعزام کرنے کا قصد کیا۔ بعضے کفر کی شبِ تاریک سے، عیشِ پرستی کی موج کے بہیم سے، وطنِ فراموشی کے گرداب سے خوف کھا کر کتے تھے کہ افغان نوجوان بے دینی کے قعر میں تختہ بند کئے جاتے ہیں، ممکن نہیں کہ دامنِ عقیدت و عفت تر نہ ہو، مگر چونکہ منافعِ دریا میں ہیں۔ اور سلامتِ ساحل پر بھی نہیں۔ کیونکہ جہالت اور اسارت میں بھی آخر اجل آکر رہے گی، اس لئے اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ یہ طلبہ اس لئے باہر بھیجے جاتے ہیں تاکہ کمالات سے آراستہ

ہو کر ملت کی خدمت بجا لاسکیں۔ اور چونکہ اس سے زیادہ مقدس
ارادہ عند اللہ اور نہیں، لہذا اُس کی بارگاہِ ہدایت و ستگاہ سے
التجا اور توفیق کی رجا ہے ۞

چونکہ روندگانِ طریقت، معرفتِ ہنر سے عاری قبا ئے
اطلس کو نیم جو سے بھی نہیں خریدتے۔ اس لئے تحصیلِ فنون کے لئے
طلبہ بھیجے گئے۔ نہ کہ محض زبانِ دانی، ادبیات و قانون سیکھنے
کے لئے، کیونکہ افغانستان میں یورپی زبانوں کی کوئی حاجت نہیں۔
ہماری ملی ادبیات جدا ہیں، ہمارا قانون شریعتِ اسلام ہے جو اکمل
ہے۔ ہمیں صرف ہنرمندوں کی ضرورت ہے۔ جو صنائعِ حرفے،
معادن اور مختلف قسم کی ہندسیوں سے واقف ہو کر آئیں۔ اور
یورپ میں صرف یہ کمال پیدا کریں۔ چنانچہ اب تک جتنے نوجوان
واپس آچکے ہیں انہی مفید پیشوں میں مہارت اور تخصص حاصل
کر کے آئے ہیں ۞

اگرچہ اب طلبہ کی بہت سی مختلف وقتوں میں جماعتیں جا چکی
ہیں۔ اور بعض واپس آنے کو ہیں۔ مگر پہلی دفعہ جب اُن کو وداع

کیا تو عجیب شادی و غم سے ہم آمیختہ واقعہ تھا۔ جس کو ذاتِ شاہانہ نے یوں بیان کیا تھا :-

اول آپ سے عفو چاہتا ہوں، کیونکہ جو حال میرے دل میں ہے اسے نطق میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے اپنی اولاد اور بھائیوں کی مفارقت کا غم نہیں۔ اگر وہ یہاں سے رخصت ہو کر خدمتِ اسلام میں فدا ہو جائیں تو اُن کی عزت اور شرف ہے۔ یہ اسلام کا حال اسفِ اشتمال ہے جو مجھے رُلاتا ہے۔ جل اور نفاق جو آج اسلام کو خراب اور برباد کر رہا ہے۔ مجھے رنج و اندوہ سے جلاتا ہے۔ جب تک ہمارے بچے طلبِ علم کے لئے جا کر کمال حاصل کر کے نہ آئیں اس اسلامی عظمت و رفعت کو جسے کھو بیٹھے ہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے۔ میں نے یہ ارادہ کسی اور ملت سے نہیں سیکھا۔ بلکہ صرف اپنے دین کی پیروی کر رہا ہوں۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصحین۔ عرب کہاں اور چین کہاں! پیادہ پا اونٹ پر وہاں جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور اب

۱۰ علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو ۛ

سفر میں آسائش ہے۔ - افتخار کا مقام ہے کہ ہم نے یہ اقدام اپنے پیغمبر کے ارشاد کے مطابق کیا ہے ۛ

اگرچہ پہلے اعلیٰ حضرت امیر شیر علی خاں مغفور نے یہ قصد کیا تھا۔ ثانی میرے جد اعلیٰ حضرت مرحوم نے یہ خیال فرمایا تھا۔ پھر اعلیٰ حضرت شہید نے اپنے دستخط مبارک سے جو وزیر معارف کے پاس موجود ہے۔ یہ لکھا تھا کہ جب تک لڑکے خارج نہ جاسیں اور مسلم باہر سے بلائے نہ جائیں اقتاتستان ترقی نہیں کریگا۔ لیکن وہ ارادہ آج بجالایا گیا۔ اور خدا کا شاکر ہوں کہ میری طرف سے اجرا ہو کر میرے نام پر خاتمہ ہوا ۛ

میں ان سب لڑکوں کو بڑوں کو اپنے بھائی اور چھوٹوں کو اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔ سفیر کو میں نے یہی کہا ہے کہ میرے اپنے بیٹے میرے چچا کے بیٹوں میرے بھائیوں اور دوسرے اقربا کو سب لڑکوں کے مساوی درجے پر رکھنا۔ تاکہ کوئی تفاوت ان کے درمیان ظاہر نہ ہو۔ لیکن اے میرے بچو اور بھائیو! ایک نصیحت تمہیں کہتا ہوں۔ خدا کے واسطے اقتاتستان کے شرف کو برباد اور

ملتِ افغان کے نام اور عزت کو پامال نہ کرنا۔ نعم نمونے کے طور پر جا رہے ہو۔ اگر نمونہ افغان ایسا کام کرے جو اسلامی نقص کا باعث ہو۔ تو پھر خدا تمہاری شکل مجھے اور میری صورت تمہیں نہ دکھائے۔

دوسری یہ ہدایت کرتا ہوں کہ افغانوں کی ترقی اور اسلام کی خدمت کے لئے جا رہے ہو۔ ایک گھڑی بھی تحصیلِ علم کے سوا کسی اور چیز میں صرف نہ کرنا۔ خاکِ پاکِ وطن کی آنکھیں تمہاری طرف لگے ہی ہیں۔ ان آنکھوں میں خاکِ مت ڈالنا۔ تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اس سے تم کو باعزت و شرف و نیک نامی واپس چاہتا ہوں۔ اس وقت اگر زندہ ہوؤ تو خوب ورثہ میری قبر پر آکر اپنے کمالات کو شمار کرنا پھر مجھے قرار آئیگا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے رسم و داع کے مطابق سبٹ کون کو جن میں کاتبوں اور کاسبوں کے لڑکے بھی تھے۔ جدا جدا بوسہ دیا اور سب برابر حیثیت میں رخصت ہوئے۔

اس کے دو برس بن مفتشِ معارف نے فرانس سے وزارتِ معارف کے ذریعے حضور میں عرض کی کہ بیگانے ملک میں بادشاہی

نام و حشمت اور کی محافظت اس امر کی مقتضی ہے کہ شہزادہ ہدایت اللہ خاں کے لئے موٹر کار ہو۔ اعلیٰ حضرت نے جواب دیا کہ میں نے اول روز وعدہ کیا تھا کہ اپنے بیٹے بھائیوں اور دوسرے طلبہ کے درمیان کوئی فرق اور تمیز نہیں کروں گا۔ اسی قول پر قائم ہوں۔ اور سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ البتہ موٹر خریدی جائے۔ مگر یکساں سب کے استعمال کے لئے ہو۔

حضرت فاروقؓ نے اپنے دو فرزندوں کے ساتھ عدل کا سلوک کر کے اُن کی ممات اور حیات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ حسن صباح نے اپنے لڑکے اور مریدوں میں آخری لمحے تک تفریق نہ کر کے اُن کو اپنا فدائی بنالیا۔ ان ظاہر اور برعکس شالوں کے علاوہ، ازمنہ قدیم اور جدید میں سبزر اور بونا پارٹ جمہوریت سب بادشاہی کو پہنچے۔ کیونکہ لوگوں نے ان کی خدمات اور ان کی عقل و سیاست کی فوقیت کا اعتراف کر کے ان کے استبداد کو بمنزلہ آئین قبول کر لیا۔ عجیب موازنہ ہے! افغان بادشاہ پوری قوت اور کامل اقتدار کے باوصف چھوٹے لڑکوں کی استمالتِ تسلوب

کرتا ہے۔ یہ منظر جمال ہے جس کی تعلیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مسیح علیہ السلام نے بھی دی تھی کہ ان بچوں کو میرے پاس آنے سے مت روکو۔ کیونکہ آسمان کی سلطنت میں انہی کا دخل ہے۔ پٹھان بادشاہ شہزادوں اور سرداروں کو تو خیال میں بھی نہیں لاتا۔ اور اپنی بادشاہی بلندی سے تنزل کر کے نوجوان ملت کو حریت اور مساوات کی تلقین کرتا ہے۔

پھر طلبہ کی ایک جماعت کو استنبول بھیجنے کا ارادہ کیا اور کتب کے لڑکوں کو اپنے حضور میں بلا کر فرمایا کہ ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے بھیجے جا رہے ہو۔ (قطنطنیہ میں سو سال سے زیادہ عرصے کا مستند میڈیکل کالج ہے) اس لئے جس کا میلان طبع نہ ہو وہ مخیر ہے۔ باوجود لڑکوں کی چھوٹی عمر کے اُن کو انتخاب پر مجبور نہ کر کے پھر دلیرانہ صمیمیت سے فرمایا کہ تم کامیاب ہو کر واپس آؤ۔ اور مجھ پر اپنا ہنر آزماؤ۔ یہ کسراپنا بازو برہنہ کر لیا۔ اور ارشاد کیا کہ میں اسے چیر ڈالوں گا تا کہ عملیات جراحی اس پر جاری کرو۔ اس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ روس، اٹلی، جرمنی، فرانس وغیرہ

سے نوجوان افغان ملکی اور عسکری فنون سے آراستہ ہو کر لوٹے۔
 بڑے حشام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور ہمیشہ اپنی صحبت
 میں رکھ کر اُن کو معزز بنادیا۔ انعامات اور اکرامات سے سرفراز
 فرمایا ۛ

جو لڑکے یورپ میں امتیاز کے ساتھ امتحانوں میں کامیاب
 ہوتے ہیں۔ ان کو شانہ و عنایات سے یاد کرتے ہیں۔ اور اب جو خود
 اُن کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ تو اُن کے نفقہ احوال کا اس
 سے تخمینہ ہو سکتا ہے کہ یورپ سے کابل کے مکتبوں اور ادارات
 لیبیہ کو فراموش نہ کر کے سینکڑوں ایڈیو کی مشینیں ارسال فرمائیں۔
 اور علاوہ عام تقسیم کے ہر جماعت کے سرآمد متعلم کو جُدا
 مشین عطا کی ۛ

جب اعلیٰ حضرت غازی مغرب کے کمالات کو اپنی آنکھوں سے
 دیکھ کر مراجعت فرمائیں گے۔ اور اکثر لڑکے تعلیم یافتہ ہو کر عودت
 کر آئیں گے۔ تو افغانستان کی ترقیات کا حقیقی سلسلہ شروع ہو گا۔
 اب صرف زمینہ تیار ہو رہا ہے۔ پھر بھی ذاتِ شانہ نے تقریباً

بعض لوگ کامیابی سے لوٹنا

یورپ کابل کے مکتب کو تحفہ بھیجنا

دس سال کے عرصے میں جو کچھ کر دکھایا ہے، اگرچہ بعض یورپین اقف کاروں کی رائے میں ایک یورپ کا مدبر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور جمال پاشا کے اقرار پر کہ ان مشکلات میں تو میں ایک دن بھی کام نہ کر سکوں، اس میں اعلیٰ حضرت غازی کی موفقیت حیر العقول ہے، مگر جب آپ کی بصیرت اور آپ کی ملی اولاد کی فنی ایجادات منصفہ شہود میں آئینگی تو سچی مظہریت اس وقت حاصل ہوگی۔

پورے چار سو سال گزرے کہ عظیم الشان سلطنت مغلیہ ہند کا باقی انقلاب روزگار کے بعد اسی جگہ پر جہاں کابل میں خود مدفون ہے، باوجود اپنی تنزک و شان کے فوج ظفر موج کو خطاب کرتا ہے کہ میں ایک عاجز بندہ ہوں صرف تنگری (خدا) تعالیٰ کی یاری اور فضل سے پھر شہر یاری کے مرتبے کو وصل ہوا ہوں۔ اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں، شاہان لودھی، سورمی، غوری، ہوتکی، اور سدوزائی کا وارث، سالانہ جشن جلوس و نذرانے عظام، سفیران کبیر، سرداران، خوانین، اور وکلاء ملت کے سامنے حقوق العباد کا بھی لحاظ رکھتے ہوئے، خداے ملک و مقدر کی

شناختی کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں عاجز بندہ ہوں۔ خدا سے
اپنی ملت کی خدمت کی توفیق مانگتا ہوں، جس کی معاونت سے
میں نے استقلال حاصل کیا۔ کرخان ٹے پہ یاران ٹے۔ اپنی قوم
کی دیانت اور شجاعت سے مجھے ترقیات کی اُمید ہے، جو عالم
اسلام کی خیر خواہی سے وابستہ ہیں۔ اور اس قومی اتحاد پر مسلمانوں
کی تعالیٰ کا انحصار ہے۔ جس کا یقین خداے تعالیٰ کے لطف و کرم
سے ہے ۵

دوستاں را کجا کنی محرم
تو کہ بادشمنان نظر داری

اعلیٰ حضرت غازی کی عمر ابھی پورے چھتیس سال کی نہیں ہوئی۔
اور سلطنت کو دس سال بھی نہیں گزرے۔ قصرِ مملکت کی استوار
اساس رکھ کر اس پر متین اور حصین تعمیر شروع کی ہے۔ گردِ سایہ دار
نہال بار آور پودے اور سدا بہار پھول لگائے ہیں۔ عمارت اور
فلاحیت میں پوری مشغولیت ہے۔ دورہ امانیہ کی مسلسل اور مفصل
تاریخ اس وقت لکھی جائے گی۔ جب مشید محلِ تنزین پا کر اپنے

وسیع برجوں اور منیج میناروں کو سربلک دکھائے گا۔ اور میوہ دار
 اشجار کی شاخیں امتداد پا کر، اور گلبنین رنگ بو پھیلا کر ایک طرف
 آسمان میں پہنچیں گی۔ اور دوسری جانب روئے زمین کو ثمرور اور
 معطر کر دیں گی۔

دمیدم صیت کمال دولت خدام او
 عرصہ روئے زمین را سر بسر خواهد گرفت
 شاہباز ہمتش چوں برکشاید بال قدر
 از ثریا تا ثرے در زیر پر خواهد گرفت



تقریبات

مولوی بریل الدین خان سابق مدیر اخبار اتحاد مشرقی، مدیر اخبار تحقیق،
سوانح نگار ذات شاہانہ کمال ترجمہ شورا عالیہ ولایت فغانستان

میں اس تصنیف شریف کے اول سے آخر تک مطالعے سے بے حد مستفید ہوا
اس کتاب لطیف کو دقائق عجیبہ، نکات غریبہ، لطائف تاریخیہ اور محققانہ
نراکتوں پر حاوی پایا۔ ہمارے مقبوع مقدس اعلیٰ حضرت غازی کے
معمولی افعال اور عادی اعمال ایک خوش رنگ صورت اور فشننگ ٹاویلا
میں مسطور ہوئے ہیں۔ ادیب یلعی، مصنف لودعی نے ہر نکتے،
ہر لفظ، اور ہر جملے میں، اعلیٰ حضرت غازی کے شخص شخصیت کے ساتھ
معاشرت شیفتگی اور علاقہ مندی کا ثبوت دیا ہے۔ علاوہ برآں
دورہ امانیہ کے کوائف کو بطور گلچین، طرز زربین اور اسلوب قلمین
سے قلمبند کیا ہے۔ مصنف فاضل نے تطبیقات اور تمثیلات سے
کام لے کر ان صحائف کے محاسن صوری اور مزایاے معنوی کو

اور بڑھا دیا ہے ۛ

ایں نسخہ کہ قصۂ امانی ست از جلوہ خود بہشت ثانی ست

صد بحر مہنت دریں سفینہ ست صد لعل و گہر دریں خزانہ ست

صد دخل دریں کتاب مجموع جز ناخن دخل کوست مقطوع

در حوض کتاب خط جاناں خضریت میان آب جیواں

البتہ اس کتاب کو پڑھنا، سمجھنا، اس میں حصہ لینا اور اس سے کامل

حظ اٹھانا ان اشخاص کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو قدیم اور جدید

تاریخ سے، نامورانِ اسلامی، قہرمانانِ شرقی و غربی، اور سلاطین

ماضی و حال سے کافی واقفیت رکھتے ہوں، اور جن کو خصوصاً

علیٰ حضرت معظم غازی کی ذاتِ تنویدہ صفائے ساتھ عقیدت اور محبت

ذاتی ہو، اور نیز ذاتِ جہانباہی کے جزوی اور کلی افعال و اقوال معلوم

ہوں۔ السنہ فارسی، عربی اور افغانی کے ساتھ بھی مساس ہو۔ ان شروط

و قیود کے بغیر عوام الناس، حامدینِ خناس اور ناظرینِ بے احساس

اس مولفہ نافذ سے نہ کافی دلچسپی رکھیں گے نہ وافی حظ اٹھائیں گے۔

سراج محمد خاں طرزی مدیر کتاب خانہ ملی کابل

اس کتاب مستطاب مصنفہ ادیب لیب علی قدر صداقت مآب محمد حسین خان رئیس صاحب
تدریسات عمومی افغانستان کی قرأت سے عجیب و غریب تاریخی نکتے کثرت سے
پاکر مستفید اور بہرہ مند ہوا۔ الحق ایسی تصنیف ہے جس میں ان خجستہ صفات فخر افغان
دور دوران، نوجوان شرق اعلیٰ حضرت غازی کے مدائح کے دروگوہر راستی
و درستی سے اعراق کے بغیر شیریں بانی اور رنگین بیانی سے ہمیشاں سک
میں پروئے گئے ہیں۔ ہمارے محبوب القلوب بادشاہ کے واقعات کو
گذشتہ بزرگوں کے کارناموں کے ساتھ اس خوبی سے توافقی دیا ہے
کہ بے اختیار تحسین کا صلہ دینا پڑتا ہے۔ میرے ناقص خیال میں یہ
کتاب شایقین تاریخ کے مطالعے کے شایان ہے۔

ببینببینببینببینببینب

ملا فیض محمد خان مصنف سراج التواریخ و معلّم تاریخ

وادبیات مدرسہ حبیبیہ

اس کتاب مستطاب کے مؤلف اور ان خجستہ ابواب کے مصنف نے واقعہ نویسان
راست نگارش کی طرح ستائش حق کو مرعی رکھ کر لحاظ اور انعام سے

کام نہیں لیا، اور نظریات، معلومات، و مشاہدات صحیحہ و موقوفہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اپنی حکایت کے استشہاد اور روایت کے استظهار کے لئے ہر مرصاد کو اکابرِ نوعِ بشر کے افعال کے ساتھ معنون کیا ہے۔ نہایت مفید اور مرغوب کتاب ہے، اور جدیدِ تقدیر و تحسین و تجید ہے۔

سردار عبدالحمید خاں سابق وزیرِ معارف و کس شو اعلیٰ علیہ دولتِ افغانستان

کتاب میری نظر سے گزری۔ الحق عجب گلدستہ ادبیات و اخلاقِ بابرہا اور آراستہ کیا ہے۔ قابلِ مصنف نے اپنی وسعتِ دانش، فراخیِ بینش، واقعاتِ سلف اور حالاتِ خلف کی باخبری، اور قدیم و جدید علوم و فنون میں بہرہ وری سے، رنگا رنگ معرفت و حقیقت کے پھولوں کو اطرافِ عالم اور ثمراتِ عقلِ بنی آدم سے جمع کر کے تنظیم و ترتیب کی سلک میں ڈالا ہے۔ اور خسرو غازی علی حضرت بادشاہِ افغانستان کے نام نامی پر ختم کیا ہے، اور شاہانہ مناقب کو بیان کرتے ہوئے مطلقاً مبالغے سے کام

نہیں لیا ہے۔ بلکہ بہت سے محاسن ہیں جو مذکور نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس
 فرزندِ نادور روزگار اور یگانہ بندہٴ آفریدگار کے سراپائے وجود کو جس میں
 کوئی ہنر نہیں، جو نہیں، قلم احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہ کتاب سوانح، تاریخ،
 وقائع اور حقائق کی بہترین اور معتبر ترین کتب میں سے گنی جائیگی۔
 فوق العادہ اشاعت اور شایقین پیدا کرے گی، اور شاید دوسری زبانوں
 میں بھی ترجمہ ہوگی ❖



01659



محمد سیف خان بیگ (علیگ) رئیس قریات عمومی افغانستان
(ڈائریکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن)